

انسانی دنیا پر
مسلمانوں کے عربی و فارسی
کا اثر

PDFBOOKSFREE.PK

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مجلس شریعت اسلام

۱۔ کے۔ ۳۔ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد، کراچی ۷۴۰۰

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے وجانشین
دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ناظم اور مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ انڈیا کے
صدر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی کتابوں کے سلسلے میں تازہ تحریر



المجمع الاسلامي العلمي

**Academy of Islamic
Research & Publications**

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام

Nadwatul Ulama, P.O. Box 119, Lucknow-226007 U.P. (INDIA)
Ph. : 0522-2741530, Fax : 0522-2740806

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

Ref.....

Date: 6/7/2009

جناب مولانا فضل ربی ندوی صاحب
بانی و مالک مجلس نشریات اسلام کراچی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ (Academy of Islamic Research & Publication) کے نمائندہ کے طور پر مجلس تحقیقات کی کتابوں کو مجلس کی اجازت سے پاکستان میں مجلس نشریات اسلام کراچی کے نام سے شائع کرتے رہے ہیں مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ کے ذمہ دار وہاں آپ کو اپنا نمائندہ سمجھتے ہیں اور مجلس کی کتابوں کی اشاعت کا حق صرف آپ کو ہے۔ پاکستان میں کوئی دوسرا ادارہ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کے ذمہ داروں کی اجازت کے بغیر مجلس کی کتابوں کو شائع کرتا ہے تو آپ کو پورا حق حاصل ہے کہ اس کو روکیں اور ضرورت پڑنے پر ہماری یہ تحریر اس کو دکھائیں۔

سید محمد رابع حسنی ندوی

سکرٹری

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ

(سید محمد رابع حسنی ندوی)

سید محمد رابع حسنی ندوی

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ

(سید محمد رابع حسنی ندوی)



انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
نور اللہ مرقدہ

مجلسِ نشریاتِ اسلام

۱۔ کے۔ ۳۔ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد۔ کراچی۔ ۱۹۶۰ء

جملہ حقوق طباعت و اشاعت پاکستان میں
بحق فضل ربی ندوی محفوظ ہیں۔

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

- ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند
- صدر مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ۔ رکن مجلس انتظامی و مجلس اہل دارالافتاء عظیم گڑھ
- رکن عربی اکادمی دمشق۔ رکن مجلس شوریٰ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ
- رکن مجلس تاسیس رابطہ عالم اسلامی مکہ معظمہ۔ رکن مجلس عاملہ موقر عالم اسلامی ہمدان
- رکن مجلس انتظامی اسلامک سینٹر جنیوا
- سابق وزینگ پروفیسر دمشق یونیورسٹی و مدینہ یونیورسٹی

نام کتاب	_____	انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر
تصنیف	_____	مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
طباعت	_____	احمد برادرز، ناظم آباد، کراچی
صفحات	_____	۴۰۰ صفحات
ٹیلیفون : 6601817		

ناشر

فضلہ ربیہ ندوی

مجلس نشریات اسلام ۱۔ ۲۔ ناظم آباد منشن۔ ناظم آباد کراچی ۴۰۰

انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر

چودھواں ایڈیشن ^{۱۲}	(کویت)	۱۔ عربی
چھٹا ^۶	(لکھنؤ)	۲۔ انگریزی
گیارہواں ^{۱۱}	(لکھنؤ)	۳۔ اردو
دوسرا ^۲	(ایران)	۴۔ فارسی
دوسرا ^۲	(القہ)	۵۔ ترکی

۶۔ فریخ اور جنوبی ایشیاء کی بعض دوسری زبانوں میں بھی ترجمہ ہوا ہے۔

فہرست مضامین

”انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر“

۲۴	ایرانیوں کی قوم پرستی	۱۱	دیباچہ طبع یازدہم
۲۵	آتش پرستی اور انسانی زندگی پر اس کے اثرات	۱۳	کچھ کتاب کے متعلق مقدمہ
۲۶	بدھ مت اور اس کے تغیرات	۲۳	(مصر کے نامور اہل قلم یہ قطب کے قلم سے)
۲۸	وسط ایشیا کی قومیں		باب اول
	ہندوستان مذہبی اجتماعی اخلاقی		بعثتِ محمدی سے پہلے ۳۱-۸۴
۲۸	نقطہ نظر سے	۳۱	چھٹی صدی مسیحی کی دنیا
۲۹	نت نئے دیتا	۳۳	اقوام و مذاہب پر ایک نظر
۵۰	جنسی ہجراں	۳۴	مسیحیت چھٹی صدی عیسوی میں
۵۲	طبقہ و اربیت	۳۵	رومی سلطنت میں مذہبی خانہ جنگی
۵۵	بدقسمت شوڈر	۳۶	اجتماعی نظمیں اور معاشی بے چینی
۵۶	ہندوستانی سماج میں عورت کی حیثیت	۳۷	یورپ کی شمالی و مغربی قومیں
۵۷	عرب	۳۸	یہود
۵۷	دور جاہلیت کے بُت	۴۰	ایران اور وہاں کی تخریبی تحریکات
۵۹	معبودوں کی کثرت	۴۲	ایران کا شاہ پرستی

۸۵	باب دوم	۵۹	اخلاقی و اجتماعی امراض
۱۳۱	بعثتِ محمدی کے بعد	۶۰	عورت کا درجہ
۸۵	بعثتِ محمدی	۶۱	قبائلی و خانہ دانی عصبیت و امتیاز
۸۶	جاہلیت پر ایک اجمالی نگاہ	۶۲	جنگِ فطرت
۸۸	جزئی اصلاح کی ناکامی	۶۳	دنیا کا عمومی جائزہ
۹۰	پیغمبر اور سیاسی قائد کا فرق	۶۶	زمانہ جاہلیت کا سیاسی و معاشی نظام
۹۲	انسانیت کی صحیح گرہ کشائی	۶۶	مطلق العنان بادشاہت
۹۳	جاہلیت اسلام کے مقابلہ پر	۶۸	مصر و شام کی رومی حکومت
۹۴	اولین مسلمان	۷۰	ایران میں خراج اور عیسوی مصلوں کرنے کا نظام
۹۷	صحابہ کرام کی ایمانی تربیت	۷۰	شاہی خزانے اور ذاتی دولت
۹۸	مدینۃ الرسول میں	۷۱	طبقاتی تفاوت
۹۹	صحابہ کرام کی ایمانی تکمیل	۷۳	ایران کے کسان
۱۰۱	تاریخ کا عظیم ترین انقلاب اور اس کا ابتدا	۷۴	حکام کا رویہ
۱۰۱	ایمان اور اس کے اثرات	۷۴	مصنوعی معاشرت اور پر عشرت زندگی
۱۰۵	احساسِ نفس اور طامتِ ضمیر	۷۸	حکومت کی دولت ستانی
۱۰۶	امانت و دیانت	۸۰	عوام کی خستہ حالی
۱۰۷	مخلوقات و مظاہر سے بے رغبی	۸۱	سرکش دولت مند اور خود فراموش مفلس
۱۰۹	بے نظیر شجاعت اور زندگی کی حقارت	۸۳	عالمگیر تاریکی
۱۱۱	کمل شہرگی		

۱۶۰	جہاد و اجتہاد کا تقدس	۱۱۳	صحیح معرفت
۱۶۳	اُموی اور عباسی خلفاء	۱۱۵	انسانی نگہداشت
۱۶۴	ملوکیت کے اثرات و نتائج	۱۱۶	ذمہ دار معاشرہ
۱۶۶	فلسفیانہ مویشگافیاں	۱۱۷	صاحب ضمیر معاشرہ
۱۶۷	شرک و بدعات	۱۱۸	محبت کا صحیح مصرف
۱۶۸	دعوت و تجدید کا تسلسل	۱۱۹	محبت اور جان نثاری
۱۶۹	صلیبی خطرہ اور زندگی خاندان	۱۲۲	اطاعت و تابعداری
۱۷۱	صلاح الدین کی قیادت	۱۲۶	نئے افراد اور نئی اُمت
۱۷۴	صلاح الدین کے بعد	۱۳۰	متوازن انسانی مجموعہ
۱۷۴	جاہلیت کے لئے رکاوٹ	باب سوم	
۱۷۵	ہنگامہ تاتار	۱۳۲ ۱۵۷ مسلمانوں کا دور قیادت	
۱۷۷	مصری افواج کے مقابل میں تاتاریوں کی شکست	۱۳۲	مسلمانوں کی قائمانہ خصوصیات
۱۷۸	مسلمانوں کے فاتح اسلام کے مفتوح	۱۴۰	صحابہ کرام کا امتیاز
۱۷۹	تاتاری حملہ کا عالم اسلام پر اثر	۱۴۲	دنیا اور دنیا کی زندگی کے بارہ میلہ سلائی
۱۸۱	میدان قیادت میں عثمانی ترکوں کی آمد	۱۴۸	نقطہ نظر و طرز عمل
۱۸۳	اور عالم اسلامی کا ایک سنبھالا	۱۴۸	اسلامی اقتدار اور اسلامی تمدن کے اثرات و نتائج
۱۸۱	ترکوں کی خصوصیات	باب چہارم	
۱۸۳	ترکوں کا تنزیل	۱۵۸-۱۹۵ مسلمانوں کا تنزیل	
		۱۵۸ مسلمانوں کے تنزیل کا آغاز اور اس کے ابتدا	

۲۱۹	کتب مقدسہ میں احقاق و تحریف اور اس کے نتائج	۱۸۴	ترکوں کا محمود اور پس ماندگی
۲۲۰	مذہب و عقیدت کی کشمکش اور ارباب	۱۸۷	عالم اسلام کا عام ذہنی و علمی انحطاط
۲۲۰	کلیسا کے مظالم	۱۸۹	ترکوں کے مشرقی معاصر
۲۲۱	اہل تہجد کی مذہب کے خلاف بغاوت	۱۹۱	اولوالعزم افراد
۲۲۱	وبیزاری	۱۹۲	یورپ کی صنعتی و طبیعی ترقیاں
۲۲۲	روشن خیالوں کی ٹہلٹ پسندی	باب پنجم	
۲۲۲	اور محمود تعصب	بین الاقوامی سیادت و قیادت	
۲۲۳	یورپ کی مادیت	۱۹۶	
۲۲۴	سیحیت یا مادہ پرستی	۲۷۵	
۲۲۴	زیر پرستی	کا مغربی عہد اور اس کے اثرات	
۲۳۲	خدا فراموشی و خود فراموشی	۱۹۷	مغربی تہذیب کا شجرہ نسب
۲۳۵	مغربی مزاج ایک مشرقی کی نظر میں	۱۹۷	یونانی تہذیب
۲۳۶	روحانیت میں مادیت	۲۰۳	رومی تہذیب
۲۳۸	اقتصادی وحدۃ الوجود	عیسائیت کی آمد اور دیویوں کا قبول	
۲۳۹	یورپ کا نعرہ لا موجود الا بطعن	۲۰۸	
۲۴۰	المعدہ	سیحیت	
۲۴۱	ڈارون کے نظریہ ارتقاء کا اثر	۲۰۸	
۲۴۱	وطنیت و قومیت کا نشو و نما	۲۱۰	
		جنون ربانیت	
		۲۱۳	
		فطرت دشمنی کا اثر اخلاق و تمدن پر	
		۲۱۶	
		ارباب کلیسا کی عیش پرستی اور دنیا داری	
		۲۱۷	
		حکومت و کلیسا کی کشمکش	
		۲۱۸	
		اقتدار کا غلط استعمال اور یورپ کے تمدن پر اثر	

باب ہفتم	۲۸۳	مغرب کا کثیر اور مشرق کے خلاف تعصب
۳۱۴	۲۸۴	قومیت کی حد بندیاں
۳۱۴	۲۸۵	قوم پرستی کے عناصر نفرت اور خوف
۳۱۵	۲۸۸	قومی عظمت و تکبر
۳۱۸	۲۸۹	قوم پرست حکومتوں کا معیار عزت و عظمت
۳۱۹	۲۹۰	ہدایت یا تجارت
۳۲۰	۲۹۲	تجارت و صنعت کا اخلاق کے ساتھ عدم تناؤ
۳۲۱	۲۹۶	سائنس و ترقی اور عہد جدید کے اکتشافات
۳۲۲	۲۹۶	صنعتی اکتشافات کا مقصد اور اسلامی تعلیمات
۳۲۳	۲۹۷	یورپ میں قوت و اخلاق اور علم و دین کا عدم توازن
۳۲۵	۲۹۸	آلات و وسائل کا غلط استعمال
۳۳۰	۲۹۱	ایجادات و اکتشافات کی ہلاکت آفرینی
۳۳۰		باب ششم
۳۳۵	۲۹۶	مغربی عہد اقتدار میں دنیا کے معنوی خسارے
۳۳۷	۲۹۶	حاضرہ مذہبی کا فقدان
۳۳۹	۲۸۱	ذوقِ خدا طلبی کا عالمگیر فقدان
۳۵۱	۲۹۰	دنیا طلبی کا بحران
۳۵۲	۲۹۲	اخلاقی تغیر و زوال
۳۵۴	۳۰۲	پست ہمتی و تن آسانی
عالم اسلام زندگی کے میدان میں		
۳۱۴		گزشتہ اسلامی قیادت کے اثرات
۳۱۵		مغربی قیادت اور اس کے اثرات
۳۱۸		عالمگیر جاہلیت
۳۱۹		اشتراکی روس اور سرمایہ دار مغربی ممالک کا فرق
۳۲۰		ایشیائی اور مشرقی قومیں
۳۲۱		مسلمان جاہلیت کا حلیف
۳۲۲		امید کی شعاع
۳۲۳		دین الہی کا علمبردار اور دنیا کا مٹھب
۳۲۵		عالم اسلامی کا پیغام
۳۳۰		نیا ایمان
۳۳۰		معنوی تیاری
۳۳۵		شعور کی تربیت
۳۳۷		خود غرضی اور نفس پرستی کی گنجائش نہیں
۳۳۹		صنعتی اور جنگی تیاری
۳۵۱		نئی علمی تنظیم
۳۵۲		عالم عربی کی قیادت
۳۵۴		عالم عربی کا ہمیت

۳۶۲	تجارت اور مالی نظام میں خود مختاری	۳۵۵	محمد رسول اللہ عالم عربی کی روح ہیں
۳۶۳	انسانیت کی سعادت کے لئے عربوں کی ذاتی قربانی	۳۵۷	ایمان عالم عربی کی طاقت
۳۷۳	عالم اسلامی کی توقع عالم عربی سے	۳۵۸	شہسواری اور فوجی زندگی کی اہمیت
۳۷۵	اشارہ (ایڈکس) عزیز محمد بنی الدین ندوی	۳۶۱	طبقاتی تفاوت اور اسراف کا مقابلہ



دیباچہ طبع یازدہم

الحمد للہ کہ کتاب انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر "کے گیارہویں بار شائع ہونے کی نوبت آئی، علاوہ متعدد بار شائع ہونے کے اس کو اہل علم اور مصنفین کے حلقہ میں جو قبولیت اور وقعت حاصل ہوئی، ناچیز مصنف کو اس کا پہلے سے کوئی اندازہ نہ تھا۔

کتاب کا انگریزی ترجمہ (ISLAM & THE WORLD) (اسلام اینڈ دی ورلڈ) کے نام سے کئی سال پہلے شائع ہو کر مقبول ہو چکا ہے، اس سلسلہ میں قارئین کو یہ معلوم کر کے دل چسپی اور خوشی ہوگی کہ جب اس کتاب کو اس ادارہ نے اپنے علمی مشیروں اور ماہرین فن کے سامنے اظہار رائے کے لئے پیش کیا تو ڈاکٹر مکینگم (لندن یونیورسٹی میں ادارہ مشرق وسطیٰ) (MIDDLE-EAST SECTION) کے چیرمین نے ان الفاظ میں اس پر تبصرہ کیا کہ کتاب کو

لے اصل کتاب عربی میں لکھی گئی تھی، وہ عرب دنیا میں جتنی مقبول ہوئی، اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اس کے چودہ قانونی ایڈیشن مکمل چکے ہیں، غیر قانونی ایڈیشن جو مصنف کی اجازت اور علم کے بغیر شائع ہوئے وہ بیش سے زیادہ ہوں گے، بعض (قانونی) ایڈیشن ایک لاکھ کی تعداد میں شائع ہوئے اور جلد مکمل گئے۔

برطانیہ سے شائع ہونا چاہئے، کیونکہ اس صدی میں مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کی جو کوشش بہتر سے بہتر نظر فیہ پر ہوئی ہے، اس کا بہ نمونہ اونٹاریو تاریخی و تہذیبی ادارہ نے اس کو ایک دوسرے صاحب نظر اور ماہر اسلامیات نامور مستشرق پروفیسر منٹگمری واٹس صدر شعبہ اسلامیات ایڈنبرا یونیورسٹی کے حوالہ کیا کہ وہ اپنی فیصلہ کن رائے دیں انھوں نے اس کتاب کو اشاعت کا مستحق قرار دیا اور اس کی طباعت کی تائید کی۔

ایران کے ایک سنجیدہ اور باوقار اسلامی ادارہ "جلسات علمی اسلام شناسی" (رقم) نے اس کا فارسی ترجمہ "با صنعت سلیمین دنیا و خطر سقوط" کے نام سے شائع کیا ہے، معلوم ہوا ہے کہ وہ ایران میں شوق اور دل چسپی سے پڑھا جا رہا ہے، ترکی میں وہ کئی بار شائع ہوئی، اور ذوق و شوق سے پڑھی گئی، فریج میں بھی اس کے ترجمہ کی اجازت مانگی گئی اور مصنف کی طرف سے اجازت دی گئی، جنوبی ایشیا کی بھی مختلف زبانوں میں کتاب کا ترجمہ ہوا۔

کتاب کی کبابی کی وجہ سے کتاب کی جو طلب خواہش پیدا ہو گئی تھی امید ہے کہ اس جدید اشاعت سے اس کی تکمیل ہوگی۔

ابوالحسن علی ندوی

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام

ندوة العلماء لکھنؤ

محرم الحرام ۱۴۱۳ھ

۹ جولائی ۱۹۹۲ء

کچھ کتاب کے متعلق

الحمد لله رب العالمین، وصلى الله على سيدنا و مولانا محمد وآله واصحابہ اجمعین.

پیش نظر کتاب کا ابتدائی تمحیل ایک مضمون سے زیادہ نہ تھا، ابتدا میں خیال تھا کہ اجمالی طور پر ان نقصانات کی نشان دہی کی جائے جو مسلمانوں کے تنزل و زوال اور دنیا کی قیادت اور رہنمائی سے کنارہ کش ہو جانے سے انسانیت کو پہونچے اور دکھایا جائے کہ زندگی کے نقشہ میں ان کی جگہ اور قوموں کی صف میں ان کا مقام کیا ہے؟ اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ مسلمانوں کو اس تجربہ نامہ کو نااہلی کا احساس ہو جو انھوں نے انسانیت کے حق میں کیا اور اس کی تلافی اور اصلاح حال کا جذبہ ان کے اندر پیدا ہو، اسی کے ساتھ دنیا کو اپنی اس بد قسمتی کا بھی علم ہو جس سے اس کو مسلمانوں کی قیادت سے محروم ہو جانے کی بنا پر دوچار ہونا پڑا، اس کو محسوس ہو کہ حالات میں کوئی بڑی تبدیلی اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ دنیا کی قیادت مادہ پرست اور ناخدا ترس انسانوں کے ہاتھ سے نکل کر ان خدا شناس اور خدا ترس انسانوں کے ہاتھ میں نہ پہونچ جائے جو پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں اور انھیں کی ہدایات اور تعلیمات سے روشنی اور رہنمائی حاصل کرتے ہیں اور ان کے پاس آخری پیغمبر کی شریعت اور دین و دنیا کی رہنمائی کا مکمل دستور موجود ہے۔

اس مقصد کے لئے عام انسانی تاریخ، نیز اسلامی تاریخ کا اجمالی جائزہ لیا گیا اور دکھایا گیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کس جاہلی ماحول میں ہوئی، انسانیت کس پستی کو پہنچ چکی تھی، آپ کی دعوت اور تربیت نے کس طرح کی امت تیار کی اس امت کے عقائد و اخلاق اور سیرت و تربیت کیا تھی، اس نے کس طرح دنیا کی زمام قیادت اپنے ہاتھ میں لی اس کے اقتدار اور امامت کا دنیا کی تہذیب اور زندگی اور لوگوں کے رجحانات اور کردار پر کیا اثر پڑا، کس طرح دنیا کا رخ ہمہ گیر خدا فراموشی اور مجموعی جاہلیت سے ہمہ گیر خدا پرستی اور اسلام کی طرف تبدیل ہوا، پھر کس طرح اس امت میں انحطاط اور زوال کا آغاز ہوا اور اس کو دنیا کی امامت اور قیادت سے علیحدہ ہونا پڑا، اور کس طرح یہ قیادت کمزور و غافل خدا شناسوں کے ہاتھ سے نکل کر طاقتور نا خدا شناس اور مادہ پرست یورپ کی طرف منتقل ہوئی، خود یورپ میں اس مادہ پرستی اور مذہب بیزاری کا کس طرح ظہور اور ارتقا ہوا، مغربی تہذیب کا اصلی مزاج کیا ہے اور اس کا خمیر کن عناصر و اجزاء سے تیار ہوا ہے، یورپ کے اقتدار اور اس کی قیادت نے دنیا پر کیا اثر ڈالا اور زندگی کو کس طرح متاثر کیا، دنیا کا رخ کیا ہے اور مسلمانوں کی کیا ذمہ داری ہے اور وہ اس ذمہ داری سے کس طرح عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔

تحریر کے دوران ہی میں مصنف کو محسوس ہو گیا کہ یہ مضمون ایک مقالہ کا نہیں بلکہ مبسوط کتاب کا ہے، اور اس کتاب کی تالیف وقت کی ایک اہم ضرورت ہے، خود مسلمانوں کا ذہن اس بارہ میں صاف نہیں ہے، وہ اپنا زندگی سے کوئی تعلق اور ربط محسوس نہیں کرتے اور اس دنیا کی اپنے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں سمجھتے، بہت سے لوگ ایسے ہیں جو مسلمانوں کے زوال کو ایک قومی حادثہ اور مقامی واقعہ سمجھتے ہیں، اور ان کو مطلقاً اس کا احساس نہیں کہ یہ کتنا بڑا عالمگیر سانحہ اور انسانیت کی کیسی بڑی بد قسمتی تھی، واقعہ یہ ہے کہ اس حقیقت کو نظر انداز

کر کے ہم نہ اسلامی تاریخ کو سمجھ سکتے ہیں نہ انسانی تاریخ کو نہ اس دور کی صحیح تشخیص کر سکتے ہیں جو ابھی دنیا میں قائم ہے نہ اس عالمگیر انقلاب کے صحیح اسباب متین کر سکتے ہیں جو دنیا کی تاریخ میں رونما ہوا، اور وہ اسلامی انقلاب کے بعد جس بڑا انقلاب ہے، فرق یہ ہے کہ پہلا انقلاب شر سے خیر کی طرف تھا، یہ خیر سے شر کی طرف ہے، پہلا انقلاب بعثت محمدی اور دعوت اسلامی کے عروج کا نتیجہ تھا، دوسرا انقلاب امت محمدی کے انحطاط اور دعوت اسلامی سے تحافل کا نتیجہ ہے مسلمانوں میں خود اعتمادی کی روح اسلام کی طرف بازگشت کا جذبہ اور جووشِ عمل پیدا کرنے کے لئے بھی ضروری ہے کہ ان کو اپنا مقام یاد دلایا جائے اور بتلایا جائے کہ وہ دنیا کی تعمیر و تشکیل کے اہم اور مقدس کام میں ایک موثر و فعال عنصر (FACTOR) ہیں کسی جلتی ہوئی شین کا پرزہ اور کسی ایجنٹ کے بازی گراور نقال (ACTOR) نہیں ہیں۔

جس ملک ماحول سے مصنف کا تعلق تھا، اور جہاں اس کتاب کی تصنیف کا خیال پیدا ہوا تھا، اس کا اقتضا تھا کہ یہ کتاب اس ملک کی زبان (اردو) میں تصنیف کی جائے لیکن ایک خاص خیال کے ماتحت اس کتاب کی تصنیف کے لئے اردو کے مقابلے میں عربی کو ترجیح دی گئی۔ عربی زبان کی ترجیح و انتخاب کا محرک باعث یہ احساس تھا کہ عرب ممالک اس احساس تری اور مرضِ خود فراموشی کا سب سے زیادہ شکار ہیں دنیا نے اگرچہ انھیں سے نئی زندگی اور نیا ایمان پایا ہے لیکن آج انھیں کی فضا سب سے زیادہ خاموش اور انھیں کا سمندر سب سے زیادہ پرسکون ہے اقبال نے آج سے چند برس پہلے ان ملکوں کو دیکھ کر بجا نہیں کہا تھا کہ ۵

سہ نہ مصر و طیس ہیں وہ اذان میں نے دیا تھا جس نے پہاڑوں کو عرشِ سیما

وہ سجدِ ریح زمین جس سے کانپ جاتی تھی اسی کو آج ترستے ہیں بنبر و محراب

یورپ کے قریب مخصوص سیاسی حالات اور ان دیوانوں کی کمی سے جو خوش قسمتی سے ہرگز نہ

سرزمین میں برابر پیدا ہوتے رہے اور عرب کی مقدس سرزمین عرصہ سے ان کے وجود سے محروم تھی عرب کو یورپ کی شیشہ گری اور فرزانگی کا آسانی سے شکار بن جانے دیا شیخ حسن البناؒ مصر اور ان کی تحریک اور جماعت الاخوان المسلمون کے پہلے پورے مشرق اوسط میں کوئی طاقتور اسلامی تحریک اور جدوجہد نہیں تھی اور کہیں بے حسنی اور اولوالعزمی کے آثار نظر نہیں آتے تھے لوگوں نے یا تو زمانہ سے صلح کر لی تھی یا یلوس ہو کر بیٹھ گئے تھے یا بہاؤ پر اپنی کشتی ڈال دی تھی ان ممالک کے حالات پر نظر رکھنے والا اور ان کے ماضی و حال کا موازنہ کرنے والا بڑے درد و حسرت سے کہہ رہا تھا۔

قافلہ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں گرچہ بے تابدار بھی گیسوئے دجلہ و فرات

اس تکلیف دہ احساس نے قلم کا رخ اردو سے عربی کی طرف موڑ دیا عرب اپنی تاریخ اور اپنے جغرافیہ کے اعتبار سے اس کے اہل ہیں کہ میں الاقوامی سیادت میں جالیں اور پوری متمدن دنیا پر اثر ڈالیں ان کے ممالک بحر احمر اور بحر متوسط کے کنارے واقع ہیں وہ مغرب و مشرق بعید کے درمیان میں ہیں نئے عالمگیر انقلاب و اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے عرب ملک اور مشرق اوسط سے زیادہ موزوں سرزمین کوئی اور نہیں ہو سکتی یہ سب باب محرکات تھے جن کی بنا پر ہندی نثر اور مصنف نے عربی زبان کو اس اہم موضوع کے لئے انتخاب کیا اور یہ کتاب سے پہلے عربی میں لکھی گئی جس کا نام ماذا افسر العالم بالخطاط المسلمین تھا۔

اسی عرصہ میں (۱۹۲۵ء) حجاز کا پہلا سفر پیش آیا وہاں پہلی بار مصنف کتاب کو اس ملک اور اہل ملک کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا جن کے لئے یہ کتاب تصنیف کی گئی تھی حجاز کے قیام اور عالم عربی کے لوگوں سے تعارف نے اس خیال کو اور تقویت پہنچائی اور اس کتاب کے جلد سے جلد نائل ہونے کی ضرورت کا احساس بشتت پیدا ہوا کہ معظمہ کے دوران قیام میں مصنف کو محسوس ہوا کہ کتاب کا پہلا باب بہت تشہیہ ضرورت ہے کہ جاہلیت کے خدو خال کو پوری وضاحت سے پیش کیا جائے اور پوری تفصیل سے دکھایا جائے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت

دنیا کی حالت کیا تھی، اور وہ کیا دینی و اخلاقی، اجتماعی، سیاسی و معاشی ماحول تھا جس میں اسلام کی دعوت نمودار ہوئی، اسلامی انقلاب کی عظمت اور اس کا غیر العقول کا نامہ اس وقت تک نہ بنیں نہیں آسکتا جب تک کہ جاہلیت کا پورا ماحول اور اس کا نقشہ سامنے نہ ہو اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ جاہلیت کا پورا مرقع پیش کیا جائے اس موقع پر معنوم یہ کہ جاہلیت کے متعلق بہت کم مواد دیا گیا ہے کچھ منتشر معلومات ہیں جو ہزاروں صفحات اور بیسویں کتابوں میں تفرق ہیں اس کو جمع کرنا اور ان منتشر و تفرق اجزاء سے جاہلیت کا پورا مرقع تیار کرنا جس سے اس دور کی پوری زندگی سامنے آجائے سیرت نبوی کی بہت بڑی خدمت ہے کہ معظّمین مصنف کو قدیم و جدید عربی مطبوعات کا ایسا ذخیرہ ملا جس سے اس موقع کی تیاری میں بڑی مدد ملی ہندوستان میں بھی مطالعہ و تحقیق کا سلسلہ جاری رہا اور یہ بانیگمیل کو پہنچ کر کتاب میں شامل ہوا اور اس کتاب میں متعدد یہ اضافہ ہوا۔ اسی کے ساتھ اس کا بھی خیال پیدا ہوا کہ بعثت محمدی کے اثرات اور دعوت اسلام کے امتیازات و خصوصیات کو کبھی تفصیل سے بیان کیا جائے اس دعوت کا مزاج اور اس کا طریقہ کیا ہے انبیاء علیہم السلام اپنے زمانہ کی بگڑی ہوئی دنیا کی کس طرح اصلاح کرتے ہیں ان کی دعوت اور جدوجہد کا انداز و سرمے مصلحین و قائمین کس قدر مختلف ہے ان کی دعوت کا رد عمل و استقبال کس طرح ہوتا ہے جاہلیت کس طرح ان کے مقابلے میں آتی ہے اور کیا حربے استعمال کرتی ہے وہ کس طرح اپنے تبعین کی تربیت کرتے ہیں پھر ان کی دعوت کس طرح فتح حاصل کرتی ہے اور کس طرح کے اثرات و نتائج ظہور میں آتے ہیں یہ کتاب ایک ضروری باب ہے جس کے بغیر یہ کتاب نامکمل رہتی۔ مصنف کو اس کا انتظار اور اہتمام تھا کہ یہ کتاب بھر میں کسی وقیع ادارہ کی طرف سے

لے کر معظّمین حاجی عبدالوہاب صاحب دہلوی کا قیمتی کتب خانہ اور ہندوستان میں مولانا عبد الماجد دریابادی کا منتخب ذخیرہ کتب باب کی ترتیب میں مصنف کے لئے بہت مددگار ثابت ہوا۔

شائع ہوا اور اس کا شایان شان تعارف ہوتا کہ اس سے وہ مقصد حاصل ہو جو مصنف کے پیش نظر تھا۔ عرصہ کے انتظار کے بعد کتاب کی اشاعت کے لئے لجنۃ التالیف والترجمة والنشر کو انتخاب کیا گیا جو مصر کا ایک سنجیدہ اور باوقار تعلیمی ادارہ اور دارالاشاعت ہے اور جو اپنی بلند پایہ علمی مطبوعات و تالیفات کی وجہ سے پورے مشرق اوسط میں شہرت اور وقت حاصل کر چکا ہے کتاب پر مقدمہ لکھنے کے لئے اسی ادارہ کے صدر ڈاکٹر احمد امین (سابق پرنسپل کلیۃ الادب جامعۃ مصریہ) کو زحمت دی گئی جو اپنی مشہور تالیفات فخر الاسلام، فنی الاسلام کی بنا پر عالمگیر شہرت حاصل کر چکے ہیں، مصنف کتاب پر ان کی سلامت فکر و وقت نظر اور اصابت رائے کا اچھا اثر تھا، کتاب کا مضمون ان کی خدمت میں بھیجا گیا اور ان سے مقدمہ لکھنے کی فرمائش کی گئی، انھوں نے کمپٹی سے اس کتاب کی اشاعت کی تیز رو سفارش کی اور مصنف سے مقدمہ لکھنے کا وعدہ کیا کتاب کی اشاعت کے بعد معلوم ہوا کہ مصنف نے مقدمہ نگار کے انتخاب میں غلطی کی کسی کتاب پر مقدمہ لکھنے کے لئے مقدمہ نگار کا علم افکار دقیق النظر اور وسیع المطالع ہونا کافی نہیں اس کی بھی ضرورت ہے کہ مقدمہ نگار کو کتاب کے موضوع سے ہمدردی اور اس کے نتائج بحث سے اتفاق ہو اور وہ مصنف کے مقصد کا پرجوش داعی اور کیل ہو اس پر پورا یقین رکھتا ہو اور اس کی کامیابی کا دل سے متبہ ہو، مقدمہ نگار میں خصوصیت کی کمی تھی وہ محض مصنف و مفکر اور ایک کامیاب مخبر ہیں اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور اس کی عالمی قیادت کی طرف سے کچھ زیادہ پرامید نہیں وہ اس کو کبھی ایک علی اور نازکی مثال کی طرح سوچ سکتے ہیں مگر اس کے لئے اپنے دل میں کوئی خاص جذبہ اور ولولہ نہیں رکھتے اس طرح ان کو دراصل کتاب کی اصل روح سے کوئی خاص مناسبت نہیں تھی اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کا مقدمہ روح اور تاثیر سے خالی اور ایک ضابطہ کی خانہ پوری زیادہ نہ تھا، مصر و شام و فلسطین و حجاز میں ہر جگہ محسوس کیا گیا کہ مقدمہ نے کتاب کی قدر و قیمت میں اضافہ کرنے کے بجائے اس کی روح کو نقصان پہنچایا ہے اور کتاب کو ہلکا کر دیا ہے لیکن تیر کمان کھل چکا تھا

اور مصنف کو اپنی غلطی کا احساس تھا یا اس ہمہ کتاب کا "لجنة التلیف والتدقیق والاسرک" طرف سے شائع ہوجانا کتاب کے لئے مفید ہوا کتاب ان حلقوں میں بھی پہنچ گئی جہاں خالص دینی کتابیں اور اسلامی دعوت کے سلسلہ کی چیزیں آسانی سے بار نہیں پائیں، اہل علم میں جب مصنف کتاب کو مشرق وسطیٰ کی سیاحت کا موقع ملا تو اس کو یہ دیکھ کر حیرت بھی ہوئی اور مسرت بھی کہ کتاب بڑے شوق سے پڑھی گئی تھی اور بڑی گرجوشتی سے اس کا استقبال ہوا تھا، کتاب کی اشاعت کے دو مہینے کے اندر اندر وہ تمام عرب ملکوں میں پہنچ گئی تھی، اسلامی حلقوں میں ہاتھوں ہاتھ لگی گئی تھی اور اسلامی فکر کے حلقوں نے بطور خود اس کی اشاعت اور تبلیغ کی تھی، مصر میں ان خان کے ذمہ داروں نے اس کو اپنی تعلیمی و تربیتی سلسلہ میں شامل کیا تھا، اور مطالعہ و تربیت کے حلقوں سے لے کر جیل خانوں تک اس کی اشاعت کی تھی، عدالت کی بحثوں اور پارلیمنٹ کی تقریروں تک میں اس سے استفادہ و اقتباس کیا گیا تھا، جدید قدیم دونوں حلقوں نے اس کی پذیرائی کی، جہاں یہ بات مصنف کے لئے سرمایہ سعادت اور موجب شکر ہے، وہاں غیر ملکی فرائضی، عالیٰ و صلیٰ اور حق پرستی کا تین ثبوت ہے کتاب کی جو پذیرائی اور اس کے گمنام اور عبید اللہ مصنف کی جو وصلہ افزائی ان عرب ملکوں میں ہوئی اس کی توقع اپنے ملک میں بھی نہیں کی جاسکتی۔

مصر کے دوران قیام ہی میں کتاب کی دوسری اشاعت کی نوبت آگئی اس موقع پر مصنف کے مخلص دوست اور کتاب کے خاص قدردان ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ مرحوم (سابق استاد جامع ازہر و پروفیسر اسلامی قانون قاہرہ یونیورسٹی) نے اپنی کمیٹی "جساعة الاشرار للنشر والتالیف" کی طرف سے طبع ثانی کی پیش کش کی، اور مصنف کے ایسا سے ڈاکٹر احمد امین سے اس کی اجازت حاصل کر لی اس موقع پر سابق غلطی کی تلافی کا امکان پیدا ہوا، اب اس کا موقع تھا کہ مقدمہ کے لئے ایسے موزوں شخص کا انتخاب کیا جائے جو کتاب کے مقصد و روح پر پورا یقین رکھتا ہو اور اس کا پرچوش کیل اور داعی ہو، اس مقصد کے لئے موزوں ترین شخصیت یہ قطب کی ہو سکتی تھی، یہ قطب مصر جدید میں اسلامی فکر اور اسلامی دعوت کے سب سے بڑے

علمبرار ہیں ان کا قلم ادھر چند برسوں کے جوانوں میں اسلامی روح اور خود اعتمادی پیدا کرنے کے لئے وقف ہے ان کی ذات میں وسیع النظر علموں کا مطالعہ جدید ادیبوں کا زور قلم اور اسلوبِ داعی کا جذبہ و راضی اور نو مسلموں کا جوش جمع ہے وہ اپنے حالات کے لحاظ سے مسلمان خاندان میں پیدا ہونے کے باوجود مسلم ہی ہیں تعلیم و تربیت اور ماحول نے ان کو اسلام سے بہت دور اور بیگانہ کر دیا تھا قرآن مجید کے مطالعہ اور تفکر اور مغربی تہذیب کی ناکامی اور افلاس نے ان کو پھر اسلام کی طرف واپس کیا اور وہ نئے جوش و خروش اور اعتماد و یقین کے ساتھ اسلام کی طرف آئے، وہ دارالعلوم مصر کے فعال ہیں ان کی ادبی زندگی تنقید اور بے شرف ہونے جس میں انھوں نے بہت جلد اپنا مقام پیدا کر لیا "النقد الادبی" اور "التصویر الفنی فی القرآن" اور "مشاہد القیامۃ فی القرآن" اس زمانہ کی یادگار اور ادبی حلقوں کی مقبول اور کامیاب کتابیں ہیں، عرصہ تک محکمہ تعلیم سے متعلق رہے اسی سلسلہ میں بعض تعلیمی نظریات کے مطالعہ کے لئے ان کو امریکہ میں کچھ عرصہ قیام کرنا پڑا، وہاں مغربی زندگی کے تاریک پہلو کھلے طریقہ پر ان کی نظر کے سامنے آئے اور مغربی تہذیب و فلسفہ زندگی کی ناکامی کو انھوں نے بحشم خود دیکھ لیا اس سے ان کے ایمان و یقین اور اسلام کے تعلق میں بڑا اضافہ ہوا اور اسلامی دعوت کا نیا جوش پیدا ہوا، امریکہ سے آنے کے بعد وہ اسلام کے ایک پرجوش داعی اور مغربی تہذیب کے بصر ناقص بن گئے اور بہترین جدید اسلامی ادب کی ترتیب میں منہمک ہو گئے، ان کے فکر کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اسلام کو ایک ابدی اور عالمگیر پیغام مانتے ہیں جس کے بغیر دنیا کی نجات اور سلامتی نہیں ان کے اسلوب کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ معذرت اور دریافت کے قائل نہیں وہ مغربی تہذیب کی بنیادوں پر پیشہ چلاتے ہیں اور اپنے حریف پر بڑھ کر حملہ کرتے ہیں ان کو اسلام میں کوئی کمزوری اور کمی محسوس نہیں ہوتی اور وہ اس کو ایک مکمل اور جامع دستور حیات کی طرح پورے اعتماد و یقین کے ساتھ پیش کرتے ہیں اس لئے ان کی تحریریں پڑھنے والوں میں اعتماد و یقین کی ایک نئی روح اور مغربی نظام فکر کی حقارت پیدا کر دیتی ہیں اور نوجوان ان کی تصنیفات مطالعہ سے

بہت متاثر ہوتے ہیں ان کی کتاب "العدالة الاجتماعية في الاسلام" (اگرچہ مصنف کو اس کے بعض مقاصد اختلاف ہے) اس طرز فکر اور اس طرز تحریر کا میاب نمونہ ہے اور جدید اسلامی ادب میں خاص مقام رکھتی ہے۔

یہ قلمیے کتاب کا مطالعہ بڑے ذوق و شوق سے کیا تھا، اور ان کی ہفتہ وار مجلس مذاکرہ میں اس کتاب کی تلخیص اور اس پر بحث و مباحثہ بھی ہوا تھا جس میں مصنف کو بھی حصہ لینے کا اتفاق ہوا تھا، مقدمہ کی فرائض کو انھوں نے بہ سرت قبول کیا اور ایسا مقدمہ لکھا جس میں کتاب کی پوری روح کھینچ لی۔

یہ مقدمہ جواب کتاب کی زینت ہے کتاب میں ایک مستقل باب کا اضافہ کرتے ہیں اور اس کا ایک اچھا خلاصہ ہے نیز قلمیے کا فاضلانہ مقدمہ کے علاوہ ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ مرحوم نے بھی ازراہ کرم ایک مقدمہ یا پیش لفظ تحریر فرمایا جس میں کتاب کے متعلق اپنے قلبی تاثرات اور علمی خیالات کا اظہار کیا علاوہ بریں مصنف کے بے تکلف دوست ڈاکٹر شیخ احمد الشرباشی (انسداد جامع الزہر) نے مصنف کی لاعلمی میں اپنے مخصوص انداز میں صاحب کتاب کا تعارف کرایا اور اس کے مختصر حالات زندگی لکھے، ان دونوں مقدموں کے ترجمہ کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

۱۹۴۵ء میں بیخیاں کر کے کہ اصل عربی کتاب کی اشاعت میں معلوم نہیں کتنی تاخیر ہو، خود مصنف نے اس کو اردو میں منتقل کر دیا تھا، یہ ترجمہ مسلمانوں کے منزل سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا کے نام سے شائع بھی ہو گیا، اس کتاب کی کتابت و طباعت اور کاغذ، موضوع کی اہمیت اور کتاب کی حیثیت کے شایان شان نہ تھا، اس پر ابتدائی دونوں باب بعثت محمدی سے پہلے اور بعثت محمدی کے بعد (جو ۱۹۴۷ء کے بعد اضافہ کئے گئے تھے) اور متعدد اہم اضافے جو عربی اصل کی اشاعت کے وقت تک ملتے رہے موجود نہیں تھے اب جب کہ کتاب کے مصر میں ڈیوایڈیشن نکل چکے ہیں اور سرے کی تیاری ہے اور کتاب اپنے مضامین اور اضافات کی بنا پر دو چند ہو چکی ہے اردو میں اس کی از سر نو اشاعت کا خیال پیدا ہوا، ان نئے ابواب و اضافوں کے ترجمے کی فرصت مصنف کتاب کو ملنی بہت مشکل تھی اس لئے یہ خدمت اس نے اپنے عزیز رفیقوں کے شہر کی، خدا کا شکر ہے کہ انھوں نے بڑی خوبی سے یہ خدمت

انجام دی اس خدمت میں سب سے بڑا حصہ مولوی عبد اللہ صاحب پھلواری ندوی استاذ ادب العلوم ندوۃ العلماء اور ان کے بعد مولوی محمد راج ندوی استاذ ادب العلوم کا ہے کچھ مضامین اور کچھ برادر زادہ عزیز محمد حسنی سلمہ کے قلم سے ہیں مصنف ان تینوں عزیزوں کا شکر گزار اور دعا گو ہے کہ ان کی محنت سے یہ کتاب شاعت کے قابل ہوئی اور اب اردو میں انسانی دنیا پر سلمانوں کے عروج و فتل کا اثر کے نام سے شائع ہو رہی ہے۔

مصنف اس کتاب میں کسی انکشاف خاص تحقیق اور اجتہاد کا مدعی نہیں نہ اپنے بارہ میں کسی غلط فہمی میں مبتلا ہے کتاب ایک یا چند ارادہ تاریخی جائزہ ہے اور ایک قدرتی سوال کا قیام اور علمی جواب ہے یہ سوال بہت سے دماغوں میں آیا ہوا اور مختلف طریقوں پر اس کا جواب دیا گیا ہو، مصنف کا کام یہ ہے کہ اس نے اس سوال کو ابھار دیا ہے اور اس کو ایک مستقل موضوع بنا کر اس پر تاریخی مواد جمع کر دیا ہے اگر اس سے کسی ضمیر میں نیا شعور اور کسی دل میں نئی فطرت پیدا ہو جاتی ہے تو مصنف اپنے مقصد میں کامیاب ہے ہر صراح انقلاب اور نئی تعمیر کے لئے ضمیر کی بیداری اور ذہن کی تیاری ضروری ہے اس کے لئے تاریخ کی بامقصد ترتیب اور ایسی کتابوں اور مباحث کی ضرورت ہے جو ایک طرف علمی اطمینان اور قلبی انشراح پیدا کریں دوسری طرف پڑھنے والوں میں نیا حوصلہ، نیا یقین اور جوش عمل پیدا کر دیں، مبالغہ اور تواضع دونوں سے الگ ہو کر یہ کہنے کی جرأت کی جاتی ہے کہ یہ کتاب اپنے موضوع اور مواد کے لحاظ سے اس سلسلہ کی ایک مفید اور اہم کڑی بن سکتی ہے اور اس سے اسلامی فکر اور اسلامی دعوت کے تمام حلقے بلا اختلاف فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ دماؤ فقی الابا لله علیہ صلوٰۃ والیہ اٰنیب“

الواکسن علی

۱۵ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ

لے حال ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی سابق پروفیسر جامعہ اتم الفری، کراچی۔
لے افسر ہے کہ ۱۳ جون ۱۹۷۹ء کو عین جوانی میں ان کا انتقال ہو گیا رحمہ اللہ رحمت واسعہ

مقدمہ

مصر کے نامور اہل قلم سید قطب کے قلم سے

عصر حاضر کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ مسلمانوں میں خود اعتمادی پیدا کی جائے، ان میں ماضی پر اعتماد متقبل کے بارہ میں امید اور حوصلہ پیدا ہو، اس دین پران کا ایمان و یقین تازہ اور زندہ ہو جائے جس کا نام تو وہ لیتے ہیں لیکن اس کی حقیقت سے نا آشنا ہیں، ان کا تعلق اس دین سے زیادہ تر نسلی اور مروتی ہے اور انھوں نے اس کو بہت کم سمجھنے کی کوشش کی ہے۔

اس موضوع پر تمام قدیم و جدید لٹریچر میں چند بہترین کتابیں جو میری نظر سے گزری ہیں، ان میں مولانا ابوالحسن علی ندوی کی جدید تصنیف ”ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین“ (مسلمانوں کے تنزل سے دنیا کو کیا نقصان پہونچا؟) خاص مقام رکھتی ہے۔

اسلام کی تعلیم سروردی و جہان بینی کی تعلیم ہے اس کی ایک اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ دین اپنے ماننے والوں میں بغیر کسی شائبہ تکبر کے خود داری بغیر کسی فریب نفس کے اعتماد و یقین اور بغیر دوسرے پر اعتماد و درضعف کے یقین و توکل کی روح پھونکتا ہے، یہ عقیدہ انھیں متنبہ کرتا ہے کہ ان کے کاندھوں پر پوری انسانیت کی ذمہ داری ہے، ارضی زمین پر بسنے والی انسانی جماعت کی تولیت (TRUSTEESHIP) ان کے سپرد ہے اور ان کا فرض منصبی ہے کہ وہ بھٹکے ہوئے انسانی گلہ کی پاسبانی کریں اور انسانوں کو دین محکم اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کا فرض

انجام دیں اور اس روشنی اور ہدایت کے ذریعہ جو ان کو خدا کی طرف سے عطا ہوئی ہے، تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائیں :-

کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ
تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ
(سورہ آل عمران - ۱۱۰)

تم لوگ بہترین جماعت ہو جو لوگوں کے لئے
پیدا کی گئی ہے تم بھلائی کا حکم دیتے ہو
اور بُرائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان
رکھتے ہو۔

وَكُنَّا لِلَّهِ جَعَلَكُمْ أُمَّةً وَسَطًا
يَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ
الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (سورہ بقرہ ۱۴۳)

اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک معتدل امت
بنادیا ہے تاکہ تم گواہ رہو لوگوں پر اور
رسول گواہ رہیں تم پر۔

پیش نظر کتاب اپنے ناظرین کے دل میں انھیں تمام احساسات کو ابھارتی ہے اور ان تمام
حقائق کو دل میں اتارتی چلی جاتی ہے لیکن کتاب کا اسلوب یہ نہیں ہے کہ صرف جذبات ابھارے
یا عصبيت کا جوش پیدا کرے، اس میں اپنے دعویٰ کے ثبوت میں ٹھوس علمی حقائق سے کام لیا گیا
ہے جو بیک وقت وجدان و شعور اور فکر و نظر و دلوں کو اپیل کرتے ہیں تاریخی واقعات اور
اس عصر کے ماحول و تعلقات ایسے منصفانہ طریقہ پر پیش کئے گئے ہیں، جس میں مصنف کی روشنی مافی
صاف چھلکتی ہے پھر فیصلہ و اقییت و صداقت اور قلب و ضمیر کی بصیرت کے سپرد کیا گیا ہے، جس کی
وجہ سے کتاب کے مباحث کی تمام کڑیاں مربوط اور ایک دوسرے سے پیوست نظر آتی ہیں
اور کہیں بھی کسی مسئلہ میں مقدمات سے نتائج اٹھانے میں غیر واقفیت یا تکلف کا ثبوت
نہیں ملتا، یہ اس کتاب کی اولین خصوصیت ہے۔

اسلام سے پہلے اس دنیا کا کیا حال تھا، مشرق و مغرب، شمال و جنوب کا کیا نقشہ تھا،

یحییٰ و عرب اور ہند سے لے کر روم و فارس تک معاصر دنیا کا عقلی و فکری مزاج کیا تھا اس وقت
 کی سوسائٹی کا کیا رنگ تھا؟ جن مذاہب پر دینِ سماوی کا پرتو تھا، مثلاً یہودیت و نصرانیت یا جو
 بُت پرست مذاہب تھے مثلاً ہندومت، آتش پرست ان کا کیا حال تھا؟ ان تمام باتوں کی اس
 کتاب میں مختصر لیکن بہت جامع اور واضح تصویر کشی کی گئی ہے اور ہمیں سے کتاب شروع ہوتی ہے۔
 درحقیقت یہ بہت ہی جامع مرقع ہے جو خطہ عارضی کے صحیح خدوخال نمایاں کرتا ہے اس
 مرقع کی ترتیب میں مؤلف نے کسی خود رائی اور ضد کا مظاہر نہیں کیا ہے بلکہ وہ اپنے جلو میں غیر مسلم قدیم و جدید
 مصنفین کو بھی لے آئے ہیں جو قدرِ نا اسلام کے مُعاذ اور اس عہد کو بدنام کرنے والے ہیں جو اسلام
 کی طرف منسوبِ اُتوٹ اس دنیا کی تصویر پیش کرتے ہیں جس پر جاہلی روح مسلط تھی اور اس وقت کا انسانی
 ضمیر گنہ اور روح متعفن ہو چکی تھی، مہیار اور قدس بگڑ چکی تھیں غلامی اور دم کا دور دورہ تھا اور انسانیت
 کی جو ایک طرف مجربانہ عشرت پسندی اور دوسری طرف نامرد محرمی کے ہاتھوں کھوکھلی ہو رہی تھی
 مزید برآں کفر و جہالت اور ظلمت و ضلالت کے بادل سر پر بند لائے تھے مذاہب لاچار و بے بس تھے
 ادیان سماوی پہلے ہی سے تحریف کا شکار ہو چکے تھے اور ان کو گھٹن لگ چکا تھا دلوں سے ان کی
 عظمت نکل چکی تھی یہ مذاہب (خصوصاً نصرانیت) مذہب کے ڈھانچے رہ گئے تھے جن میں نہ کوئی
 روح تھی نہ کوئی زندگی صرف چند بے جان بے روح مراحم کا نام مذہب رہ گیا تھا۔

زمانہ جاہلیت کے اس نقشہ کو پیش کرنے کے بعد مؤلف نے دکھایا ہے کہ تعمیرِ انسانیت کے
 سلسلہ میں اسلام نے کیا کارنامہ انجام دیا اور جب اس کو کچھ کرنے کا موقع ملا تو کس طرح انسانی روح کو
 ادھام و خرافات سے نجات دلائی، ذلت و غلامی سے کس طرح انسانیت کی گلو خلاصی کرائی، مرضِ دنیا
 ناپاکیوں اور گندگیوں کو ہریوں اور ناتوانیوں سے کس طرح انسان کو نکالا، اور اپنے وقت میں
 اسلام نے کس طرح انسانی معاشرے کو ظلم و سرکشی اور انسانی تہذیب کو انتشار اور تباہی بجایا

سماجی طبقہ و اربیتِ سلاطین کے جوہر سے اور مذہبی طبقہ (PRIEST HOOD) اور مہنتوں کی غلامی سے آزاد کیا، اسلام نے نئی بنیادوں پر دنیا کی تعمیر کی عقیدہ اخلاق و ضمیر کو طہارت پاکیزگی عطا کی تعمیر ایجاد کی بلند قدر بخش، ہر تہیت پسندی اور اختر اعی صلاحیتیں پیدا کیں یقین و محنت و ثوق و اعتماد و عدل و انصاف اور خود داری عطا کی، اور دنیا کے صحیح نشوونما اور توازن ارتقا کے لئے علیٰ ہیمن اور مسی سلسل پر آمادہ کیا کہ زندگی کی پوشیدہ طاقتیں بروئے کار آئیں اور پھولیں پھلین صحیح مردم شناسی سے کام لے کر دنیا کی تعمیر و ترقی کے کام میں ہر ایک کو اس کے صحیح مقام پر رکھا اور اس سے وہ کام لیا جس کے لئے وہ بنایا گیا تھا۔

یہ سب اس وقت کی بات ہے جب کہ عالم کی زمام کار اسلام کے ہاتھوں میں تھی اس کو اپنی مرضی کے مطابق اور اپنے ڈھنگ سے کام کرنے کا موقع حاصل تھا، اور واقعہ یہ ہے کہ اسلام کے جوہر اسی وقت کھلتے ہیں جب اس کے ہاتھ میں قیادت ہو اس لئے کہ اسلام کا عقیدہ سرور و جہان بنانی کا عقیدہ ہے وہ قیادت کا ایک نظام ہے، وہ انسانی قافلے کی سربراہی کر سکتا ہے کسی کا دیوڑھ گر نہیں بن سکتا۔

اس کے بعد وہ وقفہ آتا ہے جب زمام قیادت اسلام کے ہاتھوں سے نکل گئی جبر کا سبب یہ تھا کہ خود مسلمانوں میں زوال آ گیا اور وہ اس عالمی قیادت و سنٹر ائیو گئے جس کی ذمہ داری ان پر اسلام کی طرف سے عائد ہوتی تھی اور انسانیت کی تولیت (TRUSTEESHIP) اور ان ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو گئے جو زندگی کے ہر موڑ پر ان کی ذات سے وابستہ تھیں۔

اس جگہ مؤلف نے اس روحانی و مادی زوال کے اسباب بیان کئے ہیں اور ان نقصانات کو واضح کیا ہے جو خود مسلمانوں کو اٹھانے پڑے جب کہ وہ اپنے دین کے اصول سے منحرف ہو گئے اور اس کی ذمہ داریوں سے کنارہ کش ہونے لگے، پھر اس مبارک قیادت سے

محروم ہونے اور پہلی جاہلیت کی زندگی اختیار کر لینے کے بعد دنیا پر کیا گزری؟ یہاں اُلف نے اس ہولناک پستی کی نشاندہی کی ہے جس کے مہیب غار میں انسانیت اپنے سر کے بل گری قہقہی سے اس پستی کا زمانہ وہی زمانہ ہے جس میں علم و فن کی راہیں کھلیں اور انسانیت نے مادی میدان میں بڑی ترقی حاصل کی، مولف محترم نے اس پستی کی نشاندہی کرنے میں آتش بیانی یا ہنسی پیدا کرنے والا طرز نہیں اختیار کیا ہے بلکہ بحث و نظر سے کام لیا ہے اور واقعات کو پیش کر دیا انھوں نے اس سلسلہ میں جن حقائق کو پیش کیا ہے وہ خود ہر طرح کی مبالغہ آرائی اور رنگ آمیزی سے بے نیاز ہیں۔

اس تاریخی جائزہ کے وقت کتاب کا پڑھنے والا بڑی شدت سے محسوس کرتا ہے کہ موجودہ قیادت بدلنے کی سخت ضرورت ہے اور اس بات کی ضرورت ہے کہ انسانیت کو پھر اسی سرچشمہ ہدایت پر لا کر کھڑا کر دیا جائے جس ہدایت کا مٹا ہوا یہ تھا کہ انسان کو تاریکیوں سے کال کر روشنی کی نظر اور جاہلیت سے نجات دلا کر علم و معرفت کی طرف لائے، اس کتاب کے پڑھنے والے کو اندازہ ہوتا ہے کہ اس قیادت کی کیا عالمگیر اہمیت ہے اور اسے کھو کر انسانیت کو کتنا بڑا خسارہ برداشت کرنا پڑا اور اس خسارہ میں صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ ساری دنیا شریک ہے یہ اتنا وسیع خسارہ ہے جو ماضی و حال مستقبل قریب و بعید سب پر حاوی ہے اس کے ساتھ ہی مسلمان کے دل میں ندامت و شرمندگی کا احساس بھی پیدا ہوتا ہے کہ اس نے کیسی مجرمانہ کوتاہی اور غفلت کا ارتکاب کیا، دوسری طرف اس کے اندر یہ احساس بھی ابھرتا ہے کہ اسے کیسی عظیم الشان صلاحیتیں بخشی گئی ہیں پھر اس عالمی قیادت کو دوبارہ حاصل کرنے کی تڑپ بھی پیدا ہوتی ہے جو اسے اپنی غفلت و ناقدری سے کھودی ہے۔

اس کتاب کی ایک قابلِ تعریف بات یہ ہے کہ مولف جہاں کہیں انسانیت کی پستی کا

ذکر کرتے ہیں (وہ پستی جو تمام انسانوں پر محض اس وجہ سے آئی کہ مسلمان ان کی قیادت سے قاصر رہے) وہاں مؤلف اس پستی کو جاہلیت سے تعبیر کرتے ہیں! یہ اسلوب بیان بہت خوبی کے ساتھ مؤلف محترم کے انداز فکر کو واضح کرتا ہے کہ ان کے نزدیک اسلامی روح اور اس مادہ پرستی کی روح (جو اسلام سے قبل دنیا پر چھائی ہوئی تھی) اور اسلام کی قیادت سے دستبرداری کے بعد آج بھی چھائی ہوئی ہے) کے درمیان کیا فرق ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ جاہلیت اپنے مزاج اور روح کے اعتبار سے ایک ہی ہے! جاہلیت کسی محدود زمانہ کے کسی خاص وقفہ کا نام نہیں ہے بلکہ عقل و فکر کی ایک خاص اور متعین ساخت کا نام ہے! وہ فکری ساخت اس وقت ابھرتی ہے جب کہ انسانی زندگی کے وہ حدود اور وہ معیار باقی نہیں رہتے جو خدا نے مقرر کئے ہیں! اور ان کی جگہ بنائے ہوئے وہ مصنوعی معیار آجاتے ہیں جن کی بنیاد وقتی خواہشات پر ہوتی ہے جس کو آج دنیا اپنے ارتقائی دور میں بھی اسی طرح پھیل رہی ہے جس طرح اپنے بربریت اور جہالت کے ابتدائی زمانہ میں پھیل رہی تھی! فاضل مؤلف کتاب کے آخری باب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

”عالم اسلامی کا پیغام اللہ، رسول اور اس کی قیادت پر ایمان لانے کی دعوت تھی! اس کا صلہ یہ ملے گا کہ تاریکیوں سے نکل کر روشنی کی طرف انسان کی عبادت کے نجات پا کر اللہ کی عبادت کی طرف دنیا کی تنگنائی سے نکل کر عالم کی وسعت کی طرف مذاہب کے جوڑ و تم سے بچ کر عدل اسلامی کی طرف آنا نصیب ہوگا! اس پیغام کی اہمیت سامنے آچکی ہے! اور اس زمانہ میں اس کا سمجھنا دوسرے زمانہ کی بہ نسبت زیادہ آسان اور سہل ہے! آج جاہلیت سربراہ رُوسوا ہو چکی ہے! اس کے چھپے ڈھکے عیب نگاہوں کے سامنے آگئے ہیں! دنیا اس سے عاجز آچکی ہے! لہذا جاہلی قیادت کو چھوڑ کر اسلامی قیادت کی طرف منتقل ہونے کا یہ خاص وقت ہے!

بشرطیکہ عالم اسلامی اس کے لئے کھڑا ہو اور اس پیغام کو پورے عزم و اخلاص اور جرأت و ہمت کے ساتھ اپنالے اور اس پیغام کو دنیا کا نجات دہندہ باور کرے اور یقین کرے کہ پستی و تنہا ہی سے دنیا کو صرف یہی پیغام نجات دلا سکتا ہے۔ اس کتاب کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے اسلام کے اصول و کلیات کو ان کے وسیع دائرہ کے اندر اور اسلام کی صحیح روح کے مطابق سمجھا ہے اس بنا پر نہ صرف یہ کتاب دینی و اجتماعی تحقیق علمی کا نمونہ ہے بلکہ اس کا بھی نمونہ ہے کہ اسلامی زاویہ نگاہ سے تاریخ کو کس طرح مرتب کرنا چاہیے۔

علمائے مغرب نے دنیا کی تاریخ مغربی نقطہ نظر سے لکھی ہے اور وہ قدرتا اپنی مادی تربیت، مادی فلسفہ اور پھر مذہبی و قومی تعصب کے اثرات سے خالی نہیں تھے، چنانچہ دانستہ یا نادانستہ ان کی تاریخ میں اغلاط اور جا بجا بے اعتدالیاں پائی جاتی ہیں کیونکہ انھوں نے انسانی زندگی کی بہت سی اہم قدروں کو فراموش کر دیا ہے، حالانکہ انسانی زندگی کی تاریخ ان کے بغیر مکمل ہی نہیں ہو سکتی، اور نہ ان قدروں کو جانے بغیر واقعات کی صحیح توجیہ ممکن ہے اور نہ نتائج اخذ کرنا درست ہو سکتا ہے نیز یورپین مؤرخین عموماً اپنے قومی و مذہبی تعصب کی بنا پر دنیا کا مرکز یورپ ہی کو سمجھ لیتے ہیں اور زندگی کے دوسرے اہم مؤثرات اور محرکات کو صرف اس نظر انداز کر دیتے ہیں کہ یورپ ان کا ماخذ نہیں ہے یا کم از کم بہت گھٹا کر اور ان کی اہمیت کو کم کر کے پیش کرتے ہیں۔

بد قسمتی سے ہم لوگ عرصہ سے اس کے عادی چلے آئے ہیں کہ جس طرح دوسری اشیاء یورپ کے منگاتے ہیں اسی طرح تاریخ بھی یورپ ہی کے ہاتھوں چل کرین اور ان تمام کمزوریوں کے ساتھ اس کو جو کاتوں لے لیں، حالانکہ ان کا طریقہ تصنیف اور طریق فکر ہی سرے سے ناقص اور پر از اغلاط ہے، کیونکہ انھوں نے انسانی زندگی کو ایک محذور زاویہ سے دیکھا ہے اور اس غلط اور محدود زاویہ نگاہ سے وہ غلط

نتائج کا شکار ہوئے ہیں اور یہ ظاہر ہے جب تقدار ہی درست نہ ہوں گے تو نتیجہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔
پیش نظر کتاب تاریخ کا ایک ایسا نمونہ ہے جس میں ان تمام امور پر نگاہ رکھی گئی ہے اور تمام محرکات
اور مختلف قدروں کا لحاظ رکھا گیا ہے کتاب کے پڑھنے والے غالباً اس کے متوقع نہ ہوں گے کہ ایک
صاحبِ ایمان مؤلف جو اسلام کی روحانی طاقت یقیناً کامل رکھتے ہیں اور عالمی قیادت کو اسلام
کے شہرہ کرنے کا پُرپوش جذبہ ان کے دل میں موجزن ہے، جہاں قیادت کی صلاحیتوں پر گفتگو
کریں گے وہاں روحانی قوت کے ساتھ ساتھ صنعتی و حربی صلاحیت کا بھی تذکرہ کریں اور جدید تعلیمی
نظام اور اقتصادی و تجارتی خود کفالتی کچھی سیر حاصل بحث کریں، لیکن بڑی مسرت کی بات ہے کہ
انھوں نے اس پہلو کو بھی تشنہ نہیں چھوڑا۔

بلاشبہ اس کتاب میں انسانی زندگی پر اثر ڈالنے والے تمام عوامل کا ایک مربوط اور منظم تصور ہے
اسی مربوط و منظم تصور کے ساتھ تاریخ کا جائزہ لیا گیا ہے اور امت اسلامیہ کو ایسا مشورہ دیا گیا
جس میں پورا اعتدال اور تناسب پایا جاتا ہے اور اسی خصوصیت کی بنا پر یہ کتاب تاریخ نویسی
کا ایک کامیاب نمونہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کو یورپ کے اسلوب نگارش سے
بے نیاز ہو کر (جس میں ارتباط و توازن، مورخانہ انصاف اور علمی تحقیق کی بالعموم کمی ہوتی ہے) تاریخی
مباحث پر کس طرح قلم اٹھانا چاہئے اور کس انداز سے اس کو مرتب کرنا چاہئے۔

میری خوش قسمتی ہے کہ پیش نظر کتاب کے بارہ میں اپنے ان تاثرات کے اظہار کا موقع ملا اور بڑی
مسرت ہے کہ مجھے اس کتاب کا مطالعہ عربی زبان میں نصیب ہوا، اس لئے کہ قائل مؤلف نے اسی
زبان کو اپنی تصنیف کے لئے اختیار کیا ہے اور آج دوسری بار مصر میں اس کے شائع ہونے کی نوبت آئی ہے
”إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا لِّمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْفَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ“

یتد قطب (شہید)

محلوان (مصر)

باب اول

بعثتِ محمدی سے پہلے

چھٹی صدی مسیحی کی دنیا

چھٹی صدی مسیحی بلا اختلاف تاریخ انسانی کا تاریک ترین و پست ترین دور تھا، صدیوں سے انسانیت جس پستی و نشیب کی طرف جا رہی تھی، اس کے آخری نقطہ کی طرف پہنچ گئی تھی، روئے زمین پر اس وقت کوئی ایسی طاقت نہ تھی جو گرتی ہوئی انسانیت کا ہاتھ پکڑ سکے اور ہلاکت کے غار میں اس کو گرنے سے روک سکے، نشیب کی طرف جلتے ہوئے روز بروز اس کی رفتار میں تیزی پیدا ہو رہی تھی، انسان اس صدی میں خدا فراموش ہو کر کامل طور پر خود فراموش بن چکا تھا، وہ اپنے انجام سے بالکل بے فکر اور بے خبر اور بڑے بھلے کی تمیز سے قطعاً محروم ہو چکا تھا، پیغمبروں کی دعوت کی آواز عرصہ ہوا دب چکی تھی، جن چراغوں کو یہ حضرات روشن کر گئے تھے، وہ ہواؤں کے طوفان میں یا تو بجھ چکے تھے یا اس گھٹاؤپ اندھیرے میں اس طرح ٹٹما رہے تھے جن سے صرف چند خدا شناس دل روشن تھے، جو شہروں کو چھوڑ کر چند پورے پورے گھروں میں بھی اجالا نہیں کر سکتے تھے، دیندار اشخاص دین کی امانت کو اپنے سینہ سے لگا کر ہوئے زندگی کے میدان سے کنارہ کش ہو کر دیر و کلیسا اور صحراؤں کی تنہائیوں میں پناہ گزین ہو گئے تھے، او

زندگی کی کشمکش اس کے مطالبات اور اس کی خشک و تلخ حقیقتوں سے دامن بچا کر دین سیاست اور روحانیت و مادیت کے معرکہ میں شکست کھا کر اپنے فرائض قیادت سے سبکدوش ہو گئے تھے اور جو زندگی کے اس طوفان میں باقی رہ گئے تھے انھوں نے بادشاہوں اور اہل دنیا سے ساز باز کر لی تھی اور ان کی ناجائز خواہشات اور ظالمانہ نظام سلطنت و معیشت میلان کے دست راست اور باطل طریقہ پر لوگوں کا مال کھانے اور ان کی قوت و دولت سے ناجائز فائدہ اٹھانے میں ان کے شریک و سہم بن گئے تھے۔

رومی اور ایرانی اس وقت مغرب و مشرق کی زعامت اور دنیا کی قیادت کے اجارہ دار بنے ہوئے تھے وہ دنیا کے لئے کوئی اچھا نمونہ ہونے کے بجائے ہر قسم کی خرابی اور فساد کے علمبردار و ذمہ دار تھے مختلف اجتماعی اور اخلاقی امراض کا عرصہ سے یہ قومیں آشیانہ بنی ہوئی تھیں ان کے افراد تعیش و تکلفات کی زندگی اور مصنوعی تمدن کے سمندر میں سترپا غرق تھے بادشاہ اور حکام خواب غفلت میں مدہوش اور نشہ سلطنت میں سرشار تھے کام و دہن کی لذت اور خواہشات نفس کی تسکین کے سوا ان کو دنیا میں کوئی فکر اور زندگی میں کوئی اور مشغلہ نہ تھا زندگی کی ہوس اور لذت کی حرص اتنی بڑھ گئی تھی کہ ان کو کسی طرح سیری نہیں ہوتی تھی متوسط طبقہ کے لوگ (ہر زمانہ کے دستور کے مطابق) اس اعلیٰ طبقہ کے قدم بقدم چلنے کی کوشش کرتے تھے اور اس کی نقالی کو سب سے بڑا فخر سمجھتے تھے باقی رہے عوام تو وہ زندگی کے بوجھ اور حکومت کے مطالبات اور محسولات کے بار میں ایسے دبے ہوئے اور غلامی اور قانون کی زنجیروں اور پٹیوں میں ایسے جکڑے ہوئے تھے کہ ان کی زندگی جانوروں اور چوپایوں سے ذرا مختلف نہ تھی دوسروں کی راحت کے لئے محنت کرنے اور دوسروں کے عیش و عشرت کے لئے بے زبان جانوروں کی طرح ہر وقت جتے زہنے اور جانوروں کی طرح

اپنا پیٹ بھر لینے کے سوا ان کا کوئی حصہ نہ تھا، کبھی اگر وہ اس خشک دیے مزہ زندگی اور اس کیساں چکر سے اکتا جاتے تو نشہ آور چیزوں اور سستی تفریحات سے اپنا دل بہلا لیتے اور اگر کبھی زندگی کے اس عذاب سے ان کو سانس لینے کا موقع ملتا تو فاقہ زدہ اور ندیدہ انسان کی طرح مذہب و اخلاق کی پابندیوں سے آزاد ہو کر حیوانی لذتوں پر آنکھیں بند کر کے گرتے۔

دنیا کے مختلف حصوں اور ملکوں میں ایسی دینی غفلت و خود فراموشی، اجتماعی بے نظمی و انتشار اور اخلاقی تنزل و زوال رونما تھا کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ ممالک تنزل و انحطاط اور شرف و فساد میں ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتے ہیں، اور فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ان میں سے کون سا ملک دوسرے سے بڑھا ہوا ہے۔

اقوام و مذاہب پر ایک نظر

اس دور میں بڑے بڑے مذاہب بازیچہ اطفال اور منافقین کا تختہ مشق بن گئے تھے، ان مذاہب کی صورت و حقیقت دونوں اس درجہ مسخ ہو گئی تھی کہ اگر یہ ممکن ہوتا کہ کسی طرح ان مذاہب کے پیشوا دنیا میں آکر اپنے دین کا حال دیکھ سکیں تو قطعاً وہ اپنے مذاہب نہ پہچان سکتے۔ تہذیب و تمدن کے گہواروں میں خود سری، بے راہ روی اور اخلاقی پستی کا دور دورہ تھا، نظام حکومت میں حد درجہ ابتری تھی، حکام کی سخت گیری اور عوام کی اخلاقی گراؤ کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام قومیں اپنے اندرونی مسائل ہی میں اُکھ کر رہ گئی تھیں، دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے ان کے پاس نہ کوئی پیغام تھا، اور نہ انسانیت کے لئے کوئی دعوت تھی، درحقیقت یہ اقوام و مذاہب اندر سے کھوکھلے ہو چکے تھے، ان کی زندگی کا سوتا خشک ہو چکا تھا، ان کے پاس نہ دینی ہدایات تھیں اور نہ نظام حکومت کے لئے مستحکم و معقول اصول۔

مسیحیت چھٹی صدی عیسوی میں

مسیحی مذہب میں کبھی بھی اس درجہ تفصیل و وضاحت نہ تھی کہ جس کی روشنی میں زندگی کے اہم مسائل سلجھائے جاسکیں یا اس کی بنیاد پر تمدن کی تعمیر ہو سکے، یا اس کے زیر ہدایت کوئی سلطنت چل سکے، جو کچھ تھا وہ صرف حضرت مسیح کی تعلیمات کا ایک ہلکا سا خاکہ تھا جس پر توحید کے سادہ عقیدہ کا کچھ پرتو تھا، مسیحیت کا یہ امتیاز بھی اس وقت تک قائم رہا جب تک کہ یہ مذہب سینٹ پال کی دستبرد سے بچا رہا، اس نے تو آکر ہی سہی روشنی بھی گلی کر دی کیونکہ جس بُت پرستانہ ماحول میں اس کی پرورش ہوئی تھی، اور جن جاہلی خرافات سے وہ نکل کر آیا تھا، اس نے مسیحیت میں ان تمام جہالتوں اور لغویات کی آمیزش کر دی، اس کے بعد قسطنطین کا زمانہ آیا جس نے اپنے دور حکومت میں یہی سہی اصلیت بھی کھو دی، غرض یہ کہ چوتھی صدی ہی میں مسیحیت ایک عجیب و غریب مرکب بن کر رہ گئی تھی، جس میں یونانی خرافات، رومی بُت پرستی، مصری افلاطونیت (NEO-PLATONISM & MONASTICISM) اور رہبانیت کے اجزا شامل تھے، حضرت مسیح کی سادہ تعلیمات کا مختصر اس مجموعہ میں اس طرح گم ہو کر رہ گیا تھا جیسے کہ ایک قطرہ کا وجود سمندریں گم ہو جاتا ہے، بالآخر مسیحیت چند بے جان مراسم اور بے کیف عقائد کا نام رہ گیا تھا، جو نہ روح میں گداز پیدا کر سکتے تھے، نہ عقل کی افزائش کا سبب بن سکتے تھے، نہ جذبات کو حرکت میں لاسکتے تھے، اور نہ ان میں اس کی صلاحیت تھی کہ زندگی کے اہم مسائل میں انسانی قافلہ کی رہبری کر سکیں، اس پر تحریف و تاویل کی مصیبت مُتراد تھی جس کا انجام یہ ہوا کہ بجائے اس کے کہ نصرانیت علم و فکر کے دروازے کھولتی، وہ خود علم و فکر کی راہ میں چٹان بن کر کھڑی ہو گئی اور صدیوں کے مسلسل انعطاف کے باعث محض ایک

بُت پرستی کا مذہب بن کر رہ گئی، ایل (SALE) جس نے انگریزی میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا ہے، چھٹی صدی عیسوی کے عیسائیوں کے بارے میں کہتا ہے: مسیحیوں نے بزرگوں اور حضرت مسیح کے مجسموں کی پرستش میں اس درجہ غلو کیا کہ اس زمانہ کے رومن کیتھولک بھی اس حد کو نہیں پہنچے۔

رومی سلطنت میں مذہبی خانہ جنگی

پھر نفس مذہب سے متعلق کلامی مباحث ابھر آئے اور بے نتیجہ اختلافات کی نشو و نما نے قوم کو ابھادیا جس میں ان کی ذہانتیں ضائع ہوئیں اور قولے علیہ شل ہو گئے، مشیزان خانہ جنگیوں نے بڑے پیمانہ پر خون کی سرکہ کی شکل اختیار کر لی، مدارس، کلیسا اور لوگوں کے مکانات حریت کیمپ بن گئے تھے اور پورے کا پورا ملک خانہ جنگی (CIVIL WAR) کا شکار تھا، بحث یہ تھی کہ حضرت مسیح کی فطرت کیا ہے اور اس میں الہی اور بشری جزو کس تناسب سے ہیں؟ روم و شام کے ملکانی (MALKITE) عیسائیوں کا مذہب یہ تھا کہ حضرت مسیح کی فطرت مرکبہ اس میں ایک جزو الہی ہے اور ایک بشری لیکن مصر کے مونوفیزٹ (MONOPHYSITES) عیسائیوں کا اصرار تھا کہ حضرت مسیح کی فطرت خالص الہی ہے اس میں ان کی فطرت بشری اس طرح فنا ہو گئی ہے جیسے سرکہ کا ایک قطرہ سمندر میں پڑ کر اپنی ہستی کو گم کر دیتا ہے، پہلا مسلک گویا حکومت کا سرکاری مسلک تھا، بازنطینی سلاطین و اہل حکومت نے اس کو عام کرنے اور پوری مملکت کا واحد مذہب بنانے میں پوری قوت صرف کی اور مخالفین مذہب (مبتدعین) کو سخت ترین سزائیں دیں جن کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، مگر اختلاف اور مذہبی کشاکش بڑھتی ہی رہی، دونوں فریق ایک دوسرے کو ایسا ہی خارج از مذہب اور

بدین سمجھتے تھے، جیسے ڈونٹزاد نے کہا ہے کہ پیرس (CYRUS) کی نیابت مصر کے دس سال (۶۳۱-۶۲۸ء) کی تاریخ و حشیانہ سزائوں اور لرزہ خیز مظالم کی داستانوں سے لبریز ہے۔

اجتماعی بد نظمی اور معاشی بے چینی

روم کی مشرقی ریاست میں اجتماعی بد نظمی انتہا کو پہنچ گئی تھی، باوجود اس کے کہ عام رعایا بے شمار مصائب کا شکار تھی، ٹیکس اور محصول دو گنے چو گنے بڑھ گئے تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کے باشندے حکومت سے نالاں تھے اور اپنے ملکی حکمرانوں پر ایسی حکومتوں کو ترجیح دیتے تھے، اجارہ داریاں (MONOPOLIES) اور ضبطیاں مصیبت بالائے مصیبت تھیں، ان اسباب کی بنا پر بڑے پیمانہ پر فسادات اور بغاوتیں رونما ہوئیں چنانچہ ۵۳۲ء کے فساد میں تیس ہزار افراد دارا سلطنت میں ہلاک ہوئے اور ہر چند کہ وقت اور مصلحت کا تقاضا تھا کہ اخراجات میں کفایت شعاری سے کام لیا جاتا لیکن لوگ سراوت اور فضول خرچی سے باز نہیں آتے تھے اور اخلاقی گراؤ کی جو سب سے پست سطح ہو سکتی ہے اس حد تک پہنچ چکے تھے، اور صرف ایک ہی لگن سب کے دل سے لگی تھی کہ جس طرح ممکن ہو زیادہ سے زیادہ مال سمیٹنا چاہئے، اور اس کو فیشن پرستی، عیش پسندی اور اپنی من مانی خواہشات کے پورا کرنے میں خرچ کیا جائے، انسانیت و شرافت کی بنیادیں اپنی جگہ سے ہل چکی تھیں، تہذیب و اخلاق کے ستون اپنی جگہ چھوڑ چکے تھے، نوبت یہاں تک پہنچی کہ لوگ ازدواجی زندگی پر بخود کی زندگی کو ترجیح دیتے تھے تاکہ آزادی سے انھیں کھیل کھیلنے کا

ALFRED J. BUTLER ARAB'S CONQUEST OF EGYPT AND THE LAST
THIRTY YEARS OF THE ROMAN DOMINION P. 29-30

(ENCYCLO PAEDIA BRITANNICA CHAP, JUSTIN) ۳۳ P. 183-189 ۵۲

واقعہ ہے، انصاف کا حال یہ تھا کہ بقول سیل SALE جس طرح اشیاء کی خرید و فروخت ہوتی ہے، اور ان کے دام ٹھیراے جاتے ہیں، اسی طرح انصاف بھی فروخت ہونا، رشوت، خیانت کی ہمت افزائی خود قوم کی طرف سے ہوتی تھی، گنہ گنہ کہتا ہے، چھٹی صدی عیسوی میں سلطنت کا زوال اور اس کی پستی انتہا پر تھی، اس کی مثال اس بڑے تناور اور گھنے درخت کی تھی جس کے ساعے میں دنیا کی قومیں بھی پناہ لیتی تھیں، اور اب اس کا صرف تنہا گیا ہوا جو درز بروز سوکھنا جا رہا ہو۔

”تاریخ عالم برائے مؤرخین کے مصنفین لکھتے ہیں :-

”بڑے بڑے شہر جن میں تیزی کے ساتھ بربادی آئی، اور پھر وہ سنبھل نہ سکے، اور نہ اس لائق ہو سکے کہ اپنی غفلت رفتہ کو پھر زندہ کر سکیں، وہ گواہ ہیں کہ بازنطینی حکومت اس زمانہ میں انتہائی انحطاط و تنزل کے عالم میں تھی، اور نیز نزل ٹھیکس اور محصول میں زیادتی، تجارت میں پستی، زراعت سے غفلت، شہروں کی آبادی میں روز افزوں کمی کا نتیجہ تھا۔“

یورپ کی شمالی اور مغربی قومیں

وہ مغربی قومیں جو بالکل شمال و مغرب میں آباد تھیں، جہالت و ناخواندگی کا شکار اور غنی جنگوں سے زار و نزار تھیں، وہ جنگ و جہالت کی پیداکم ہوئی تاریکی میں ہاتھ پاؤں مار رہی تھیں، ان ممالک میں اب تک علم و تمدن کی صبح نمودار نہیں ہوئی تھی، اسلامی و عربی

THE STORY OF THE DECLINE AND FALL OF THE ROMAN EMPIRE V. 3. P. 327

P. 31 GIBBON V. V. P. 31 SALES TRANSLATION P. 72
HISTORIAN'S HISTORY OF THE WORLD V. VII P. 175

اندلس (SPAIN) اس وقت تک منصفہ شہود پر نہیں آیا تھا کہ علم و تمدن سے روشناس کرائے، نیز مصائب و حوادث نے بھی ان کی آنکھیں نہیں کھولی تھیں، غرض ہر طرح یہ قومیں تمدن انسانی کے قافلہ کی شاہراہ سے الگ تھلگ تھیں، بہت حد تک یہ دنیا سے بے خبر تھیں اور دنیا ان سے تقریباً نا آشنا تھی، مشرق و مغرب کے ممالک میں جو انقلاب انگیز واقعات و تغیرات پیش آ رہے تھے، ان سے قوموں کو دور کا بھی واسطہ نہ تھا، غنائم کے لحاظ سے یہ قومیں فو خیر سمجھت اور فرسودہ بت پرستی کے درمیان میں تھیں، نہ دین سے متعلق ان کے پاس کوئی پیغام تھا، اور نہ سیاست کے میدان میں ان کا کوئی مقام تھا، ایچ جی، ویلز (H. G. WELLS) کا بیان ہے اس زمانہ میں مغربی یورپ کے اندر کچھ ہستی اور نظام کے کوئی آثار نہ تھے۔

رابرٹ بریفا لٹ ROBERT BRIFFAULT لکھتا ہے:-

”پانچویں صدی سے لے کر دسویں صدی تک یورپ پر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی، اور یہ تاریکی تدریجاً زیادہ گہری اور بھانک ہوئی جا رہی تھی، اس دور کی وحشت و بربریت زمانہ قدیم کی وحشت و بربریت سے کئی درجہ زیادہ بڑھی چڑھی تھی، کیونکہ اس کی مثال ایک بڑے تمدن کی لاش کی تھی، جو سڑ گئی ہو، اس تمدن کے نشانات مٹ رہے تھے، اور اس پر زوال کی مہر لگ چکی تھی، وہ ممالک جہاں یہ تمدن برگ و بار لایا اور گزشتہ زمانہ میں اپنی انتہائی ترقی کو پہنچ گیا تھا، جیسے اٹلی و فرانس وہاں تباہی، طوائف، الملوکی اور ویرانی کا دور دورہ تھا۔“

یہود

یورپ، ایشیا، افریقہ میں بسنے والی یہود نام کی قوم دنیا کی تمام قوموں میں

اس لحاظ سے ممتاز تھی کہ اس کے پاس دین کا بہت بڑا سرمایہ تھا، اور اس میں دینی تعمیرات
 و اصطلاحات سمجھنے کی سب سے زیادہ صلاحیت تھی، لیکن یہ یہودی مذہب تمدن یا سیاست
 میں وہ مقام نہیں رکھتے تھے کہ دوسروں پر اثر ڈال سکیں، بلکہ اُن کے لئے مقدر ہو چکا تھا کہ
 ہمیشہ ان پر دوسرے لوگ حکومت کریں اور ہمیشہ ظلم و استبداد، سزا و جلاوطنی اور مصائب
 و شقت کے ہدف بنے رہیں، عرصہ دراز تک غلام رہنے اور انواع و اقسام کی سختیاں اور
 سزائیں جھیلنے کے سبب ان کا ایک خاص مزاج بن گیا تھا، قومی غرور، نسب، تکبر، حرص اور
 مال و دولت کی حد سے بڑھی ہوئی طمع، مسلسل سود کے لین دین سے ان میں مخصوص ذہنیت
 و سیرت اور قومی خصائل و عادات پیدا ہو گئے تھے، جن میں وہ ہمیشہ منفرد رہے، کمزور یا
 مغلوب ہونے کے وقت ذلت و خوشامد اور غالب ہونے کی صورت میں انتہائی بے رحمی اور
 بد معاملگی اور عام حالات میں دغا بازی اور نفاق، سنگدلی و خود غرضی، ہفت خوری و حرام
 خوری، راہ حق سے لوگوں کو روکنا ان کا قومی کردار تھا، قرآن کریم نے ان کی اس صورت حال
 کا جو چھٹی اور ساتویں صدی میں تھی، بہت واضح اور مکمل نقشہ کھینچا ہے اور بتلایا ہے کہ
 اخلاقی انحطاط، انسانی سستی اور اجتماعی فساد میں وہ کس منزل میں تھے، اور کیا اسباب تھے
 جن کی بنا پر وہ ہمیشہ کے لئے عالم کی قیادت اور اقوام کی امامت سے محروم کر دیئے گئے۔
 چھٹی صدی کے آخر میں یہودیوں اور عیسائیوں کی باہم رقابت و منافرت اس حد
 پہنچ گئی تھی کہ ان میں سے کوئی دوسرے فریق کو ذلیل کرنے اور اس سے اپنی قوم کا انتقام
 لینے اور مفتوح کے ساتھ غیر انسانی سلوک کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا تھا، شہر میں
 یہودیوں نے انطاکیہ میں عیسائیوں کے خلاف بلوہ کیا، شہنشاہ فوقا (PHOCAS) نے ان کی سرکوبی
 کے لئے مشہور فوجی افسر بنوسوس (BONOSUS) کو بھیجا اس نے پوری یہودی آبادی اس طرح

خانمہ کیا کہ ہزاروں کوتلواریں سے، سیکڑوں کو دریا میں غرق کر کے، آگ میں جلا کر اور درندوں کے سامنے ڈال کر ہلاک کر دیا، ۶۱۵ء میں جب ایرانیوں نے شام کو فتح کیا تو یہودی کے مشورہ و ترغیب سے خسرو نے عیسائیوں پر وحشیانہ مظالم کئے اور بیشتر عیسائیوں کو تہ تیغ کیا، ایرانیوں پر فتح حاصل کرنے کے بعد ہرقل (HERCULES) نے زخم خوردہ عیسائیوں کے مشورہ سے ۶۳۰ء میں یہودیوں سے سخت انتقام لیا اور ان کا اس طرح قتل عام کیا کہ رومی سلطنت میں صرف وہ یہودی بچ سکے جو ملک چھوڑ کر چلے گئے یا کہیں چھپے رہے۔

اس سفاکی و بربریت اور اس خون آشام ذہنیت کے ساتھ جس کا مظاہرہ ساتویں صدی کے ان عظیم ترین مذاہب نے کیا، اس کی کیا توقع کی جاسکتی تھی کہ وہ اپنے دور حکومت میں انسانیت کے پاسان ثابت ہوں گے اور حق و انصاف، امن و صلح کا پیغام دنیا کو سنائیں گے۔

ایران اور وہاں کی تخریبی تحریکات

تمدن دنیا کی تولیت و انتظام میں ایران، روم کا شریک تھا لیکن قسمتی سے وہ دشمن انسانیت افزا کی سرگرمیوں کا پرانا مرکز تھا، وہاں کی اخلاقی بنیادیں زمانہ دراز سے متزلزل چلی آ رہی تھیں جن رشتوں سے ازدواجی تعلقات دنیا کے تمدن و متحذل علاقوں کے باشندے ہمیشہ ناجائز اور غیر قانونی سمجھتے رہے ہیں اور فطری طور پر اس سے نفرت کرتے ہیں ایرانیوں کو ان کی حرمت و کرامت تسلیم نہیں تھی، یزدگرد دوم جس نے پانچویں صدی کے وسط میں حکومت کی ہے اس نے اپنی ادا کی کو زوحیت میں رکھا پھر قتل کر دیا، بہرام چوہمیں جو چھٹی صدی عیسوی

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب المخطوطات القرطبیہ ج ۴ ص ۳۹۶ اور

(THE ARAB'S CONQUEST OF EGYPT P. 133-134)

HISTORIANS' HISTORY OF THE WORLD, VOL. VIII P. 24

میں حکمران تھا، اس نے اپنی بہن سے اپنا ازدواجی تعلق رکھا، پروفیسر آرتھر کرٹن سین کے بیان کے مطابق اس قسم کا رشتہ ایران میں کوئی ناجائز فعل تصور نہیں کیا جاتا تھا، بلکہ ایک عباد اور کارِ ثواب سمجھا جاتا تھا، مشہور چینی سیاح (ہوئن سیانگ) کا بیان ہے کہ ایرانی قانون و معاشرت میں ازدواجی تعلقات کے لئے کسی رشتہ کا بھی استثناء نہ تھا۔

تیسری صدی عیسوی میں مانی دنیا کے سامنے آیا اس کی تحریک دراصل ملک کے بڑھتے ہوئے شدید شہوانی رجحان کا ایک غیر فطری اور سخت ردِ عمل اور نور و ظلمت کی مفروضہ کش مکش کا (جو ایران کا قدیمی فلسفہ ہے) نتیجہ تھا، چنانچہ اس نے تجرک کی زندگی اختیار کرنے کی دعوت دی تاکہ دنیا سے شرف و فساد کے جراثیم ناپید ہو جائیں اس نے اعلان کیا کہ نور و ظلمت کا استخراج ہی شر کا باعث ہے اس سے نجات حاصل کرنا ضروری ہے اس بنا پر اس نے نکاح کو حرام قرار دیا کہ انسان جلد سے جلد فنا ہو جائے اور نسل انسانی منقطع ہو کر نور و ظلمت پر دائمی فتح حاصل ہو بہرہٗ نے ۲۷۶ء میں مانی کو یہ کہتے ہوئے قتل کر ڈالا کہ شخص دنیا کی تباہی کی دعوت دیتا ہے اس لئے قبل اس کے کہ دنیا ختم ہو اور اس کا مقصد پورا ہو اس کو خود ہلاک ہونا چاہئے لیکن بانی مذہب کے قتل کے باوجود اس کی تعلیمات عرصہ تک زندہ رہیں اور اسلامی فتح کے بعد تک ان کے اثرات باقی رہے۔ ایران کی اقتدارِ طبع نے پھر ایک مرتبہ مانی کی دشمن فطرت تعلیمات کے خلاف بغاوت کی، یہ بغاوت مزدک (پیدائش ۲۷۸ء) کی دعوت کی شکل میں سامنے آئی، اس نے اعلان کیا کہ تمام انسان یکساں طور پر پیدا ہوئے ہیں ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہے لہذا ہر ایک کو دوسرے کی ملکیت میں مساوی حقوق حاصل ہیں اور چونکہ مال اور عورت ہی ڈولیسے عنصر ہیں جن کی حفاظت و نگہ رانی کا انسان اہتمام کرتا ہے، لہذا انھیں میں مساوات و اشتراک کی سب سے

زیادہ ضرورت ہے، شہرستانی کا بیان ہے، مزدک نے تمام عورتوں کو سبکے لئے حلال قرار دے دیا، اور مال و زن کو مثل آگ، پانی اور چارہ کے شرک اور عام کر دیا، نوجوانوں اور پیش پسندوں کی مراد برائی اور انھوں نے اس تحریک کا پرجوش خیر مقدم کیا، طرفہ تماشہ یہ ہوا کہ شاہ ایران قباد نے اس کی سرپرستی قبول کر لی اور اس کی اشاعت و تبلیغ میں بڑی سرگرمی دکھائی، نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تحریک آگ کی طرح ملک میں پھیل گئی، پورے کا پورا ایران جنسی انارکی اور شہوانی بحران میں ڈوب گیا، طبرانی کا بیان ہے کہ:-

”او باش اور آوارہ مزاج لوگوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور مزدک اور مزدکیوں کے پرجوش ساتھی اور دست و بازو بن گئے، عام شہری اس بلائے ناگہانی کا شکار تھے، اس تحریک کا اتنا زور ہوا کہ جو چاہتا جس کے گھر میں چاہتا گھس آتا اور مال و زن پر قبضہ کر لیتا اور صاحب مکان کچھ بھی نہ کر سکتا، ان مزدکیوں نے قباد کو ابھارا اور اس کو معزولی کی دھمکی دے کر تیار کر لیا کہ وہ بھی اس دعوت کو اپنالے، نتیجہ یہ ہوا کہ دیکھتے ہی دیکھتے یہ عالم ہو گیا کہ نہ باپ اپنے لڑکوں کو پہچان سکتا تھا، اور نہ لڑکا اپنے باپ کو، کبھی بھی اپنی کسی ملکیت پر اختیار اور قبضہ نہیں تھا۔“

طبری کا بیان ہے کہ ”اس تحریک سے پہلے قباد ایران کے اچھے فرمانرواؤں میں تھا لیکن مزدک کی پیروی کی وجہ سے حدودِ مملکت اور سرحدوں میں پراگندگی اور اتاری پھیل گئی۔“

ایران کی شاہ پرستی

ایران کے سلاطین جن کا لقب کسری (خسرو) ہوا کرتا تھا، اس بات کے مدعی تھے کہ

لے المل والنفل للشہرستانی ص ۵۵ ۵۶ تاریخ طبری ج ۲ ص ۵۵ ۵۶ ایضاً

ان کی رگوں میں خدائی خون ہے، اہل ایران بھی انھیں اسی نظر سے دیکھتے تھے کہ گویا وہ خدا ہیں، ان کا اعتقاد تھا کہ ان سلاطین کی فطرت میں ایک مقدس آسمانی چیز ہے، چنانچہ یہ لوگ ان کے آگے سر سجدہ دیتے، ان کی اگوہیت کے لئے گاتے اور انھیں قانون سے تنقید سے بلکہ بشریت سے بالاتر تصور کرتے تھے، فرطِ ادب سے ان سلاطین کے نام بھی اپنی زبان پر نہ لاتے اور نہ کوئی شخص ان کی مجلس میں بیٹھنے کی ہمت کر سکتا تھا، اہل ایران کا عقیدہ تھا کہ ان سلاطین کا ہر انسان پر پیدائشی حق ہے اور کسی انسان کا ان سلاطین پر حق نہیں، شاہ ایران اپنی دولت میں سے جو ٹھوڑا بہت کسی کو دے دے یا اپنے دستِ خوان سے کوئی ٹکڑا اٹھا کر کسی کو عطا کر دے وہ اس کا احسان و صدقہ ہے، کسی کا استحقاق نہیں، لوگوں کو سوائے احکام کی بجا آوری کے کسی امر میں دخل نہ دینا چاہئے، ملک و قوم پر حکومت کرنے کے لئے ایک خاص گھرانہ (کیا نی خاندان) متعین تھا، اہل ایران سمجھتے تھے کہ صرف اسی گھرانے کے افراد تخت و تاج کے وارث اور ملک و سلطنت کے مالک ہو سکتے ہیں اور یہ حق وراثتاً بیٹے کو باپ سے نسلِ بعدِ نسل منتقل ہوتا ہے گا، اس حق میں کسی کو دست درازی کی مجال نہیں، چنانچہ یہ لوگ بادشاہ و پیرایان رکھتے تھے اور حکومت کو شاہی خاندان کا موروثی حق سمجھتے تھے، کہ جس میں کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی، اگر اس خاندان میں کوئی سن رسیدہ ملتا تو بچہ ہی کو اپنا شہنشاہ تسلیم کر لیتے اور اگر کوئی مرد باقی نہ رہتا تو عورت ہی کو تاج شہنشاہی پہناتے، چنانچہ شیروہ کے بعد اس کے ہفت سالہ بچہ اردشیر کو شہنشاہ تسلیم کیا گیا اور خسرو پر وزیر کے بیٹے فرخ زاد خسرو کو طفلی کی حالت میں لوگوں نے بادشاہ بنایا اور کسریٰ کی لڑکی بوران بھی تخت نشین ہوئی اور دوسری بیٹی جس کا نام آزادی دخت تھا وہ بھی حکومت کر چکی ہے، کسی کو اس کا تصور بھی نہیں آیا کہ کسی سپہ سالار

یا بڑے سردار یا کسی دوسرے لائق اور آزمودہ کار شخص کو (جیسے رستم و جابان تھے) انتظامِ سلطنت سپرد کر دیں چونکہ وہ شاہی گھرانے سے تعلق نہیں رکھتے تھے، اس لئے ان کا سوال یہ نہیں پیدا ہوتا تھا۔

مذہبی گھرانوں اور سرداروں کے بارہ میں ان کا عقیدہ یہی تھا کہ یہ لوگ عام انسانی سطح سے بلند ہیں، اور ان کی شخصیتیں اور ان کے دل و دماغ دوسرے انسانوں سے الگ ہیں ان اشخاص کو اہل ایران نے غیر محدود اختیارات دے رکھے تھے، ادنیٰ نیچ کا فرق طبقات کا تفاوت اور پیشوں کی تقسیم ایرانی سوسائٹی اور نظامِ زندگی کا اہل قانون تھا جس میں رد و بدل ممکن نہ تھا، پروفیسر آر تھر کر سٹن سین کا بیان ہے :-

”سوسائٹی کے مختلف طبقوں کے درمیان ناقابلِ عبور فاصلہ تھا، حکومت کی طرف سے عوامِ اتاس کو ممانعت تھی کہ وہ طبقہٴ امرا میں سے کسی کی جائیداد کو خریدیں، سیاست ساسانی کا یہ حکم اصول تھا کہ ہرگز کوئی شخص اپنے اس رتبہ سے بلند تر رتبہ کا خواہاں نہ ہو جو اس کو پیداؤشی طور یعنی از روئے نسب حاصل ہے، کوئی شخص مجاز نہ تھا کہ سوائے اس پیشہ کے جس کے لئے خدا نے اسے پیدا کیا ہے کوئی دوسرا پیشہ اختیار کر سکے، شاہانِ ایران حکومت کا کوئی کام کسی نیچ ذات کے آدمی کے سپرد نہیں کرتے تھے، عوامِ اتاس کی مختلف جماعتوں میں نہایت صریح امتیاز تھا، سوسائٹی میں ہر شخص کی ایک معین جگہ تھی“

ایران کی قوم پرستی

اہل ایران اپنی ایرانی قومیت کو عظمت و تقدس کی نگاہ سے دیکھتے تھے، وہ

۱۔ ایران بہدسا مانیان ۲۰۵ ۲۔ ایضاً ۲۲۴ ۳۔ ایضاً ۲۱۵ ۴۔ ایضاً ۲۲۴ ۵۔ ایضاً ۲۲۴ ۶۔ ایضاً ۲۲۴

اپنے تئیں یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ دنیا کی ہر قوم اور ہر نسل پر اس قومیت و نسل کو فضیلت و برتری حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ خصوصی صلاحیتیں اور فطری قابلیتیں بخشی ہیں جن میں ان کا کوئی شریک و ہم سر نہیں، یہ لوگ اپنے گرد و پیش کی قوموں کو بڑی حقارت و ذلت آمیز نگاہوں سے دیکھتے تھے اور ان کے لئے ایسے نام تجویز کرتے تھے جن میں توہین و تمسخر یا جاتا۔

آتش پرستی اور انسانی زندگی پر اس کے اثرات

چونکہ آگ اپنے بجا ریوں کو ہدایت دینے اور اپنا پیغام پہنچانے کی صلاحیت نہیں رکھتی اور نہ اس میں یہ قدرت ہے کہ اپنے بجا ریوں کے مسائل زندگی کو حل کر سکے، ان میں دخل دے اور مجرموں، گنہگاروں اور مفسدوں کا ہاتھ پکڑ سکے اس لئے اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ جو سیوں کا مذہب چند مراسم و روایات کا نام رہ گیا تھا، جنہیں مخصوص اوقات اور خاص خاص مقامات پر ادا کر لیا کرتے تھے، رہا عبادت گاہوں سے باہر اپنے گھروں اور بازاروں، دائرۂ اثر اور سیاسی و اجتماعی امور میں تو اس میں یہ بالکل آزاد تھے، اپنی من مانی کرتے، ان کے خیالات جس رخ پر چاہتے انہیں موڑتے رہتے یا پھر جو مصلحت اور وقت کا تقاضا ہوتا اس پر کار بند ہوتے جیسا کہ ہر زمانہ اور ہر ملک میں عام طور پر مشرکوں کا حال رہا ہے۔

غرض اہل ایران ایسے مکمل اور جامع دین سے یکسر محروم تھے، جو ان کے باطن کی اصلاح کرتا، ان کے اخلاق سنوارتا، نفسیاتی خواہشات کو دبانے اور نیک خواہشات کو ابھارنے کی اس میں طاقت ہوتی، وہ خاندان کا نظام زندگی ملک کا دستور حکومت ہوتا، جو سلاطین کی چیرہ دستیوں اور حکام کی زیادتیوں کی روک تھام کر سکتا، ظالم کا ہاتھ پکڑ سکتا اور مظلوم کے حق میں انصاف کر سکتا، لیکن جیسا کہ اوپر گزر چکا آتش پرست ایرانیوں کو ایسا دین نصیب نہ تھا۔

اور اس طرح ایران کے مجوسیوں اور دنیا کے دوسرے لاندہب ولاقانون افراد میں اخلاق و اعمال کے لحاظ سے کوئی فرق نہ تھا۔

بدھ مت اور اس کے تغیرات

بدھ مت اپنی سادگی اور اپنی انفرادیت غرض ہو اکھوچکا تھا، بدھ مذہب نے ہندوستان کے برہمنی مذہب کو اپنے میں شامل کر کے اور اس کے اقداروں اور دیوتاؤں کو اختیار کر کے (جیسا کہ ڈاکٹر گتاولی بان مصنف "ہندوستان کا جہان معلوم ہوتا ہے") اپنی ہستی کو کم کر دیا تھا، برہمنیت نے (جو عرصہ سے خارج کھائے بیٹھی تھی) اس کو سضم اور اپنے میں ضم کر لیا تھا، بہر حال یہ دونوں مذاہب جو عرصہ سے ایک دوسرے کے حریت چلے آ رہے تھے، باہم شیعہ و ختم ہو چکے تھے، اور بدھ مت اب عرصہ سے بت پرستی کا ایک مذہب تھا، جن مالک میں بھی اس مذہب کے پیرو گئے، بت ان کے ساتھ رہے، یہ لوگ جہاں جاتے اور جس ملک میں پہنچتے گوتم کے مجسمے نصب کرتے اور اس کی شبیہیں تیار کرتے، ان کی مذہبی ورتہ دنی زندگی ان مجسموں سے ڈھکی ہوئی نظر آتی ہے، یہ مجسمے زیادہ تر بدھ مت کے دور ترقی میں تیار ہوئے تھے، پروفیسر ایشوراثوٹا

لے نکسلا (قدیم بدھ دارالسلطنت) کے عجائب خانہ کی سیر کرنے والا ان مجسموں اور صورتوں کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتا ہے، جو بدھ مذہب کے مٹے ہوئے شہروں کی کھدائی کے بعد نکلے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مذہب اور اس کا تمدن خاص بت پرستانہ مذہب و تمدن بن گیا تھا، ڈاکٹر گتاولی بان نے بھی ہندوستان میں بدھ آثاروں اور یادگاروں کو دیکھ کر یہی نتیجہ نکالا ہے، وہ تمدن ہند میں لکھتا ہے:-

”اصلی بدھ مذہب کو سمجھنے اور جاننے کے لئے اس مذہب کی یادگاروں کا مطالعہ کرنا چاہئے نہ کہ کتابوں کا، جو سبق ہمیں ان یادگاروں کے منہ ہے، وہ ان کتابی مسائل سے جن کی تعلیم یورپی مصنفین کرتے ہیں بالکل علاحدہ ہے، یہ یادگاریں ثابت کرتی ہیں کہ جس مذہب کو یورپی علماء احمادی مذہب بتاتے ہیں وہ فی الواقع بت پرست اور کثیرالآلہہ مذاہب کا متراج ہے۔“ (ہندو مذہب ص ۲۶۵)

اپنی کتاب ہندوستانی تمدن میں لکھتے ہیں بدھ مت کے سائے میں ایسی حکومت قائم ہوئی جس میں اوتاروں کی بھرمار اور مورت پرستی کا دور دورہ دکھلائی دینے لگا، سنگھوں کی فضا بدل رہی تھی، اس میں بدھتیں اور جدتیں یکے بعد دیگرے نظر آ رہی تھیں۔

پنڈت جواہر لال نہرو اپنی کتاب تلاش ہند THE DISCOVERY OF INDIA میں بدھ مت کے بگاڑ اور تدریجی زوال کے متعلق لکھتے ہیں:-

”برہمنیت نے بودھ کو اوتار بنا دیا، بودھ مت نے بھی یہی کیا، سنگھ بہت دولت مند ہو گئے اور ایک خاص جماعت کے مفاد کے مرکز بن کر رہ گئے، اور ان میں ضبط و قاعدہ بالکل نہیں رہا، عبادت کے طریقوں میں سحر اور اہام داخل ہو گئے، اور ہندستان میں ایک ہزار سال تک باقاعدہ رائج رہنے کے بعد بودھ مت کا تنزل شروع ہو گیا، اس عہد میں اس کی جو مریضانہ کیفیت تھی سرسزائس ڈیوڈس (MRS. RHYS DAVIDS) نے اس کا ذکر اس طرح کیا ہے:-

”ان مریضانہ تخیلات کے گہرے سائے میں اگر گوتم کی اخلاقی تعلیم نظر سے اوجھل ہو گئی، ایک نظریہ پیدا ہوا اور اس نے فروغ پایا، اس کی جگہ دوسرے نے لی، اور ہر ایک قدم پر ایک نیا نظریہ پیدا ہونے لگا، یہاں تک کہ ساری فضا میں ذہن کی ان پُر فریب تخیلی قوتوں سے گھساٹوپ اندھیرا چھا گیا، اور بانی مذہب کے سادہ اور بلند اخلاقی درس ان الہیاتی نوٹنگائیوں کے انبار کے نیچے دب کر رہ گئے، مجموعی حیثیت سے بودھ مت اور برہمنیت دونوں ہمیں گراؤٹ پیدا ہو گئی، اور ان میں اکثر متنزل رسوم داخل ہو گئیں، دونوں میں امتیاز کا نشانہ مشکل ہو گیا، بودھ مت برہمنیت میں گھل مل گیا۔“

لے ہندوستانی تمدن (اردو) ایضوراٹوپا۔ ۱۵ تلاش ہند ۲۰۱۰ء، ۲۰۳۱ء ایضاً

خلاصہ یہ کہ چین اور ان تمام ممالک کے پاس (جو بودھ مت کے پیرو تھے) دنیا کے لئے کوئی پیغام نہیں تھا جس کی روشنی میں دنیا اپنے مسائل کا حل تلاش کر سکتی اور خدا کا سیدھا راستہ پاتی، اہل چین تمدن دنیا کے بالکل مشرقی کنارہ پر اپنی علمی اور مذہبی میراث کو سینہ سے لگائے بیٹھے تھے جس میں نہ خود وہ کسی اضافہ کے خواہشمند تھے اور نہ دوسروں کے ذخیرہ میں اضافہ کرنے کے اہل تھے۔

وسط ایشیا کی قومیں

مشرق اور وسط ایشیا کی دوسری قومیں (مغل، ترک، جاپانی) وغیرہ بگڑے ہوئے بودھ مت اور دھیانہ مت پرستی کے درمیان تھیں، نہ کوئی علمی دولت ان کے پاس تھی اور نہ سیاست کا کوئی ترقی یافتہ نظام ان کے یہاں تھا، دراصل یہ قومیں اپنے عبوری دور میں تھیں، جاہلانہ مت پرستی سے نکل کر تمدن کی طرف آرہی تھیں اور چند قومیں ایسی بھی تھیں جو اس وقت تک شہریت اور زندگی کی ابتدائی منزل میں تھیں اور عقلی و تمدنی حیثیت سے ان کا دور طفولیت تھا۔

ہندوستان، مذہبی، اجتماعی اور اخلاقی نقطہ نظر سے

ہندوستان کے مؤرخین کا اس نقطہ پر اتفاق ہے کہ چھٹی صدی عیسوی سے جو زمانہ شروع ہوتا ہے، وہ مذہبی، اجتماعی اور اخلاقی لحاظ سے اس ملک کی تاریخ کا (جو کسی زمانہ میں علم و تمدن اور اخلاقی تحریکات کا مرکز رہا ہے) بہت ترین دور تھا، ہندوستان کے ارد گرد دوسرے ممالک میں جو اجتماعی اور اخلاقی انحطاط رونما تھا، اس میں یہ ملک کسی سے پیچھے نہ تھا، اس کے علاوہ کبھی کبچھ خصوصیات تھیں جن میں اس ملک کو نشانِ یکثانی حاصل تھی، ان خصوصیات کو تین نواٹا

کے ذیل میں بیان کیا جاسکتا ہے (۱) معبودوں کی حد سے بڑھی ہوئی کثرت (۲) جنسی خواہشات کی بھڑائی کیفیت (۳) طبقاتی تقسیم اور معاشرتی امتیازات۔

نت نئے دیوتا

چھٹی صدی عیسوی میں بُت پرستی پورے عروج پر تھی، وید میں دیوتاؤں کی تعداد ۳۳ تھی، اس صدی میں نینتیس کروڑ ہو گئی، اس عہد میں ہر پندیدہ شے کپرتش رکھنے والی اور زندگی کی کوئی ضرورت پوری کرنے والی چیز دیوتا بن گئی تھی جس کی پوجا کی جاتی تھی، اس طرح بتوں اور دیوتاؤں اور دیویوں کا کوئی شمار نہ تھا، ان دیوتاؤں اور قابل پرستش اشیاء میں معدنیات و جواہرات، اشجار و نباتات، پہاڑ اور دریا، حیوانات، حتیٰ کہ آلات تناسل سب ہی شامل تھے، اس طرح یہ قدیم مذہب افسانوی روایات اور عقائد و عبادات کا ایک دیومالا بن کر رہ گیا، ڈاکٹر گتاولی بان "تہذیب ہند" میں لکھتا ہے:-

”دنیا کی تمام اقوام میں ہندو کے لئے پرستش میں ظاہری صورت کا ہونا لازمی ہے، اگرچہ مختلف ازمنہ میں مذہبی اصلاح کرنے والوں نے ہندو مذہب میں توحید کو ثابت کرنا چاہا ہے، لیکن یہ کوشش بالکل بے فائدہ ہے، ہندو کے نزدیک کیا ویدی زمانہ میں اور کیا اس وقت ہر چیز خدا ہے جو کوئی چیز اس کی سمجھ میں نہ آئے، یا جس سے وہ مقابلہ نہ کر سکے، اس کے نزدیک پرستش کے لائق ہے، برہمنوں اور عیسویوں کی نہ صرف کل کوششیں جو انھوں نے توحید قائم کرنے کے لئے کیں، بلکہ کل وہ کوششیں بھی جو وہ دیوتاؤں کی تعداد گھٹا کر تین پر لانے کے لئے عمل میں لائے، محض بیکار اور رائیگاں گشت عوام انسان نے ان کی تعلیم کو سنا اور قبول کیا، لیکن عملیاتی تین خدا تعداد میں بڑھنے گئے اور ہر ایک چیز پر

ہر ایک رنگ بویں اُن کے اوتار نظر آنے لگے:

چھٹی سائیس صدی میں بُت سازی کے فن نے بڑی ترقی کی، اس عہد میں فن اپنے کمال پہنچ گیا تھا، سارے ملک میں بُت پرستی کا دور دورہ تھا، حتیٰ کہ بودھ مت اور جینی مذہب کو بھی مذاق عام کا ساتھ دینا پڑا اور اپنی زندگی اور مقبولیت کو قائم رکھنے کے لئے اسی روش کو اختیار کرنا پڑا بُت پرستی کے اس عروج اور اونچائیوں اور بُتوں کی کثرت کا اندازہ چینی سیاح ہوئن سیانگ (جس نے سنہ ۶۳۰ء اور ۶۴۵ء کے درمیان ہندوستان کی سیاحت کی ہے) کے اس بیان سے ہو سکتا ہے جس میں اس نے راجہ ہرش (۶۰۶-۶۴۷ء) کے جشن کی کیفیت سنائی ہے، ہوئن سیانگ لکھتا ہے:-

"راجہ ہرش نے قنوج میں علمائے مذہب کا جمع کرایا، کوئی پچاس ہاتھ اونچے مینار پر گوتم بدھ کی طلائی صورت نصب کی گئی تھی، اس کی دوسری چھوٹی صورت کا بڑی اہم وھام سے جلوس نکالا گیا جس میں ہرش نے سکر دیوتا کے لباس میں چتر برداری کی اور اس کے حلیف راجہ دائی کامروپ نے گس رائی کی پٹے

ہوئن سیانگ نے ہرش کے خاندان یا درباریوں کے متعلق لکھا ہے کہ کوئی تو شیو کا پرتا تھا اور کوئی بودھ مت کا پیرو ہو گیا تھا، بعض لوگ سوچ کی پوجا کرتے تھے، بعض وشنو کی، ہر شخص آزاد تھا کہ جس دیوی دیوتا کو چاہے اپنی پرستش کے لئے مخصوص کرے اور چاہے تو سب کی پوجا کرتے۔

جنسی بحران

شہوانی جذبات اور جنسی (SEXUAL) میلان کو ابھارنے والے عناصر مذہبی صورت میں جس قدر ہندوستان کے قدیم مذہب و تمدن میں ہیں، کسی دوسرے ملک میں نہیں پائے جاتے، لہٰذا ہندو ۴۴-۴۶ء ہوئن سیانگ کا سفر نامہ نو کوئی کی (منزل سلطنت) ۵۵ء ایضاً

ملک کی مقدس کتابوں اور مذہبی حلقوں نے اہم واقعات، حوادث کے وقوع اور موجودات کے وجود کی توجیہ کے سلسلہ میں دیویوں اور دیوتاؤں کے باہم اختلاط اور بعض اونچے گھرانوں پر ان کی توجہات کے بعض ایسے واقعات اور روایتیں بیان کی ہیں جن کو سن کر آنکھیں نیچی اور پیشانی عرق آلود ہو جاتی ہے ان حکایتوں کا سادہ لوح اہل مذہب پر جو بڑے اخلاص اور جوش ایسانی کے ساتھ ان کہانیوں کو دہراتے ہیں، جو کچھ اثر پڑ سکتا ہے، اس کا قیاس کرنا کچھ مشکل نہیں ظاہر ہے کہ ان کے اعصاب اور جذبات پر یہ روایتیں غیر شعوری طور پر اثر انداز ہوں گی اس کے علاوہ بڑے دیوتا (شیو) کے آڑتنا سائل (نگم) کی پوجا ہوتی تھی اور بچے جوان، مرد و عورت سب اس میں شریک ہوتے تھے، ڈاکٹر گرتا ولی بان اس کی اہمیت اور اس کے ساتھ اہل ہند کے شغف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

”ہندوؤں کو صورتوں اور ظاہری علامات سے بے انتہا انس ہے ان کا کوئی مذہب کیوں نہ ہو اس کے اعمال کو یہ نہایت اہتمام سے بجا لاتے ہیں ان کے مندرپش کی چیزوں سے بھرے ہوئے ہیں، جن میں سب سے مقدم نگم اور دیوتی ہیں جن سے مراد مادہ خلقت کے دونوں جزو ہیں، اشوک کے ستونوں کو بھی عام ہندو نگم خیال کرتے ہیں اور اسطوانہ اور مخروطی شکلیں ان کے نزدیک واجب التعظیم ہیں۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ ایک مذہبی فرقہ کے مرد برہمن عورتوں کی اور عورتیں برہمن مردوں کی پرستش کرتے تھے، ہندوؤں کے محافظ و منتظم بد اخلاقی کا سر شپہ تھے اور بہت سی عبادت گاہیں اخلاقی جرائم (CORRUPTION) کا مرکز تھیں، راجاؤں کے محل اور بادشاہوں کے درباروں میں بے تکلف شراب کا دور چلتا اور سرستی میں اخلاقی حدود برقرار نہ رہتے۔

اس تن پروری و نفس پرستی کے بالکل متوازی نفس کشی، ریاضت و مجاہدہ (جوگ اور تپسیا) کا سلسلہ بھی جاری تھا، جس میں حد درجہ غلو اور انتہا پسندی سے کام لیا جاتا تھا، ملک ان دونوں سروں کے درمیان اعتدال و توازن سے محروم تھا، چند افراد نفس کشی اور روحانی ترقی میں مصروف تھے، اور عام آبادی شہوانیت اور نفس پرستی کے دھارے میں بہی چلی جا رہی تھی۔

طبقہ واریت

کسی قوم کی تاریخ میں اس قدر مین طبقہ واری امتیاز اور پیشوں اور زندگی کے مشغلوں کی ایسی نمٹ اور اٹل تقسیم کم دیکھنے میں آئی ہے، جیسی ہندوستان کے قدیم مذہبی و معاشرتی قانون میں ہے، ذات پات کی تفریق اور پیشہ کی جکڑ بندیوں کی ابتدا وید کے آخری زمانہ سے شروع ہو جاتی ہے، آریوں نے اپنی نسل اور اس کی خصوصیات کو محفوظ رکھنے اس ملک میں اپنی فاتحانہ حیثیت قائم رکھنے اور اپنا التفوق و برتری برقرار رکھنے کے لئے اس طبقہ واریت اور نسل امتیاز کو ضروری سمجھا، ڈاکٹر گستاوی بان لکھتا ہے:۔

”ویدی زمانہ کے آخر میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ مختلف پیشے کم و بیش آبائی ہوتے جا رہے تھے، اور ذات کی تقسیم شروع ہو چکی تھی، اگرچہ تکمیل کو نہیں پہنچی تھی، ویدی آریوں کو یہ خیال پیدا ہو چکا تھا کہ وہ اپنی پرانی نسل کو اقوام مفتوحہ کے میل جول سے محفوظ رکھیں، اور جس وقت قلیل التعداد فائین مشرق کی طرف بڑھے اور انھوں نے دیہی اقوام کے ایک بہت بڑے گردہ کو فتح کر لیا تو یہ ضرورت اور بھی زیادہ ہو گئی، او مفتوں کو اس کا لحاظ کرنا لازمی ہو گیا، نسل کے مسائل کو آریہ سمجھ چکے تھے انھیں معلوم ہو چکا تھا کہ اگر کوئی قلیل التعداد فاتح قوم اپنی پوری حفاظت نہ کرے

تو وہ بہت جلد مفتوح اقوام میں کھپ جاتی ہے اور اس کا نام دشناماتی نہیں رہتا۔

لیکن اس کو ایک مرتب مفصل قانون کی شکل دینے کا سہرا منوجی کے سر ہے، منوجی نے پیدائش مسیح سے نین سو برس پہلے (جب ہندوستان میں برہمنی تہذیب عروج پر تھی) ہندوستانی سماج کے لئے اس قانون کو مرتب کیا اور تمام اہل ملک نے اس کو بالاتفاق قبول کیا اور اس نے بہت جلد ملکی قانون اور ایک مذہبی دستاویز کی حیثیت اختیار کر لی، یہ وہی قانون ہے جس کو ہم آج "منو شاستر" کے نام سے جانتے ہیں۔

منو شاستر میں چار ڈاٹیں بیان کی گئی ہیں (۱) برہمن یعنی مذہبی پیشوا (۲) چھتری لڑنے والے (۳) ویش زراعت و تجارت پیشہ اور (۴) شودر جن کا کوئی خاص پیشہ نہ تھا، اور دوسری ذاتوں کے صرف خادم تھے، منو شاستر میں ہے:-

"قاد مطلق نے دنیا کی عبودیت کے لئے اپنے منہ سے اور اپنے بازوؤں سے اور اپنی رگوں سے اور اپنے پیروں سے برہمن، چھتری، ویش اور شودر کو پیدا کیا۔"
"اس دنیا کی حفاظت کے لئے اس نے ان میں سے ہر ایک کے لئے علم عہدہ علیحدہ فرائض قرار دیئے۔"

"برہمنوں کے لئے وید کا تعلیم اور خود اپنے لئے اور دوسروں کے لئے دیوتاؤں کے چڑھاوے دینا اور دان دینے لینے کا فرض قرار دیا۔"
"چھتری کو اس نے حکم دیا کہ خلقت کی حفاظت کرے، دان دے، چڑھاوے چڑھائے، وید پڑھے اور خواہشات نفسانی میں نہ پڑھے۔"
"ویش کو اس نے یہ حکم دیا کہ مویشی کی سیوا کرے، دان دے، چڑھاوے چڑھائے۔"

وید پڑھے، تجارت لین دین زراعت کرے؛

”شودر کے لئے قانوں مطلق نے صرف ایک ہی فرض بنایا وہ ان تینوں کی خدمت کرنا ہے؛“

اس قانون نے برہمنوں کو دوسری ذاتوں کے مقابلہ میں اتنا امتیاز اور تفویض و تقدس

عطا کیا تھا کہ وہ دیوتاؤں کے ہمسر بن گئے، منو شاستر میں ہے:-

”جب کوئی برہمن پیدا ہوتا ہے تو وہ دنیا میں سب سے اعلیٰ مخلوق ہے، وہ بادشاہ

ہے کل مخلوقات کا اور اس کا کام ہے شاستر کی حفاظت؛“

”جو کچھ اس دنیا میں ہے برہمن کا مال ہے چونکہ وہ خلقت میں سب سے بڑا ہے

کل چیزیں اسی کی ہیں؛“

”برہمن کو ضرورت ہو تو وہ بلا کسی گناہ کے اپنے غلام شودر کا مال بہ جبر

لے سکتا ہے، اس غضب سے اس پر کوئی جرم عائد نہیں ہوتا کیوں کہ غلام جھٹکا جائیداد

نہیں ہو سکتا، اس کی کل املاک مالک کا مال ہے؛“

”جس برہمن کو رگ وید یاد ہے وہ بالکل گناہ سے پاک ہے، اگرچہ وہ تینوں

عالم کو ناس کیوں نہ کرے یا کسی کا بھی کھانا کیوں نہ کھائے؛“

”بادشاہ کو کیسی ہی سخت ضرورت ہو اور وہ تڑپا بھی ہو تو بھی اسے برہمنوں سے حصول

نہ لینا چاہیے اور نہ اپنے ملک کے کسی برہمن کو بھوک سے مرنے دینا چاہیے؛“

”سزائے موت کے عوض میں برہمن کا صرف سرمونڈا جائے گا، لیکن اور ذات

کے لوگوں کو سزائے موت دی جائے گی؛“

۱۔ منو شاستر باب اول منو ۲۰ ایضاً ۱۰ ۳۰ ایضاً ۱۰ ۴۰ ایضاً ۱۰

۵۰ ایضاً باب ششم ۱۱ ۶۰ ایضاً باب نهم ۱۲ ۷۰ ایضاً باب یفتم ۱۳ ۸۰ ایضاً باب ششم ۱۴

اس قانون میں چھتری اگر چہ پیش اور شودر کے مقابلہ میں بلند ہیں لیکن برہمنوں کے مقابلہ میں وہ بھی سچ ہیں منو لکھتے ہیں:-

”دس سال کی عمر کا برہمن اور سٹو سال کی عمر کا چھتری گویا آپس میں باپ بیٹے کا رشتہ رکھتے ہیں لیکن ان دونوں میں برہمن باپ ہے۔“

بد قسمت شودر

باقی رہے اچھوت شودر تو وہ ہندوستانی سملج میں اس شہری و مذہبی قانون کی رو سے جانوروں سے پست درجہ کے اور کتوں سے زیادہ ذلیل تھے منو شاستر میں ہے:-

”برہمن کی خدمت کرنا شودر کے لئے نہایت قابل تعریف بات ہے اور اس کے سوا کسی اور چیز سے اُسے اور کوئی اجر نہیں مل سکتا۔“

”شودر کو اگر موقع ملے تو اسے نہیں چاہئے کہ مال و دولت جمع کرے کیونکہ شودر دولت جمع کر کے برہمنوں کو دکھ دیتا ہے۔“

”اگر شودر دو جوں پر ہاتھ یا لکڑی اٹھائے تو اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا جائے گا اور اگر وہ غصہ میں لات مائے تو اس کا پیر کاٹ ڈالا جائے گا۔“

”اگر کوئی شودر کسی دوج کے ساتھ ایک ہی جگہ ٹھینا چاہے تو بادشاہ کو چاہئے کہ اس کے سرین کو دغاوائے اور اسے ملک بدر کر دے یا اس کے سرین کو زخمی کر دے۔“

”اگر کوئی شودر کسی برہمن کو ہاتھ لگائے یا گالی دے تو اس کی زبان نالوے کی پینچ لی جائے۔ اگر اس کا دعویٰ کرے کہ اس کو وہ تعلیم دے سکتا ہے تو کھوتا ہوا تیل اس کو پلایا جائے۔“

”کتے، بلی، بندوق چھکلی، کوئے، اُتو اور شودر کے مارنے کا کفارہ برابر ہے“

ہندوستانی سماج میں عورت کی حیثیت

برہمنی زمانہ اور تہذیب میں عورت کا وہ درجہ نہیں رہا تھا، جو ویدی زمانہ میں تھا، منو کے قانون میں (بقول ڈاکٹر لی بان) عورت ہمیشہ کمزور اور بے وفا سمجھی گئی ہے اور اس کا ذکر ہمیشہ حقارت کے ساتھ آیا ہے۔

شوہر مر جاتا تو عورت گویا جیتے جی مر جاتی اور زندہ درگور ہو جاتی، وہ کبھی دوسری شادی نہ کر سکتی، اس کی قسمت میں طعن و تشنیع اور ذلت و تحقیر کے سوا کچھ نہ ہوتا، بیوہ ہونے کے بعد اپنے منوفی شوہر کے گھر کی لونڈی اور دیوروں کی خادمہ بن کر رہنا پڑتا، اکثر بیوائیں اپنے شوہروں کے ساتھ سستی ہو جاتیں، ڈاکٹر لی بان لکھتا ہے ”بیواؤں کو اپنے شوہروں کی لاش کے ساتھ جلانے کا ذکر منو شاستر میں نہیں ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسم ہندوستان میں عام ہو چکی تھی، کیونکہ یونانی مؤرخین نے اس کا ذکر کیا ہے“

عرض یہ سرسبز و شاداب ملک جو فطرت کے خزانوں سے مالا مال تھا، سچے آسمانی مذہب کی تعلیمات سے عرصہ سے محروم ہونے اور مذہب کے مستند ماخذوں کے گم ہو جانے کی وجہ سے قیاسات و تحریفات کا شکار اور رسوم و روایات کا پرستار بنا ہوا تھا، اور اس وقت کی دنیا میں جہالت و توہم پرستی، پست درجہ کی بت پرستی، نفسانی خواہشات اور طبقہ داری نا انصافی میں پیش پیش تھا، اور دنیا کی اخلاقی و روحانی رہبری کے بجائے خود اندرونی انتشاء اور اخلاقی بد نظمی میں مبتلا تھا۔

عرب

دور جاہلیت میں عرب اپنی بعض فطری صلاحیتوں اور بعض عادات و اخلاق میں نہاں دنیا میں ممتاز تھے، فصاحت و بلاغت اور قادر الکلامی میں ان کا کوئی ہمسرہ نہ تھا، آزادی و خودداری ان کو جان سے زیادہ عزیز تھی، شہسوارانہ شجاعت میں وہ بے بدل تھے، عقیدہ کے پر جوش، صاف گو اور جبری، حافظہ کے قوی، مساوات، بے تکلفی اور جفاکشی کے حامی، ارادہ کے پکے، زبان کے سچے، وفاداری اور امانت داری میں ضرب المثل تھے۔

لیکن انبیاء اور ان کی تعلیمات سے بعد ایک جزیرہ نامی صدیوں سے نقید رہنے کی وجہ سے اور باپ دادا کے دین اور قومی روایات پر سختی سے قائم ہونے کے سبب وہ دینی و اخلاقی حیثیت سے بہت گر چکے تھے، چھٹی صدی میں وہ منزل و انحطاط کے آخری نقطہ پر تھے، کھلی ہوئی بت پرستی میں مبتلا اور اس میں دنیا کے امام تھے، اخلاقی و اجتماعی امراض ان کی سوسائٹی کو گھن کی طرح کھا رہے تھے، غرض مذاہب کے اکثر حراسن سے وہ محروم اور جاہلی زندگی کی بدترین خصوصیتوں اور معائب میں مبتلا تھے۔

دور جاہلیت کے بت

جہالت و جاہلیت کی ترقی کے ساتھ ساتھ غیر اللہ کی پرستش کا عقیدہ مقبول و عام اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و ربوبیت کا تصور کمزور اور خواص میں محدود ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ رفتہ رفتہ پوری قوم بتوں اور مورتیوں کی (جن کو کسی زمانہ میں شفیع اور واسطہ یا مرکز توجہ بنانے کے لئے اختیار کیا گیا تھا) صاف صاف پرستش میں مشغول ہو گئی، اور اللہ تعالیٰ سے (جس کا

خانی کائنات اور رب الارباب کی حیثیت سے اب بھی اقرار تھا^۱ علماء و قلماء تعلق منقطع ہو کر دوسرے معبودوں اور بتوں سے قائم ہو گیا تھا، اور عبودیت و بندگی کے اظہار کے طریقے اور اعمال (سجدہ، قربانی، حلف دعا و استعانت) انھیں کے ساتھ مخصوص ہو کر رہ گئے تھے، اور ملک میں کھلی بت پرستی، خدا سے بے تعلقی اور صریح شرک کا دور دورہ تھا۔

عرب میں ہر ہر قبیلہ، ہر ہر شہر اور ہر علاقہ کا ایک خاص بت تھا، بلکہ ہر گھر کا بت جدا تھا، کبھی کا بیان ہے کہ مکہ مکرمہ کے ہر گھر کا ایک بت تھا، جس کی گھر والے پرستش کرتے تھے، جب کسی شخص سفر کا ارادہ کرتا تو روانگی کے وقت گھر پر اس کا آخری کام یہ ہوتا کہ اپنے بت کو حصول برکت کے لئے چھوٹا اور جب سفر سے واپس آتا تو گھر پہنچ کر پہلا کام یہ کرتا کہ اپنے بت کو تبرکات ہاتھ لگاتا بتوں کے بائے میں بڑا غلو اور انہماک تھا، کسی نے تو ایک بت خانہ بنا رکھا تھا، کسی نے بت تیار کر لیا تھا، جو بت خانہ نہیں بنا سکتا تھا، یا بت نہیں تیار کر سکتا تھا، وہ حرم کے سامنے ایک پتھر گاڑ دیتا یا حرم کے علاوہ جہاں بہتر سمجھتا پتھر گاڑ کر اس کے ارد گرد اس شان سے طواف کرتا جس طرح بیت الشکر کے گرد طواف کیا جاتا ہے، ان پتھروں کو وہ انصاب کہا کرتے تھے، خود خانہ کعبہ کے اندر (وہ خانہ کعبہ جو صرف الشکر کی عبادت کے لئے بنایا گیا تھا) اور اس کے صحن میں ۳۶۰ بت تھے، بتوں اور دیوتاؤں کی پوجا کرتے کرتے یہ لوگ اس حد تک بڑھ گئے کہ پتھر کی قسم سے جو کچھ مل جاتا اس کو پوجتے، بخاری میں البور جاء العطار دی سے روایت ہے کہ ہم لوگ

لَهُ وَلَيْتُ سَأَلْتُهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ يَقُولُونَ اللَّهُ ﷻ عرب جاہلیت کے عقائد کی حقیقت اور شرک کا عقیدہ کے مدیجہ ارتقا کو معلوم کرنے کے لئے لاسلطہ ہوشامی فاضل محمد عزت دروند کی کتاب مہیۃ النبا صلی اللہ علیہ وسلم من المقاتل (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وطن اور ماحول قرآنی کی روشنی میں)۔

۱۔ کتاب الاصلان ص ۵۵۰ ایضاً ۵۵ ص ۵۵۰ ص ۵۵۰ کتاب المغازی باب فتح مکہ۔

پتھر کو پوجتے تھے، اگر کوئی اس سے اچھے قسم کا پتھر مل جاتا تو اس کو پھینک کر اس نئے پتھر کو لینے اور اگر پتھر نہ پاتے تو مٹی کا ایک ڈھیر بناتے اور اس پر بکری کو لاکر دوہتے، پھر اسی کا طواف کرتے، کلبی کا بیان ہے کہ کوئی شخص سفر میں کسی نئے مقام پر اترتا تو چار پتھر لے آتا جو پتھر اس کو اچھا معلوم ہوتا اس کو موجود قرار دیتا اور باقی تین پتھروں کو اپنی ہانڈی کا پتھر بناتا اور جب وہاں سے جاتا تو سب پتھروں کو چھوڑ جاتا۔^{۴۲}

معبودوں کی کثرت

مشرکوں کا ہر زمانہ اور ہر ملک میں جو حال رہا ہے وہی حال عرب کا تھا، ان کے متحدہ اور مختلف معبود تھے، جن میں فرشتے، جن، تالے سب شامل تھے، فرشتوں کے بارہ میں ان کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ اللہ کی بیٹیاں ہیں اس لئے ان سے شفاعت کے طلب گار ہوتے ان کی پرستش کرتے اور ان کو وسیلہ بناتے جنہوں کو اللہ کا شریک رکھتے، ان کی قدرت اور اثر اندازی پر ایمان رکھتے اور ان کی پرستش کرتے۔ کلبی کا بیان ہے کہ قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ بنو لیح تھی جو جنوں کو پوجتی تھی، صاعد کی روایت ہے کہ قبیلہ حمیر آفتاب کی پرستش کرتا، کنانہ کا قبیلہ چاند کا پرستار تھا، بنو تمیم وبران کی تمیم و جزام مشرق کی قبیلہ طے ہیل کی، بنو قیس شمری اور بنو اسد عطارہ کی پرستش کرتا تھا۔^{۴۳}

اخلاقی و اجتماعی امراض

اخلاقی اعتبار سے ان کے اندر بہت سی بیماریاں اور امراض گھر گئے ہوئے تھے، اور

۴۲ صحیح بخاری کتاب المغازی باب وفد بنی حنیفہ ۲۵ کتاب الامام ۳۵ ایضاً ۳۴

۴۳ ایضاً ص ۳۴ ۵۵ طبقات الامم (صاعد اندلسی) ص ۳۳

اس کے اسباب واضح ہیں شراب عام طور سے پی جاتی تھی اور ان کی گھٹی میں بڑی تھی اس کا تذکرہ ان کی ادبیات اور شاعری کی بہت بڑی جگہ کو گھیرے ہوئے ہے عربی زبان میں اس کے نام جس کثرت سے ہیں اور ان ناموں میں جن باریک فرقوں اور پہلوؤں کا لحاظ رکھا گیا ہے اس سے اس کی مقبولیت و عمومیت کا اندازہ ہو سکتا ہے شراب کی دوکانیں برسرِ راہ تھیں اور علامت کے طور پر ان پر پھر براہِ راست، جو اجاہلی زندگی میں بڑائی اور خوبی کی بات تھی اور اس میں شرکت نہ کرنا پست سمجھی اور مردہ دلی کی دلیل تھی تاہم عالم قتادہ کا بیان ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ایک شخص اپنے گھر بار کو داؤں پر رکھ دیتا تھا پھر ٹا ہوا حسرت اپنے مال کو دوسروں کے ہاتھ میں دیکھتا اس سے نفرت و عداوت کی آگ بھڑکتی اور جنگوں کی نوبت آتی تھی حجاز کے عرب و یہودی سودی لین دین اور سود و سود کا معاملہ کرتے اس سلسلہ میں بڑی بے رحمی اور سخت دلی کے مظاہرے ہوتے، زنا کو کچھ زیادہ معیوب بات نہ سمجھا جاتا اور اس کے واقعات عربوں کی زندگی میں کیا اب نہ تھے اس کے بہت سے اقسام اور طریقے رائج تھے زنان بازار اور پیشہ و روزیوں کے آڈے بھی موجود تھے اور شراب خانوں میں بھی اس کا انتظام تھا۔

عورت کا درجہ

جاہلی معاشرہ میں عورت کے ساتھ ظلم و بد سلوکی عام طور سے روا سمجھی جاتی تھی اس کے

۱۔ ملاحظہ ہو کتاب النقص (ابن سیدہ) المخرج ۱۱ ص ۸۲ ۸۳ سبب معلقات معلقہ شرف ذبت سامرہا ۱۱

۲۔ دیوان العباسہ قصیدۃ حجر بن خالد شعر و اذا اهلکت فلا تری عی حلیزا ۱۱ ملاحظہ ہو

تفسیر طبری تفسیر آیت اِنَّمَا یُرِیدُ الشَّیْطَانُ اَنْ یُّوَفِّعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ ۗ ۝ تفسیر طبری ج ۲ ص ۵۹-۶۰

۳۔ ملاحظہ ہو العقد القویۃ کتاب اخبار زیاد (ابن عبد ربہ)

حقوق پامال کئے جاتے، اس کا مال مرد اپنا مال سمجھتے وہ ترکہ اور میراث میں کچھ حصہ نہ پاتی شوہر کے مرنے یا طلاق دینے کے بعد اس کو اجازت نہیں تھی کہ اپنی پسند سے دوسرا نکاح کر سکے، دوسرے سامان اور حیوانات کی طرح وہ بھی وراثت میں منتقل ہوتی رہتی تھی، مرد کو اپنا پورا پورا حق وصول کرتا لیکن عورت اپنے حقوق سے مستفید نہیں ہو سکتی تھی، کھانے میں بہت سی ایسی چیزیں تھیں جو مردوں کے لئے خاص تھیں اور عورتیں ان سے محروم تھیں۔

لڑکیوں سے نفرت اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ انھیں زندہ درگور کرنے کا بھی رواج تھا، ہشتم بن عدی نے ذکر کیا ہے کہ زندہ درگور کرنے کا اصول عرب کے تمام ہی قبائل میں رائج تھا، ایک اس پر عمل کرتا تھا، اس چھوڑتے تھے، یہ سلسلہ اس وقت تک رہا جب تک کہ اسلام نہیں آیا، بعض ننگ و عار کی بنا پر بعض خریج و غلّی کے ڈیسے اولاد کو قتل کرتے، عرب کے بعض شرفاء و رؤساء ایسے موقع پر بچوں کو خرید لیتے اور ان کی جان بچاتے، حصصہ بن ناجیہ کا بیان ہے کہ اسلام کے ظہور کے وقت تک میں تین بوزندہ درگور ہونے والی لڑکیوں کو فدیہ دے کر بچا چکا تھا، بعض اوقات کسی سفرا یا مشغولیت کی وجہ سے لڑکی سیانی ہو جاتی اور دفن کرنے کا نوبت نہ آتی جاہلی باپ دھوکہ دے کر اس کو بیچا تا اور بڑی بے بردی سے اس کو زندہ درگور کر آتا، اسلام لانے کے بعد بعض عربوں نے اس سلسلہ کے بڑے اندوہناک اور رقت انگیز واقعات بیان کئے ہیں۔

قبائلی و خاندانی عصبیت و امتیاز

قبیلے اور رشتہ داریوں کی بنیاد پر عصبیت اور تہذیب بندی عرب میں بڑی سخت تھی اس عصبیت کی

۱۔ سورۃ البقرہ آیت ۲۳۲ ۲۔ سورۃ النساء آیت ۱۹ ۳۔ سورۃ الانعام آیت ۱۲۰ ۴۔ تصدیقانی ۵۔ ملاحظہ ہو بلوغ

الارب فی احوال العرب الوسی ۶۔ کتاب الاغانی ۷۔ ملاحظہ ہو سنن الدارمی ۸۔ باب ما کان علیہ

الناس قبل مبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الجہل والضلالہ ص ۳

بنیاد جاہلی مزاج تھا جس کی روح اس مشہور جملہ سے ظاہر ہوتی ہے "انصر اخاك ظالما او مظلوما" یعنی اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، چنانچہ وہ اپنے حلیف اور بھائی کی ہر حال میں مدد کرنا ضروری سمجھتے تھے، خواہ وہ برسرِ حق ہو یا برسرِ باطل۔

عربی معاشرہ مختلف طبقات اور الگ الگ حیثیت کے خاندانوں اور گھرانوں پر مشتمل تھا، ایک خاندان دوسرے سے اپنے کو بلند و بزرگ سمجھتا تھا، بعض خاندان دوسرے خاندانوں یا عام انسانوں کے ساتھ بہت سی رسوم و عادات میں شرکت پسند نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ حج کے بعض مناکب میں قریش عام حجاج سے الگ تھلگ اور متنازع رہتے تھے، وہ عرفات میں عام لوگوں کے ساتھ ٹھہرنا عذر کی بات سمجھتے تھے، آنے جانے میں پیش قدمی کرتے تھے، ایک طبقہ پیدائشی آقاؤں کا تھا، ایک طبقہ کنیت لوگوں کا جس سے بیگاریا جانا اور کام پر لگایا جانا کچھ عوام اور بازاری لوگ تھے۔

جنگو فطرت

پرب فطرۃ جنگجو واقع ہوئے تھے اور ان کی صحرائی اور غیر متزلزل زندگی کا تقاضا بھی یہی تھا، جنگ ان کے لئے زندگی کی ایک ضرورت ہے آگے بڑھ کر تفریح اور دل بستگی کا سامان بن گئی تھی جس کے بغیر ان کا جینا مشکل تھا، ایک شاعر فخریہ کہتا ہے کہ اگر ہم کو کوئی حریف قبیلہ نہیں ملتا تو اس خواہش کی تسکین کے لئے ہم اپنے برادر و حلیف قبیلہ پر حملہ کر دیتے ہیں، ایک عرب شاعر دعا کرتا ہے کہ میرا گھوڑا انواری کے قابل ہو جائے تو اشر قبائل میں جنگ کی آگ بھڑکا دے تاکہ مجھے اپنے گھوڑے اور اپنی تلوار کے جوہر دکھانے کا موقع ملے۔

لہ سورة البقرہ آیت ۱۹۹ ۱۰۰ و احبانا علی بکرا خینا ۱۰۱ اذا مالتم نجدک الا انا (حارس)

سعد المہرۃ الشقرۃ ادرک ظہرہا ۱۰۲ فشبۃ الالہ الحرب بین القبائل (حارس)

جنگ کرنا اور خون بہانا ان کے لئے معمولی کام تھا، جنگ کو بھڑکانے کے لئے معمولی واقعات کافی تھے، وائل کی اولاد، بکرو تغلب کے درمیان چالیس سال تک جنگ جاری رہی جس میں پانی کی طرح خون بہا، ایک عرب سردار ہلہل نے اس کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے کہ دونوں خاندان مسکے، ماؤں نے اپنی اولاد کھوئی، بچے قیم ہوئے، آنسو خشک نہیں ہوتے، لاشیں دفن نہیں کی جاتیں، پورا جزیرہ عرب گویا شکاری کا جال تھا، کوئی شخص نہیں جانتا تھا کہ کہاں لوٹ لیا جائے گا اور کب دھوکہ سے قتل کر دیا جائے گا، لوگ قافلوں میں اپنے ساتھیوں کے درمیان سے اچک لئے جاتے تھے، یہاں تک کہ عظیم الشان سلطنتوں کو اپنے قافلوں اور سفارتوں کے لئے چوکی پہرہ اور مضبوط بدقتہ اور قبائل کے سرداروں کی ضمانت کی ضرورت پڑتی تھی۔

دنیا کا عمومی جائزہ

ایک انگریز سیرت نگار آر وی سی، بوڈلی R. V. C. BODLEY اپنی کتاب پیغامبر (THE MESSENGER) میں زمانہ بعثت کی دنیا کا عمومی جائزہ لیتے ہوئے اس وقت کے قابل ذکر ممالک و اقوام کا تذکرہ کرتا ہے:-

”قدیم روایات کے باوجود چھٹی صدی عیسوی کی اس دنیا میں عربوں کو کوئی اہمیت حاصل نہ تھی، حقیقت میں تو کسی کی بھی کوئی اہمیت نہ تھی، یہ ایک نزلہ کا دور تھا، جب کہ مشرقی یورپ اور مغربی ایشیا کی عظیم سلطنتیں اول ہی بناؤ ہو چکی تھیں یا اپنے شاہی دور کے اختتام پر تھیں، یہ ایک ایسی دنیا تھی جو اب بھی یونان کی فصاحت ایران کی عظمت اور روم کی شوکت و جلال سے متحیر تھی اور کوئی ایسی ایک شے یا کوئی ایسا

ایک مذہب بھی نہ تھا جو ان میں سے کسی کی جگہ لیتا۔

یہودی تمام دنیا میں مائے مائے پھر رہے تھے، ان کو کوئی مرکزی رہنمائی حاصل نہ تھی، حالات کے مطابق یا تو ان کو محض برداشت کیا جاتا یا اذیتیں دی جاتیں، کوئی ملک ان کا اپنا ذاتی نہ تھا، اور ان کا مستقبل اسی قدر غیر یقینی تھا جس طرح کہ آج ہے۔ پوپ گرگری اعظم GREGORY THE GREAT کے حلقہ اثر سے باہر کسی اپنے پہل عقائد کے تہم کے پیچیدہ معانی ایجاد کر رہے تھے، اور اس سلسلہ میں ایک دوسرے کا گلہ کاٹنے میں مصروف تھے۔

ایران میں تعمیر سلطنت کی صرف ایک کرن رہ گئی تھی، خسرو ثانی اپنی سلطنت کی توسیع میں مصروف تھا، اس نے روماکو شکست دے کر کپریڈوشیا (CAPADOCIA) مصر و شام پر قبضہ کر لیا تھا، اس نے ۶۲۰ء میں (جب کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت رہنما ظاہر ہونے والے تھے) بیت المقدس کو تاراج کر کے مقدس صلیب کو چرایا تھا، اور دارے اقل کی زبردست عظمت و شوکت کو دوبارہ قائم کر دیا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گو یا مشرق وسطیٰ کی عظمت کو زندگی کی ایک نئی قسط مل گئی ہے، لیکن یہی نہ تھا، بازنطینی رومی اب بھی اسی گزری ہوئی جستی رکھتے تھے، جب خسرو اپنی فوج کو قسطنطنیہ کی فصیلوں پر لایا تو انھوں نے ایک آخری کوشش کر دکھائی۔

مشرق بعید میں حالات کوئی نمایاں اثرات نہیں چھوڑ رہے تھے، ہندوستان اب بھی چھوٹی چھوٹی غیر اہم ریاستوں پر مشتمل تھا، جو سیاسی اور حربی حیثیت سے ایک دوسرے پر فوقیت کے لئے جدوجہد میں مصروف تھیں۔

چینی ہمیشہ کی طرح آپس میں نبرد آزما تھے، خاندان سوی آیا اور گیا اور اس کی

ہر ٹینگ نے لی جو تین صدیوں تک حکمران رہا۔

جاپان میں پہلی مرتبہ ایک عورت تخت نشین ہوئی، بدھ مت جو پکڑنے لگا تھا اور جاپانی تصورات اور مقاصد پر اثر انداز ہونے لگا تھا۔

اسپین اور انگلستان غیر اہم چھوٹے چھوٹے ملک تھے اسپین ویسی گوتھوں

(VISI GOTHS) کے زیر اثر تھا، جو کچھ عرصہ پہلے ہی فرانس جس پر انھوں نے لوئر

(LOIRE) تک قبضہ کر رکھا تھا، نکالے گئے تھے، وہ ان یہودیوں پر ظالم ڈھلے ہوئے تھے، جن کو

اس علم کے لئے جو ابھی سو برس بعد ہونے والا تھا، آسانیاں پیدا کرنی تھیں۔

جزائر برطانیہ آزاد یا ستوں میں تقسیم تھا، ڈیڑھ سو سال رو میوں کو روانہ

ہوئے ہو چکے تھے، جن کی جگہ نازک لوگوں کی آمد نے لی تھی، خود انگلستان سٹ

مختلف بادشاہوں پر مشتمل تھا۔



زمانہ جاہلیت کا سیاسی و معاشی نظام

جاہلی دنیا کی دینی، روحانی، اخلاقی و اجتماعی صورتِ حال کا جائزہ لینے کے بعد متاب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سیاسی و معاشی نقشہ پر خصوصی نظر ڈالی جائے کہ دینی و اخلاقی اور اجتماعی ترقی و انحطاط میں سیاسی و معاشی حالات اور رائج الوقت سیاسی و معاشی تصورات اور قوانین کا بہت بڑا دخل ہے اور وہ قومی زندگی کی تعمیر و تشکیل کا ایک اہم و فعال عنصر (FACTOR) ہے۔

مطلق العنان بادشاہت

زمانہ جاہلیت میں خالص آمرانہ حکومت کا دور دورہ تھا، اس زمانہ کی سیاست مطلق العنان بادشاہت تھی، یہ بادشاہت اکثر مخصوص خاندانوں کی عظمت پر قائم ہوتی تھی جیسا کہ ایران میں تھا، وہاں آل ساسان کا عقیدہ تھا کہ حکومت پر ان کا موروثی حق ہے اور انھیں تا ابد الہی حاصل ہے، عام رعایا کو بھی پوری کوشش کر کے اس کا یقین دلایا گیا تھا چنانچہ انھوں نے بھی اس اصول کو تسلیم کر لیا تھا، اور حکومت کے بارے میں ان کا یہی عقیدہ ہو گیا تھا جو کبھی متزلزل نہیں ہوتا تھا۔

کبھی یہ بادشاہت محض سلاطین کی عظمت پر قائم ہوتی تھی، اہل چین اپنے بادشاہ کو "شہنشاہ فرزند آسمان" کہتے تھے، کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ آسمان "تر ہے اور زمین مادہ" اور کائنات کو انھیں دونوں نے جنم دیا ہے، اور شہنشاہ خدائے اول زمین و آسمان کے

جوڑے کی سب سے پہلی اولاد ہے، اسی بنا پر شاہ وقت کو قوم کا تنہا باپ تصور کیا جاتا تھا، اس کے حق تھا کہ جو چاہے کرے، لوگ اس سے کہتے تھے کہ آپ ہی قوم کے بائی باپ ہیں، شہنشاہ لیان یا تائی تنگ جب مراہے تو اہل چین نے سخت اتم برپا کیا اور حد سے زیادہ غم کیا، کسی نے سوئیوں سے اپنا چہرہ خون آلود کیا، کسی نے اپنے بال کاٹے، کسی نے جازم سے اپنے کان مارا کر زخمی کر لئے۔

کبھی بادشاہت کسی خاص گروہ یا کسی مخصوص وطن کا حق سمجھی جاتی تھی، جیسا کہ مملکت روم میں اعتقاد تھا، وہاں رومی وطن اور رومی قومیت کی عظمت کو بنیادی قانون تھا، دوسری قومیں اور دوسرے ملک اس قومیت کے غلام تھے، ان کی حیثیت ان رگوں اور شراٹین کی سی تھی، جن سے خون جاری ہو کر اپنے مرکز کو پہنچتا ہے، سلطنت روم ہر قانون اور ہر ایک کے حق کو نظر انداز کر سکتی، اور ہر ایک کی عزت و ناموس پامال کر سکتی تھی، وہ ظلم و ستم کو جائز سمجھتی تھی، رومیوں کا ہم عقیدہ اور ہم مذہب ہو کر اور حکومت کے ساتھ خلوص اور وفاداری کا اظہار کر کے بھی کوئی قوم یا فرد رومیوں کے ظلم و ستم سے بچ نہیں سکتا تھا، کسی قوم کو حکومت خود اختیاری یا اندرونی خود مختاری کا حق نہیں تھا، اور نہ اس کا موقع تھا کہ اپنے ملک میں اپنے واجبی حقوق سے مستفید ہو سکے، ان محکوم قوموں اور مفتوح ملکوں کی مثال اس اوٹمنی کی سی تھی جس پر بوقت ضرورت سواری کی جاتی اور اس کا دودھ دوا جاتا اور صرف اسی قدر اس کو چارہ دیا جاتا جو اس کی پیٹھ کو مضبوط اور تھن کو دودھ سے بھرا رکھ سکے، رابرٹ بریفاٹ (ROBERT BRIFFAULT) رومی سلطنت کے بارہ میں لکھتا ہے :-

”رومی سلطنت کی تباہی کا سبب وہاں کی بڑھی ہوئی خوابیاں (شلازشت وغیرہ)

لے تاریخ پیر از جمیں کار کرن۔

تھیں، بلکہ اصلی بُرائی اور بنیادی خرابی ناسادہ شر اور حقائق سے گریز کی عادت تھی، جو اس سلطنت کے قیام اور نشوونما میں پہلے ہی دن سے موجود تھی یہ خرابی سلطنت کے اندر جڑ پکڑ چکی تھی، کسی انسانی جماعت کی تعمیر جب بھی اس طرح کی کمزور اور کج بنیاد پر کی جائے گی تو اس کے گرنے سے صرف ذہانتیں اور اعلیٰ سرگریبا نہیں بچ سکتیں، اور چونکہ خرابیوں ہی پر اس سلطنت کی بنیاد تھی، اس لئے اس کا خاتمہ اور زوال بھی ضروری تھا، کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ رومی سلطنت صرف ایک چھوٹے سے طبقہ کی عیش اور راحت رسائی کا ذریعہ تھی، اور جمہور عوام سے ناجائز منفعت اندوزی اور رعایا کا خون چوس کر شاہی قومیت کو غذا پہنچانا اس حکومت کا کام تھا، بلاشبہ روم میں تجارت، امانت داری اور انصاف کے ساتھ جاری تھی، اور یہ بات حکومت کی بنیادی خصوصیات میں بھی جاتی تھی، اور اس سے بھی انکار نہیں کہ حکومت اپنی طاقت و قابلیت میں نیز اپنے عدالتی نظام میں ممتاز تھی، لیکن یہ تمام خوبیاں حکومت کو تباہی سے نہیں بچا سکتی تھیں، اور نہ اس کی غلطیوں کے سخت انجام سے محفوظ رکھ سکتی تھیں۔

مصر و شام کی رومی حکومت

ڈاکٹر الفریڈ بٹلر ALFRED BUTLER رومی حکومت کے بارہ میں لکھتا ہے :-
 "مصر میں رومی حکومت صرف ایک ہی غرض و غایت اپنے سامنے رکھی تھی اور وہ یہ تھی کہ جس طرح ممکن ہو رعایا سے مال لوٹ کھسوٹ کر حکام کو فائدہ پہنچایا جائے"

رعایا کی بہبودی اور خوشحالی اور عوام کے میاں زندگی کو بلند کرنے کا خیال تک نہیں آتا تھا، رعایا کی تہذیب اور اخلاق کو درست کرنا اور ترقی دینا تو بڑی چیز ملک کے مادی وسائل کو ترقی دینے کی بھی اس کو فکر نہ تھی، بصر پران کی حکومت ان پردیسوں کی سی حکومت تھی، جو صرف اپنی طاقت پر بھروسہ کرتی ہے اور محکوم قوم کے ساتھ اظہار ہمدردی کرنے تک کی بھی ضرورت نہیں سمجھتی ہے۔

ایک عرب شامی مؤرخ شام میں رومی حکومت کے بارہ میں کہتا ہے:-

• ابتدا میں رومیوں کا شامیوں کے ساتھ اچھا اور نصفانہ برتاؤ تھا، اگرچہ ان کی سلطنت میں اندرونی طور پر خلفشار تھا، لیکن جب ان کی حکومت بڑھی ہو گئی تو اس نے بدترین قسم کی غلامی کی شکل اختیار کر لی اور بدترین معاملہ جو غلام اور رعیت کے ساتھ کیا جاسکتا ہے اس نے اپنی محکوم رعایا کے ساتھ کیا، روم نے براہ راست شام کا بھی الحاق نہیں کیا اور شام کے باشندوں کو بھی رومیوں کی طرح شہری حقوق نہیں حاصل ہوئے نہ ان کے ملک کو رومی سلطنت اور سرزمین کا درجہ ملا، شامی ہمیشہ غریب الوطن افراد کی طرح رعایا بن کر رہے، اکثر سرکاری ٹیکس ادا کرنے کے لئے اپنی اولاد کو بیچ دینے پر مجبور ہوتے، مظالم کی زیادتی تھی، غلام بنانے اور بیگار لینے کا عام رواج تھا، اسی بیگار سے رومی حکومت نے وہ ادارے اور کارخانے تعمیر کئے جو رومیوں کا کارنامہ سمجھے جاتے ہیں۔

• رومیوں نے شام پر سات سو سال تک حکومت کی، ان کے آتے ہی ملک میں اختلافات، خود سری اور تکبر کی بنیاد پڑ گئی تھی، اور قتل کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

یونانیوں نے شام پر ۳۶۹ سال حکومت کی، اس پورے عہد حکومت میں بڑی سخت جنگیں ہوئیں رعایا پر نظام ہوئے اور یونانیوں کے حرص و ہوس کی پوری کیفیت کھل کر ظاہر ہو گئی، شامی قوم پر ان کی سلطنت بدترین نحوست اور سخت ترین عذاب تھی، خلاصہ یہ کہ بدیسی سامراج کے ہاتھوں روم و ایران کے ممالک انتہائی تکلیف و مصیبت میں تھے، اور سیاسی، مالی، اقتصادی ہر لحاظ سے ملک کے تمام مرکز اور دارالسلطنت حد درجہ ابتیزی کی حالت میں تھے۔

ایران میں خراج اور ٹیکس وصول کرنے کا نظام

ایران میں سیاسی و معاشی نظام نہ عادلانہ تھا نہ مستحکم، بلکہ اکثر حالات میں بہت ہی ناہمو اور ظالمانہ تھا، خراج اور ٹیکس وصول کرنے والے علمہ کے اخلاق ان کی خواہشات اور ملک کے جنگی اور سیاسی حالات کے مطابق یہ نظام بدتر رہتا، ایران بعد ساسانیان کا مؤلف لکھتا ہے:-

”خراج اور ٹیکس کے لگانے اور وصول کرنے میں مقصود خیانت اور استحصال بالجبر کے ترک ہوتے تھے، چونکہ ایات کی قلم سال بسال مختلف ہوتی رہتی تھی، یہ ممکن نہ تھا کہ سال کے شروع میں ملے اور خراج کا تخمینہ ہو سکے، علاوہ اس کے ان چیزوں کو ضبط میں رکھنا بھی بہت مشکل تھا، بالواقعا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ادھر تو جنگ چھڑ گئی اور ہر روز پیسہ مورد ایسی حالت میں پھر غیر معمولی ٹیکسوں کا لگانا ضروری ہو جاتا تھا اور تقریباً ہمیشہ اس کی زد ہر ملک والے اور صوبوں خصوصاً بابل پر پڑتی تھی۔“

شاہی خزانے اور ذاتی دولت

پبلک کے فائدے کے لئے جتنا روپیہ شاہی خزانے سے خرچ ہوتا تھا، وہ کچھ زیادہ نہ تھا۔

ایران کی قومی زندگی میں دولت و خوشحالی مخصوص افراد کے اندر محدود تھی، اور بڑے چند اشخاص نہایت دولت مند تھے، باقی نہایت تنگدست اور پریشان حال، ایرانی تاریخ میں نوشیرواں کا زمانہ حسنِ انتظام اور عدل گستری کے لئے ضربِ المثل ہے، ایران بعدِ سامانیان کا مصطفیٰ اس عہد کے متعلق لکھتا ہے :-

”خسرو (نوشیرواں) کی مالی اصلاحات میں بیشک رعایا کی نسبت خزانے کے مفاد کو زیادہ ملحوظ رکھا گیا تھا احوام الناس اسی طرح جہالت و غم میں زندگی بسر کر رہے تھے، جیسا کہ زمانہ سابق میں، بازنطینی فلسفی جو شہنشاہ کے یہاں آکر رہا کرتے ہوئے تھے،

۱۔ ایران بعد ساسانیان ۱۶۵ء ایضاً ص ۱۷۱ ۲۔ ایضاً ص ۱۷۳ ۳۔ ایضاً ص ۱۷۴ ج ۱ جو سولے اور چاندی کا بنا ہوا، اور سرد
یا قوت اور دیو تیل کے حصّہ تھا، بادشاہ کے سر کے اوپر چھتکا تھا ایک سونے کی زنجیر کے ذریعہ سے لگا رہتا تھا جس قدر باریک تھی کہ
جب تک تخت کے بالکل قریب نہ گزرتا دیکھا جا نظر نہیں آتی تھی اگر کوئی شخص دور سے دیکھتا تو یہی سمجھتا کہ تلخ بادشاہ کے سر پر کیا ہوا ہے لیکن
حقیقت یہاں قدر بجاری تھا کہ کوئی انسانی سراں کو نہیں ٹھاکسکتا تھا کیونکہ اس کا وزن ۱۰ کلو تھا (قریباً ۲۲ سو پونڈ)
ایران بعد ساسانیان ۱۶۵

ایران سے جلد بدداشتہ خاطر ہو گئے، یہ سچ ہے کہ وہ اتنے بلند نظر فلسفی نہ تھے کہ ایک غیر قوم کی عادات و رسوم کو غیر جانبداری کی نظر سے دیکھ سکتے اور جن باتوں کو وہ ایک فلسفی بادشاہ کی سلطنت میں دیکھنے کے خواہاں تھے وہ ان کو نظر نامیں اور چونکہ علم الاقوام کے مطالعہ کا انھیں ذوق نہ تھا اور ان کی ذہنیت ایسی نہ تھی جو اس علم کے جاننے والے کی ہوتی ہے لہذا ایرانیوں کی بعض رسوم مثلاً ترویج محرمات کی رسم یا لاشوں کو زخمیوں پر کھلا چھوڑ دینے کی مذہبی رسم نے ان کو برم کیسا ایک محض یہ رسمیں نہ تھیں جن کی وجہ سے ان کو ایران میں رہنا ناگوار ہو بلکہ ذات پات کی تیز اور سوسائٹی کے مختلف طبقوں کے درمیان ناقابل قبول فاصلہ اور خستہ حالی جس میں نچلے طبقہ کے لوگ زندگی بسر کر رہے تھے یہ وہ چیزیں تھیں جن کو دیکھ کر وہ آزرہ خاطر ہوئے۔ طاقتور لوگ کمزوروں کو دباتے تھے اور ان کے ساتھ ظلم اور بے رحمی کا سلوک کرتے تھے۔

یہ حال صرف ایران ہی میں نہ تھا، اس کی معاصر و حریف بازنطینی سلطنت میں بھی سخت قسم کا طبقاتی نظام اور امتیازی سلوک رائج تھا، رابرٹ بریغٹ (ROBERT BRI-
(FFAULT) لکھتا ہے :-

”یہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی اجتماعی ادارہ زوال پذیر ہوتا ہے تو اس کے چلانے والے اس کی حرکت اور ارتقاء کو روک دینے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں پاتے اسی لئے رومی معاشرہ (اپنے انحطاط کے دور میں) سخت درجہ کی ظالمانہ طبقہ داریت کے شکنجہ میں کسا ہوا تھا، سوسائٹی میں کسی کی مجال نہ تھی کہ اپنا پیشہ بدل سکے، ہر لڑکے کے لئے ضروری تھا کہ اپنے باپ کا پیشہ اختیار کر لے۔“

دونوں سلطنتوں میں بڑے بڑے عہدے، بڑے خاندانوں اور گھرانوں کے لئے مخصوص تھے، جو جاہ و ختم رکھتے اور حکام میں ان کا رسوخ تھا۔

ایران کے کسان

نئے ٹیکسوں نے عوام کی کمر توڑ دی تھی، بہت سے کسانوں نے کھیتی باڑی چھوڑ دی تھی، ان ٹیکسوں سے بچنے اور اس حکومت کی فوجی خدمت کرنے سے نجات حاصل کرنے کے لئے جس سے ان کو دلی لگاؤ نہ تھا، انہوں نے عبادت گاہوں اور خانقاہوں میں پناہ لی تھی، نہ ان کو اس مقصد سے کچھ دلچسپی تھی جس کے لئے بار بار جنگیں کی جاتی تھیں، نتیجہ یہ ہوا کہ بیکاری اور جرائم کی گرم بازاری ہوئی اور ناجائز طریقوں سے روپیہ پیدا کرنے کا مرض عام ہو گیا۔ ایران بہت سا سانیان کا مصنف ایران کے کاشتکار طبقہ کے متعلق جو ملک کی خوراک اور آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ تھا لکھتا ہے :-

”کسانوں کی حالت بہت بدتر تھی، وہ اپنی زمین کے ساتھ بندھے رہتے تھے اور ان سے ہر طرح کی بیگاری اور خدمت لی جاتی تھی، مؤرخ اتیان مارسلینوس لکھتا ہے کہ ان بجائے کسانوں کے بڑے بڑے گروہ فوج کے پیچھے پیچھے پیادہ کوچ کرتے تھے، گویا کہ ابدی غلامی ان کی تقدیر میں لکھی ہے اور قسریں سم کی تنخواہ یا اجرت سے ان کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی تھی..... کسانوں کا تعلق زمینداروں کے ساتھ تقریباً دسیا ہی تھا، جیسا کہ غلاموں کا تعلق آفاک کے ساتھ“

حکام کا رویہ

حکومت کے اہل کار و عہدہ دار عام رعایا اور ملک کے باشندوں کے ساتھ ایسی سخت گیری اور بیدردی کا برتاؤ کرنے کہ اہل ملک ان سے عاجز تھے، ان محکام اور عہدہ داروں کو نہ عوام کی جان و مال کی پرواہ تھی، نہ ان کی عزت و آبرو کا پاس، لوگ شکایتیں کرتے، لیکن جن لوگوں کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور تھی ان کے کانوں پر جوں نہ رنگی، یہاں تک کہ لوگوں نے سمجھ لیا کہ یہ اندھیز نگری ان کے لئے مفید ہو چکی ہے، اور اس سے نجات کی کوئی صورت نہیں، بعض اوقات وہ ایسی زندگی پر موت کو ترجیح دیتے۔

مصنوعی معاشرت اور پرعشرت زندگی

روم و ایران دونوں جگہ عام طور سے لوگوں پر پیش پستی کا بھوت سوار تھا، مصنوعی تہذیب اور ایک پُر فریب زندگی کا سیلاب اُمنڈ آیا تھا، جس میں وہ سر سے پاؤں تک غرق تھے، سلاطین روم اور شاہان ایران اور ان کے امراء و رؤساء خوابِ غفلت میں پڑے تھے، لذت اندوزی کے سوا انھیں کسی بات کی فکر نہ تھی، عیاشی کی وہ انتہا تھی کہ قیاس کا انہیں اتنا نکاہات زندگی، تعیشات اور سامانِ آرائش کی وہ مہمتات تھی، اور اس میلان باریکیوں اور نکتہ بینیوں سے کام لیا جاتا تھا کہ عقل حیران رہ جاتی ہے، پارسی مؤرخ شاہین مکاریوس کے بیان کے مطابق "کسریٰ پر وزیر کے پاس بارہ ہزار مور میں تھیں، پچاس ہزار اسیل گھوڑے، اسقدر سامانِ تعیش، محلاتِ نقد و جواہرات تھے، کہ ان کا اندازہ مشکل ہے، اس کا عمل اپنی شان و شکوہ کے لئے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ایران بہمدِ ساسانیان" کا باب نمبر "آخری شاندار عہدہ"۔

اور عظمت میں جواب نہیں رکھتا تھا، مکار یوس لکھتا ہے کہ تائیخ میں شال نہیں لکھی کہ کسی بادشاہ نے ان شاہان ایران کی طرح داد عیش دی ہو جن کے پاس تحائف اور خراج کی قیس ان تمام شہروں سے آتی تھیں جو شرق اوسط اور شرق اقصیٰ کے درمیان واقع تھے، اسلامی فتوحات کے بعد جب ایرانی عراق سے بے دخل ہوئے تو انھوں نے وہ اندوختہ چھوڑا جس کی قیمت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا ان چھوٹے ہوئے سامانوں میں بیش قیمت جوئے طلائی ظروف، سنگار کا سامان، عطریات وغیرہ تھے، طبری کی روایت ہے کہ عربوں کو مدائن کی فتح میں ترکی خیمے لے جو سرمہ لٹو کروں سے بھرے ہوئے تھے، عرب کہتے ہیں کہ ہم سمجھے کہ اس میں کچھ کھانے کا سامان ہوگا کھولنے سے معلوم ہوا کہ سونے چاندی کے برتن ہیں، مورخین نے فرش بہار کی (جس پر پیٹھ کر امراء ایران موسم خزاں میں شراب پیتے تھے) تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے :-

”یہ ساٹھ گز مربع تھا، تقریباً ایک ایکوڑ زمین کو گھیر لیتا، اس کی زمین سونے کی تھی جس میں جا بجا جواہرات اور موتیوں کی گلکاری تھی، چمن تھے جن میں پھولدار اور پھل دار درخت قائم تھے، درختوں کی لکڑی سونے کی، پتے حریر کے، کلیاں سونے چاندی کی، اور پھل جواہرات کے بنائے گئے تھے، اگر دہیرے کی جدول تھی، دریا میں روشیں اور نہریں بنائی گئی تھیں، اور یہ سب جواہرات کی تھیں، موسم خزاں میں تاجداران آل ساسان اس گلشن بے خزاں میں بیٹھ کر شراب پیاتے اور دولت کا ایک حیرت انگیز کز شہ نظر آتا جو زمانے نے کبھی اور کہیں نہ دیکھا تھا“

رومی حکومت کے عہد میں شام اور اس کے مرکزی شہروں کا بھی یہی حال تھا، دنوں

لغة تائیخ ایران (شاہین مکاریوس) طبع مصر ۱۸۹۰ء ص ۹۰ ۹۱ ایضاً ص ۲۱۱ ۲۱۲ ۲۱۳ تائیخ طبری

لغة تائیخ اسلام از مولوی عبدالحکیم شرر - ج ۱ ص ۲۵۲ ماخوذ از تائیخ طبری وغیرہ۔

حکومتیں عیش پسندی اور تمدن کی باریکیوں میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھیں، شہنشاہانِ روم ان کے شامی رؤساء و حکام نے کھل کر داد عیش دی، ان کے عالی شان محل اور دیوان خانے اور ناؤ نوش کی مجلسیں عیش کے ساز و سامان اور دولت و فراغت کے اسبابِ بربز تھیں، تاریخ و روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ عیش پسندی اور نفاست میں بہت آگے نکل چکے تھے، حضرت حسان بن ثابتؓ نے (جنھوں نے اسلام سے پہلے غسانی امراء شام کی مجلسوں میں شرکت کی تھی) جلد بن الایم غسانی کی مجلس کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:-

”میں نے دس باندیاں دیکھیں جن میں پانچ روم کی تھیں جو ربط پر گارہی تھیں، اور پانچ وہ تھیں جو اہل حیرہ کے دھن میں گارہی تھیں جنھیں عرب سردار ایاس بن قبیصہ نے تحفہ بھیجا تھا، اس کے علاوہ عرب کے علاقہ مکہ وغیرہ سے بھی گوتیوں کی ٹولیاں جاتی تھیں، جلد جب شراب نوشی کے لئے بیٹھتا تو اس کے نیچے فرش پر قسم کے پھول چھلی، جوہی وغیرہ بچھادیئے جاتے اور سونے چاندی کے ظروف میں مشک و عنبر لگائے جاتے، چاندی کی طشتریوں میں مشک خالص لایا جاتا اگر جاڑوں کا زمانہ ہوتا تو عود جلا یا جاتا اگر گرمیوں کا موسم ہوتا تو برف بچھائی جاتی اور اس کے اور اس کے ہم نشینوں کے لئے گرمیوں کا لباس آتا جس کو وہ اپنے اوپر ڈال لیتا، جاڑوں میں سمور قیمتی کھائیں اور دوسرے گرم لباس حاضر کئے جلتے۔“

وایانِ ریاست، شاہزادے امراء، اونچے گھرانوں کے افراد نیز متوسط طبقہ کے لوگ بادشاہوں کے نقش قدم پر چلنے اور کھانے پینے، پوشاک اور طرزِ رہائش میلان کی نقل کرنے کی کوشش کرتے اور ان کی عادات و اطوار اختیار کرتے، معیار زندگی بہت ہی زیادہ

بلند ہو گیا تھا، اور معاشرت بہت زیادہ پیچیدہ بن گئی تھی، ایک ایک شخص اپنی ذات پر اور اپنے لباس کے کسی ایک حصہ پر اس قدر خرچ کرتا تھا جس سے پوری ایک بستی کی پرورش ہو سکے یا جو پورے ایک گاؤں یا آبادی کی پوشاک اور ستر پوشی کے مصارف کے لئے کافی ہو، ایسا کرنا ہر ایک ممتاز اور شریف آدمی کے لئے ناگزیر تھا کیوں کہ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو سوسائٹی میں نکست نہائی ہوتی، اور وہ اپنے ہم پستوں میں ذیل ہوتا یہاں تک کہ یہ بھی زندگی کی ایک ضرورت اور سوسائٹی کا ایک قانون بن گیا جس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی تھی، شعبی کہتے ہیں کہ اہل ایران اپنے سروں پر جو کلاہ رکھتے تھے، وہ ان کی اس حیثیت کے مطابق ہوتی تھی جو انھیں اپنے قبیلہ میں حاصل تھی، چنانچہ جو اپنے قبیلہ میں شرافت و عزت کے لحاظ سے معیاری ہوتا تھا، اس کی کلاہ ایک لاکھ کی قیمت کی ہوتی تھی، ہرگز کا شمار انھیں افراد میں تھا، جن کی سیادت تسلیم شدہ تھی، لہذا اس کی کلاہ ایک لاکھ کی تھی جس میں جو اہرات جڑے ہوئے تھے، شرافت و وجاہت کا معیار یہ تھا کہ وہ ایران کے شاہ اور بچے گھرانوں میں سے کسی ایک خاندان کا فرد ہو، ازاد ہو، (زادوید) شہر حیرہ کا کسری کے عہد میں حاکم تھا وہ سیادت میں دوسرے نمبر کا سمجھا جاتا تھا، اس لئے اس کی ٹوپی کی قیمت پچاس ہزار تھی، رستم کی کلاہ ستر ہزار میں فروخت ہوئی اور اس کی قیمت ایک لاکھ تھی۔

لوگ اس انتہا پسندانہ معاشرت اور اس کے تباہ کن لوازم و ضرورتوں کے اس طرح عادی ہو گئے تھے اور یہ تمدن ان کے رگ و پے میں طرح سرایت کر گیا تھا کہ یہ تکلفات ان کی طبیعت بنائے بن گئے تھے، اور ان سے علیحدہ ہونا ان کے لئے ناممکن سا ہو گیا تھا، نازک سے نازک وقت میں اور مجبوری کی حالت میں بھی سادہ زندگی اور نیچی سطح پر اتر آنا ان کے لئے دشوار تھا۔

برائن کی فتح کے وقت شہنشاہ ایران یزدگرد جس بے سرو سامانی اور پریشانی میں

دار السلطنت چھوڑ کر بھاگ گئے، اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں، مگر اس عجلت و پریشانی میں بھی وہ اپنے ساتھ جو سامان لے گیا ہے، اس سے اس ذہنیت اور معیار تمدن کا اندازہ ہو سکتا ہے۔
 "ایران بعد رسا سانیان" کا مصنف لکھتا ہے :-

"یزدگرد اپنے ہمراہ ایک ہزار باورچی، ایک ہزار گوتے، ایک ہزار چیتوں کے محافظ، ایک ہزار بازدار اور بہت سے دوسرے لوگ لیتا گیا، اور یہ تعداد اس کے نزدیک ابھی کم تھی۔"

ہرمزان شکست کھانے کے بعد جب پہلی بار مدینہ آیا اور حضرت عمرؓ کی مجلس میں حاضر ہوا تو اس نے پانی مانگا، پانی ایک موٹے سے پیالہ میں لایا گیا، اس نے کہا کہ چاہے میں پیسا سا مرجاؤں مگر اس بھدے پیالہ میں پانی پینا میرے لئے ممکن نہیں، چنانچہ اس کے لئے تلاش کر کے دوسرے برتن میں پانی لایا گیا جس کو وہ پی سکا۔

ان دو واقعات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایرانیوں کی عادتیں کس قدر بڑھ گئی تھیں اور وہ مصنوعی زندگی اور تکلفات کے کس قدر مادی اور سادہ و فطری زندگی سے کس درجہ دور ہو چکے تھے۔

حکومت کی دولت ستانی

اس عیش پسند اور مرفانہ زندگی کا لازمی نتیجہ تھا کہ ٹیکسوں پر اس قدر اضافے ہو جائیں جو رعایا کے لئے ناقابل برداشت ثابت ہوں، نئے نئے قوانین بنائے جائیں جن کی رو سے کسانوں، تاجروں، کارمگروں اور اہل حرفہ سے زیادہ سے زیادہ مال گھسیٹا جاسکے، نوبت یہاں تک پہنچی کہ آئے دن کے ان اضافوں اور بھاری بھاری ٹیکسوں نے رعایا کی کمر توڑ دی اور حکومت کے

مطالبات سے ان کی پیٹھ بوجھل ہو گئی، ایران بعد ساسان کا مؤلف لکھتا ہے:-

”باقاعدہ ٹیکسوں کے علاوہ رعایا سے نذرانے لینے کا بھی دستور تھا جس کو آئین کہتے تھے، اسی آئین کے مطابق عید نوروز اور مہرگان کے موقعوں پر لوگوں سے جبراً تحائف وصول کئے جاتے تھے، خزانہ شاہی کے ذرائع آمدنی میں سے ہمارا خیال ہے کہ سب سے اہم ذریعہ جاگیر بائے خالصہ کی آمدنی اور وہ ذرائع تھے، جو بادشاہ کے لئے حقوق خسروی کے طور پر مخصوص تھے مثلاً فارنگیوں (علاقہ آرمینیا) کی سونے کی کانوں کی ساری آمدنی بادشاہ کی ذاتی آمدنی تھی“

مؤرخ شام رومی حکومت کے طرز عمل اور اس کی مدوں اور آمدنیوں کے متعلق لکھتا ہے:-

”شاہی رعایا پر لازم تھا کہ وہ حکومت کا ٹیکس ادا کرے اور اپنی تمام پیداوار اور آمدنی کا دسواں حصہ اور اس المال کا ٹیکس داخل کرے فی کس ایک تم مقرر تھی جس کا ادا کرنا لازمی تھا اس کے علاوہ رومی قوم کے کچھ دوسرے اہم ذرائع آمدنی تھے، مثلاً جنگی کانیں، محاصل اس کے علاوہ جو قطعاً گندم کی کاشت کے قابل ہوتے اور چراگاہیں ٹھیکہ پر اٹھا دی جاتیں ان ٹھیکہ داروں کو عشارین کہتے تھے یہ لوگ حکومت سے تحصیل وصول کے اختیارات خرید لیتے اور رعایا سے مطالبات وصول کرتے، ہر صوبہ میں ان ٹھیکہ داروں کی متحد دکنیا قائم تھیں ہر دکنی کے پاس کچھ منشی اور مختل ملازم تھے، جو اپنے کو افسر اور مالکوں کے انداز میں پیش کرتے اور جس قدر ان کو لینے کا حق تھا اس سے زیادہ وصول کرتے، وہ لوگوں کو فراغت و راحت کے وسائل سے محروم کرتے اور اکثر ان کو

غلاموں کی طرح فروخت بھی کر دیتے تھے

رومیوں کے سیاسی طرز کا اور ان کی پالیسی کا کسی نے خلاصہ یہ بیان کیا ہے کہ :-

۱۰۔ اچھا نگہ بان وہ ہے جو اپنی بھیڑوں کا اُون کاٹ لیتا ہے نوجوان نہیں واقف

یہ ہے کہ دو صدیاں گزر گئیں اور خہنشاہانِ روم اپنی ملکیت کا نشانہ اُون کاٹتے

ہے (نوجوان کی کوشش نہیں کی) وہ ان سے بہت بڑی دولت وصول کرتے رہے

لیکن اس کے ساتھ ساتھ بیرونِ دشمن سے ان کی حفاظت کرتے رہے

عوام کی خستہ حالی

روم و ایران دونوں ملکوں میں اہل ملک و علاقہ طبقوں میں تقسیم ہو گئے تھے ان دونوں

طبقوں کے درمیان واضح اور تین فرق تھا، ایک طبقہ بادشاہوں، شاہزادوں، اہل دربار ان کے

خاندانوں، عزیزوں اور ان کے متعلقین و بستگان اور جاگیرداروں اور دولت مندوں کا تھا

یہ لوگ سدا بہار پھولوں کی سیج پر زندگی گزارتے، ان کے گھر کے لوگوں اور بچے سونے چاندی

سے کھیلنے اور دودھ اور گلاب میں نہاتے یہ اپنے گھوڑوں کی نعلیں بھی جواہرات سے جڑتے

اور درود یوار کو بھی ریشم و کنواں سے سجاتے تھے۔

دوسرا طبقہ، کاشتکاروں، کاریگروں، اہل حرفہ اور چھوٹے تاجروں کا تھا جن کی

زندگی سراپا کلفت و مصیبت تھی، یہ زندگی کے بوجھ ٹھیکسوں اور زندرانوں کے بائے کھلے جا رہے

تھے ان کا جوڑ جوڑ اور بند بند مطالبات کے ہندرجکڑا ہوا تھا، وہ اس جال کو توڑنے کی

جس قدر کوشش کرتے اور جس قدر ہاتھ پاؤں مارتے وہ جال اوکس جاتا اس کٹھن اور

لے خطہ اشام (محمد کرد علی) ج ۵ ص ۴۷۷

پر مصیبت زندگی پر دوسری مصیبت یہ تھی کہ وہ اونچے طبقہ کی بہت سی باتوں میں نقل اتارنے کی کوشش بھی کرتے جس سے اور زیادہ پریشان ہوتے ضرورتاً زندگی کی فراہمی میں ان کو وہ وقت اور پریشانی لاحق نہ ہوتی جو احمق نقالی اور اونچے طبقہ کی ریس کرنے میں ان کو پیش آتی، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کی زندگی تلخ اور سراسیمہ کوفت تھی، ان کا دماغ ہر وقت پریشان و پرانگندہ رہتا اور ان کو حقیقی سکون اور اطمینان قلب کبھی میسر نہ آتا۔

سرکش دولتمند اور خود فراموش مفلس

سرمایہ داری کی سرکشی و خود فراموشی اور افلاس کی بے بسی اور خود فراموشی کے دو انتہائی سروں کے درمیان انبیاءِ حلیم اسلام کی دعوت و تعلیم کی پرسی کی حالت میں پڑی ہوئی تھی، اخلاقِ عالیہ اور زندگی کے بلند اصول پوری منہدن دنیا میں متروک ناقابلِ عمل سمجھ لئے گئے تھے، دولتمندوں کو اپنے تفریحی مشاغل اور تعیشات اس کی فرصت نہ تھی کہ وہ دین یا آخرت کے بارے میں کچھ سوچیں، کاشتکاروں اور محنت کش طبقہ کو اس کے افکار و آلام اور زندگی کے بڑھے ہوئے مطالبات اس کی ہمت نہیں دیتے تھے کہ وہ روز کی خوراک اور ضروریات کے علاوہ کسی اور طرف توجہ کرے، غرض یہ کہ زندگی اور زندگی کے مطالبات نے امیر و غریب سب کو الجھا رکھا تھا، اور اسی میں ہر ایک سرگرداں تھا، زندگی کی چکی اپنی پوری قوت کے ساتھ گردش کر رہی تھی جس کی وجہ سے انھیں مطلق ہمت نہ تھی کہ وہ دین کی طرف توجہ کریں اور روح و قلب کے بارے میں اور انسانیت کی بلند قدروں کے متعلق غور کریں۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۷۶ھ) نے اپنی جلیل القدر تصنیف ”حجتہ اللہ البالغہ“ میں ماقبل اسلام کی اس صورتِ حال کی پوری تصویر کھینچی ہے، وہ فرماتے ہیں:

صدیوں سے آزادانہ حکومت کرتے کرتے اور دنیا کی لذتوں میں نہمک رہنے،
 آخرت کو یکسر بھول جانے اور شیطان کے پورے اثر میں آجانے کی وجہ سے ایرانیوں
 اور رومیوں نے زندگی کی آسائیوں اور سامان میں بڑی موثر شگافی اور نازک خیالی
 پیدا کر لی تھی اور اس میں ہر قسم کی ترقی اور نفاست میں ایک دوسرے سے سبقت
 لے جانے اور فخر کرنے کی کوشش کرتے تھے، دنیا کے مختلف گوشوں سے ان مرکزوں
 میں بڑے بڑے اہل ہنر اور اہل کمال جمع ہو گئے تھے، جو اس سامان آرائش و رآ
 میں نزاکتیں پیدا کرتے تھے اور نئی نئی تراش و تراش نکالتے تھے، ان پر عمل فوراً
 شروع ہو جاتا تھا، اور اس میں برابر اضافے اور تجدید ہوتی رہتی تھیں اور ان باتوں
 پر فخر کیا جاتا تھا، زندگی کا معیار اتنا بلند ہو گیا تھا کہ امرلو میں سے کسی کا ایک لاکھ
 درہم سے کم کا پٹکا باندھنا اور تاج پہننا سخت معیوب تھا، اگر کسی کے پاس
 عالی شان محل، فوارہ، حمام، باغات، خوش خوراک اور تیار جانور خوش روجوں
 اور غلام نہ ہوتے، کھانے میں تکلفات اور لباس و پوشاک میں متجمل نہ ہوتا تو ہم چشموں
 میں اس کی کوئی عزت نہ ہوتی اس کی تفصیل بہت طویل ہے، اپنے ملک کے بادشاہوں
 کا جو حال دیکھتے اور جانتے ہو، اس سے قیاس کر سکتے ہو، یہ تمام تکلفات ان کی زندگی
 اور معاشرت کا جزو بن گئے تھے، اور ان کے دلوں میں اس طرح رچ گئے تھے کہ کسی
 طرح نکل نہیں سکتے تھے، اس کی وجہ سے ایک ایسا علاج مرض پیدا ہو گیا تھا جو
 ان کی پوری شہری زندگی اور ان کے پورے نظام تمدن میں سرایت کر گیا تھا، ایک
 مصیبت عظمیٰ تھی جس سے عام و خاص اور امیر و غریب سب کوئی محفوظ نہیں رہا تھا

لے شاہانِ دہلی اور غل بادشاہوں کی طرف اشارہ ہے۔

ہر شہری پر یہ بوجھ تھا اور امیرانہ زندگی ایسی مسلط ہو گئی تھی جس نے اس کو زندگی سے عاجز کر دیا تھا اور اس کے سر پر غم و افکار کا ایک پہاڑ ہر وقت رکھا رہتا تھا بات یہ تھی کہ یہ تکلفات بیش تر ارقمیں صرف کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے تھے، اور یہ رقبہ اور بے پایاں دولت کا شکاروں، تاجروں اور دوسرے پیشہ وروں پر محصول اور ٹیکس بڑھانے اور ان پر تنگی کے بغیر دستیاب نہیں ہو سکتی تھیں، اگر وہ ان مطالبات کے ادا کرنے سے انکار کرتے تو ان سے جنگ کی جاتی اور ان کو سزا دی جاتی، اور اگر وہ تعمیل کرتے تو ان کو گدھے اور سیلوں کی طرح بنا لیتے جن سے آبپاشی اور کاشت کاری میں کام لیا جاتا اور صرف خدمت کرنے کے لئے ان کو پالا جاتا ہے اور محنت و مشقت ان کو کسی وقت چھٹی نہیں ملتی، اس پر مشقت اور حیوانی زندگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو کسی وقت سہراٹھانے اور رساوتِ اخروی کا خیال بھی کرنے کا موقع اور مہلت نہیں ملتی تھی، بسا اوقات پوئے پوئے ملک میں ایک فرد بشر بھی ایسا نہ ملتا جس کو اپنے دین کی فکر اور اہمیت ہوتی ہے۔

عالمگیر تاریکی

خلاصہ یہ کہ اس ساتویں صدی مسیحی میں روئے زمین پر کوئی قوم ایسی نظر نہیں آتی تھی جو مزاج کے اعتبار سے صالح کہی جاسکے، اور نہ ایسی کوئی سوسائٹی تھی جو شرافت اور اخلاق کی اعلیٰ قدروں کی حامل ہو، نہ ایسی کوئی حکومت تھی جس کی بنیاد عدل و انصاف اور رحم پر ہو، اور نہ ایسی قیادت تھی جو علم و حکمت اپنے ساتھ رکھتی ہو، اور نہ کوئی ایسا صحیح دین تھا

جو انبیاء کرام کی طرف صحیح نسبت رکھتا ہو اور ان کی تعلیمات و خصوصیات کا حامل ہو، اس گھساٹوپ اندھیرے میں کہیں کہیں عبادت گاہوں اور خانقاہوں میں اگر کبھی بھی کچھ روشنی نظر آ جاتی تھی تو اس کی حیثیت ایسی ہی تھی جیسے برسات کی اندھیری رات میں جگنو چمکتا ہے صحیح علم اور صحیح عمل اتنا نایاب تھا، اور خدا کا سیدھا راستہ بتلانے والے اس قدر خال خال پاٹے جاتے تھے کہ ایران کے بلند سمت اور بے چین طبیعت نوجوان سلمان فارسی کو جو اپنے قومی و نسلی مذہب (مجوسیت) سے غیر مطمئن و مایوس ہو چکا تھا، اور حق و صداقت کا جو پاتھا، ایران سے لے کر شام کے آخری حدود تک اپنے طول و طویل سفر میں صرف چار آدمی ایسے مل سکے جن سے اس کی روح کو سکون اور قلب کو اطمینان حاصل ہوا اور جو پیغمبروں کے بتلائے ہوئے راستہ پر قائم تھے۔

اس عالمگیر تاریکی اور فساد کا نقشہ قرآن مجید نے جس طرح کھینچا ہے اس بہتر ممکن نہیں:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ

خوابی پھیل گئی ہے خشکی اور تری میں لوگوں

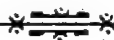
أَيُّدِي النَّاسِ لِيُبْدِيَ لَهُمْ بَعْضَ

کے اعمال کے نتیجے میں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے

الَّذِي عَمِلُوا الْعَمَلَهُمُ بِمَرِئِهِمْ

بعض اعمال کا مزہ چکھا دے اور وہ

(الروم - ۴۱) باز آجائیں۔



اے حضرت سلمان فارسی کی سرگزشت (جو اپنی مسلسل سداور راویوں کی ثقافت و عدالت کی وجہ سے ایک مستند و بیش قیمت تاریخی و شاوہز کی حیثیت رکھتی ہے) مسند امام احمد اور مستدرک حاکم میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

باب دوم

بعثتِ محمدیؐ کے بعد

بعثتِ محمدیؐ

ایسے وقت میں کہ انسانیت پر نزع کا عالم طاری تھا دنیا اپنے تمام ساز و سامان کے ساتھ ہلاکت کے ٹھیب و عمیق غار میں گرنے والی تھی، عین وقت پر اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وحی و رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ اس جاں بلب انسانیت کو نئی زندگی بخشیں اور لوگوں کو تارکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں :-

الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ يَلْعَنُوا النَّاسَ
مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ يَا خَيْرَ رُسُلِهِمْ
إِلَى صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ
(ابراہیم - ۱)

اگر یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے تم پر اتاری
ہے تاکہ تم تمام لوگوں کو ان کے پروردگار
کے حکم سے تارکیوں سے روشنی کی طرف
لاؤ اس خدا کے راستہ کی طرف جو غالب

اور ستودہ صفات ہے۔

آپ نے انسانیت کو صرف ایک بندگی کی دعوت دی اور دنیا کی ساری بندگیوں و غلامیوں سے نجات دی، زندگی کی حقیقی نعمتیں (جن سے انسانوں نے اپنے کو محروم کر دیا تھا) دوبارہ ان کو عطا کیں اور وہ طوق و سلاسل اُن سے جدا کئے جو انھوں نے بلا ضرورت اپنے اوپر ڈال لئے تھے۔

يَا مَعْزُومُ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَهُمُ عَنِ الْكَفْرِ
وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ
الْمُنْجِثَاتِ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ
وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نیکی کا
حکم دیتے ہیں بُرائی سے روکتے ہیں پسندیدہ
چیزیں حلال کرتے ہیں گندی چیزیں حرام
ٹھہراتے ہیں اس بوجھ سے نجات دلاتے ہیں
جس کے تلے وہ دبے ہوئے تھے ان پھنڈوں سے
(الاعراف - ۱۵۷)

نکالتے ہیں جو ان پر پڑے ہوئے تھے۔

آپ کی بعثت نے انسانیت کو نئی زندگی، نئی روشنی، نئی طاقت، نئی حرارت، نیا ایمان،
نیا یقین، نئی نسل، نیا تمدن، نیا معاشرہ عطا کیا، آپ کی آمد سے دنیا کی نئی تاریخ اور انسانیت
کے کام کی عمر شروع ہوتی ہے کہ خود فراموشی و خود کشی میں جو زمانہ گزرا، وہ اعتبار کے قابل نہیں،
اور بینا و نابینا اور زندہ و مردہ ایک پلے میں رکھے نہیں جاسکتے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ وَلَا
الظُّلُمُ وَلَا النُّورُ وَلَا الظِّلُّ وَلَا
الْحَرُّ وَلَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ
(النفاۃ ۱۷۶)

اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں اور
تاریکی اور روشنی اور نہ چھاؤں اور صوبہ
اور زندہ آدمی اور مردہ برابر نہیں ہو سکتے۔

جاہلیت و اسلام کے درمیان جو فاصلہ تھا اس سے بڑا کوئی فاصلہ نہیں لیکن یہ فاصلہ
جس سرعت کے ساتھ طے ہوا دنیا میں اس کی بھی نظیر نہیں دنیا نے آپ کی رہنمائی میں یہ طویل سفر
کس طرح طے کیا؟ اور جاہلیت سے اسلام کی طرف کس طرح پہنچی؟ آئندہ صفحات اسی سوال
کے جواب اور اسی اجمال کی تفصیل کے لئے ہیں۔

جاہلیت پر ایک اجمالی نگاہ

گزشتہ صفحات سے اندازہ ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت

دنیا کی کیفیت بعینہ ایک ایسے مکان کی سی تھی جس کی بنیادیں ایک سخت زلزلے نے ہلا دی تھیں اس کی ہر چیز بے محل اور بے قرینہ تھی، اس عمارت کا ساز و سامان زیر و زبر ہو گیا تھا جو ٹوٹنے پھوٹنے سے بچ رہا تھا، اس کی شکل بگڑ گئی تھی، کہیں کی چیز کہیں پڑی تھی کہیں سامان کا انبار لگ گیا تھا، اور کہیں بالکل جھاڑو پھر گئی تھی، دیکھنے والے کو وہاں ایسا انسان نظر آتا تھا، جس کی نظر میں اپنی ہستی خود خیر تھی، وہ درخت، پتھر اور پانی کی پریش کرنے لگا تھا بلکہ وہ ہر ایسے چیز کو مبسود بنا چکا تھا، وہ اتنا مسخ ہو چکا تھا کہ روزمرہ کی کھلی ہوئی حقیقتوں کے ادراک بھی قاصر تھا، اس کا فکری نظام مختل ہو چکا تھا، اس کے احساس غلط کام کر رہے تھے، اس کے لئے علم نظری بدیہی اور بدیہی نظری بن گیا تھا، یقینی اور قطعی چیزوں میں اس کو شک ہونے لگا تھا اور شکوک و شبہ چیزیں قطعیات یقینیات بن گئی تھیں، اس کا ذوق فاسد ہو گیا تھا، بد ذائقہ چیزیں اس کو خوش ذائقہ اور خوش ذائقہ بد ذائقہ معلوم ہونے لگیں تھیں، اس کا احساس باطل ہو چکا تھا، دوست اور خیر خواہ کے ساتھ اس کی دشمنی اور دشمن اور بد خواہ کے ساتھ اس کی دوستی تھی۔ معاشرے پر نظر ڈالئے تو دنیا ہی کا مرقع نظر آتا ہے، ہر چیز غلط شکل یا غلط جگہ نظر آئے گی، اس معاشرے میں بھیرے گوگلہ کی نگہبانی اور ظالم فریق کو فصل خصومات کا کام سپرد کر دیا گیا تھا، اس سوسائٹی میں مجرم خوش قسمت اور آسودہ تھے، اور نیک سیرت رحمت و کفایت میں مبتلا تھے، اس معاشرے میں اخلاق کی پاکیزگی اور نیک چلنی سے بڑھ کر کوئی جرم اور حماقت اور بد اخلاقی اور بداطواری سے بڑھ کر کوئی ہنس اور قابلیت کی بات نہیں سمجھی جاتی تھی۔

اس معاشرے کے عادات اور اطوار ہلاکت آفرین تھے، جو دنیا کو ہلاکت کے غاڑیں ڈھکیل رہے تھے، شراب نوشی، بستی، بد اخلاقی، جنون، سود خواری، لوٹ کھسوٹ اور مال کی محبت، لواطت اور جوع البقر تک پہنچ گئی تھی، سنگدلی اور بے رحمی اس حد تک پہنچ چکی تھی

کہ لڑکیاں زندہ دفن کر دی جاتی تھیں اور لڑکے بچپن میں قتل کر دیے جاتے تھے بادشاہ اللہ کے مال کو ہاتھ کا میل دلوانے کے بندوں کو خانہ زاد سمجھتے تھے، عالم و درویش خدا بن بیٹھے تھے، لوگوں کا ال کھاتے اڑاتے اور خدا کے راستے سے خدا کے بندوں کو روکنے کے سوا ان کا کچھ مشغلہ نہ تھا۔

جو قلمبستیں انسان کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کی گئی تھیں وہ بڑی بیدردی سے ضائع کی جا رہی تھیں، یا بے محل خرچ ہو رہی تھیں، نہ ان سے فائدہ اٹھایا گیا تھا، اور نہ ان کو صحیح رخ پر لگایا گیا تھا، شجاعت اور بہادری نے ظلم و زبردستی، فیاضی و دریا دلی نے اسراف اور فضول خرچی، خود داری اور غیرت نے جاہلی حسیت، ذہانت و دکانے دھوکہ بازی اور حیلہ سازی کی شکل اختیار کر لی تھی، عقل کا کام صرف اتنا رہ گیا تھا کہ جرائم کے نئے نئے طریقے ایجاد کرے اور خواہش کے تسکین کے لئے نئے نئے راستے پیدا کرے۔

افراد و قیمتی انسانی ذخیرے مدت سے ضائع ہو رہے تھے، وہ ایک ایسا خام مال تھا جس کو کوئی تجربہ کار کاریگر نصیب نہیں ہوا تھا، جو اس سے تمدن کا صحیح ڈھانچہ تیار کرتا، یہ لکڑی کے تختے تھے جو پڑے پڑے گل رہے تھے، کوئی ایسا نہ تھا جو ان کو ہونڈ کر زندگی کا جہاز تیار کر لیتا۔ منظم قوموں کی جگہ بھیڑوں کے چند گئے نظر آتے تھے جن کا کوئی چودا ہا نہ تھا، سیاست شتر پہ ہمار تھی، اور قوت ایک تلوار جو ایک بدست کے ہاتھ پر لگی تھی، جس سے وہ خود اپنے کو اور دوسروں کو زخمی کر رہا تھا۔

جزئی اصلاح کی ناکامی

اس خراب اور ابتر زندگی کا ہر شعبہ مصلح کی پوری زندگی کا طالب تھا، فساد کا ہر گوشہ اس کا ستھ تھا کہ وہ اس کی ساری توجہات کا مرکز بن جائے اور اس کو ایک لمحہ کے لئے بھی فرصت

نہ دے اگر کوئی عام انسان ہوتا جو وحی و نبوت کی ہدایت کے بجائے اپنی عقل یا خواہشات کے کام کرتا تو اس زندگی کے ایک ہی حصہ پر اپنی ساری کوششیں لگا دیتا، اور پوری عمر کو سوسا کے صرف ایک مرض کے ازالہ پر قربان کر دیتا لیکن اس سے کوئی بڑا فائدہ حاصل نہیں کیا جاسکتا تھا اس لئے کہ انسان کی نفسیات کا معاملہ بہت پیچیدہ اور نازک ہے اس میں بہت سے چور و زانیے ہیں اور عجیب عجیب روزن ہیں اس کی اصلی کمزوری اور مرکزی سرے کو پکڑ لینا آسان نہیں جب انسان کا مزاج بگڑ جاتا ہے یا اس میں کجی پیدا ہو جاتی ہے تو اس کے صرف ایک عیب کو دور کرنا اور ایک ہی کمزوری کے پیچھے پڑ جانا کارآمد نہیں اور نہ کسی ایک ہی عیب کو سنوارنا سودمند ہے جب تک اس کا منہ شمر سے پھیر کر خیر کی سمت اور خرابی سے ہٹا کر درستی کی جانب نہ کر دیا جائے اور زندگی میں بگاڑ کی جو جھاڑی اُگ آئی ہے اس کو نہ اکھاڑ پھیکا جائے اور اس کی زمین کو گھاس اور خود رو پودوں سے صاف نہ کر دیا جائے تاکہ نیکی اور خیر کی محبت اور اللہ عز و جل کے خوف کا پودا اس میں بٹھایا جاسکے۔

انسانی معاشرے کی ہر کمزوری اور ہر عیب پوری پوری زندگی کا مطالبہ کرتا ہے بعض وقتاً پوری پوری جماعت کی زندگیاں اس کے مقابلہ میں مصروف کار ہو جاتی ہیں اور اصلاح نہیں ہوتی اگر کسی ملک میں شراب کی لت پڑ گئی ہے اور زندگی کا فلسفہ ہی اس نے نادونش سمجھ لیا ہے تو اس کے منہ لگی شراب چھڑانی آسان نہیں ہے اے نوشی کس بات کا نتیجہ ہے؟ ایک ایسی ذہنیت اور مزاج کا جو مزہ کا عاشق ہے چاہے وہ لذت زہریلی ہو لی ہو بے خودی اور خود فراموشی کا طالب ہے چاہے ہزار گناہ سے خریدی جاسکتی ہو اس افتاد طبعیت اور اس ذہن کو تقریر و تحریر، شراب کے طبی نقصانات کی تفصیل اور سخت سے سخت قوانین اور جرم انوں سے روکا نہیں جاسکتا اس کو صرف عمیق نفسیاتی تبدیلی سے روکا جاسکتا ہے اس کے سوا اگر کوئی اور طریقہ اختیار کیا گیا تو

جرائم دوسرے رنگ میں ظاہر ہوں گے، اور اپنے لئے دوسرے راستے پیدا کر لیں گے۔

پیغمبر اور سیاسی قائد کا فرق

عرب کے ملک میں کام کا بہت وسیع میدان تھا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی قومی رہنمایا منتخب وطن قائد ہوتے اور آپ کا طریقہ سیاسی اور ملکی رہنماؤں جیسا ہوتا تو آپ کے سامنے بہتر صورت یہ تھی کہ آپ عرب کو ایک وطن قرار دے کر عربی قبائل کا ایک اتحاد قائم کرتے اور عرب کی مضبوط طاقتوں سے ایک پختہ اور جنگجو ہلاک بنا لیتے اور ایک عربی ریاست یا جمہوریہ کی بنیاد رکھتے جس کے آپ نہایت آسانی کے ساتھ صدر ہو سکتے تھے ایسی صورت میں ابو جہل عقبہ وغیرہ آپ کے ساتھ پورا اشتراک عمل کرتے اور آپ کو عرب کی قیادت سونپ دیتے کیونکہ ان آپ کی صداقت و امانت کا مشاہدہ تھا، انھوں نے آپ کو مکہ کے سب سے بڑے اختلافی مسئلہ میں حکم بنایا تھا، عقبہ نے قریش کا نمائندہ بن کر آپ کے سامنے عرب کی سرداری کی پیش کش کی تھی اور کہا تھا کہ اگر آپ قیادت چاہتے ہیں تو ہم کو ذرا اختلاف نہیں آپ زندگی بھر ہمارے قائد رہیں گے پھر اگر آپ کو یہ سیاسی مقام حاصل ہو جاتا تو آپ کے لئے ایرانی یا رومی سلطنت پر فوج کشی آسان تھی، آپ عرب کے شہسواروں کے ذریعہ ایران و روم کی سلطنت پر حملہ کر سکتے تھے، اور عجمیوں کو مغلوب کر کے روم و فارس پر عرب کی فتح کا پھر برا اثر ڈال سکتے تھے، یہ کتنا دلکش خواب تھا، اور عربی جذبہ نخوت کی اس میں کیسی تسکین تھی، اور اگر آپ ان دونوں شہنشاہیوں کے بیک وقت برسرِ پیکار ہونا سیاسی دانش کے نفاذ سمجھنے تو ہمیں وحشت پر حملہ کر کے ان کو اپنی نوزائیدہ حکومت میں ملحق کر لینا کچھ مشکل نہ تھا۔

خود عرب میں اتنے اجتماعی، معاشی مسائل موجود تھے جو اعلیٰ سیاسی بصیرت، قومی تنظیم، انتظامی قابلیت اعلیٰ عزیمت کے برسوں سے منظر تھے، ایک بلند پایہ قوی الارادہ رہنما عرب کا

مقامی اصلاح و تنظیم کر کے اس کو دنیا کی بہت بڑی طاقت اور ایک با عظمت ملک بنا سکتا تھا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے مبعوث نہیں ہوئے تھے کہ ایک بگاڑ کو تبدیل کر کے دوسرا بگاڑ اس کی جگہ پر لائیں اور ایک نا انصافی کو مٹا کر دوسری نا انصافی پیدا کریں، ایک چیز کو ایک جگہ ناجائز قرار دیں اور دوسری جگہ اس کو جائز قرار دیں، ایک قوم کی خود غرضی کی مخالفت کریں اور دوسری قوم کی خود غرضی کی ہمت افزائی کریں، آپ ایک وطن پرست لیڈر اور ایک سیاسی قائد بن کر نہیں آئے تھے کہ ایک قوم کو اجاڑ کر دوسری قوم آباد کرتے، دوسری قوم کے زرد و جواہر سے اپنی قوم کا دامن بھرتے اور لوگوں کو روم و فارس کی غلامی سے نکال کر آل عدنان اور اولاد قحطان کی غلامی میں داخل کرتے۔

آپ کا مقصد بعثت دنیا کو جنت کی بشارت اور عذابِ آخرت کی وعید پہنچانا تھا، آپ داعی الی اللہ اور سرِ امیر بن کر آئے تھے کہ ساری دنیا کو روشن کریں، آپ مبعوث فرمائے گئے تھے کہ دنیا کو بندوں کی بندگی سے نکال کر صرف خدا کی بندگی میں داخل کریں، تمام لوگوں کو مادی زندگی کی کال کو ٹھہری سے نکال کر دنیا و آخرت کی وسعتوں میں پہنچادیں، مذاہبِ ادیان کی نا انصافیوں اور زیادتیوں سے نجات دے کر اسلام کے انصاف سے متمتع ہونے کا موقع دیں، آپ کا کام نیکی کی ترغیب، مینا بادی سے منع کرنا، فساد و پاک چیزوں کو حلال، گندی و ناپاک چیزوں کو حرام قرار دینا اور ان بندشوں اور پٹیوں کو توڑنا تھا، جو انسانوں نے اپنی نادانی سے یا مذاہب اور حکومتوں نے اپنی زبردستی سے لوگوں کے پاؤں میں ڈال رکھی تھیں۔

اسی لئے آپ کے مخاطب صرف ایک قوم یا ایک ملک کے باشندے نہ تھے، آپ کا خطاب تمام انسانوں اور پورے انسانی ضمیر سے تھا، عرب قوم اپنی حد سے بڑھی ہوئی پسماندگی اور اخلاقی پستی کی وجہ سے ضرور اس کی مستحق تھی کہ آپ کی تہم وہیں سے شروع ہوا اور کارِ نبوت کا

افتتاح بھی اسی قوم میں ہوا، اُمّ القریٰ (مرکزِ عالم، مکہ) اور جزیرہ نمائے عرب اپنے جغرافیائی جائے وقوع، سیاسی آزادی کی وجہ سے آپ کی جدوجہد کے لئے بہتر مرکز تھے اور عربی قوم اپنی نفسیاتی خصوصیتاً اور اخلاقی امتیازات کی وجہ سے آپ کے پیغام کی بہترین سفیر اور آپ کی دعوت کی موزوں ترین قاصدین سکتی تھی۔

آپ ان مصلحین میں نہ تھے، جو اپنی قوم یا اپنے زمانے کی چند اجتماعی کمزوریوں یا اخلاقی خرابیوں کے مٹانے کے درپے ہوتے ہیں، اور وقتی طور پر ان عیوب کے ازالے میں کامیاب ہوتے ہیں، یا اس دنیا سے ناکام سدھار جاتے ہیں۔

انسانیت کی صحیح گرہ کشائی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رہنمائی سے دعوت و اصلاح کا کام اس کے

لے گا، نہ ہی جی نے اپنی سیاسی اور روحانی زندگی کی ابتدا سے دوزبردست اصولوں کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا اور ان دنوں پر اپنی وہ تمام طاقتیں ذہنی و علمی صلاحیتیں اور وہ تمام وسائل خرچ کر دیئے جو اس زمانے میں کم لوگوں کو چھل ہو گئے، پہلا اصول عدم تشدد تھا جس کی طرف انھوں نے ایک مستقل مذہب و فلسفہ کی حیثیت سے دعوت دی اور اس کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی، مگر چونکہ یہ طریقہ نفسیاتی تبدیلی اور دین کی بنیادی دعوت کے طریقے سے جدا تھا اس لئے ان کی دعوت کے وہ گہری تبدیلی اور تازہ پیدا نہیں کیا جو انبیاء اپنی قوموں میں پیدا کر جاتے ہیں، انھوں نے خود اپنی آنکھوں سے ہندوستان کا وہ ہونا نکال فرمایا کہ انہوں نے ان اصول عدم تشدد کو بڑی طرح پامال کیا گیا اور بدترین تشدد کا بدترین مظاہر ہوا یہ واقعہ گاندھی جی کے لئے سخت دل شکن اور سوہان روح بنے، بالآخر ان کو خود تشدد کا شکار ہونا پڑا جس کے خلاف ساری عمر انھوں نے ملحقین کی تھی، دوسرا اصول چھوٹا بچہ کا ترک تھا، اس میں بھی کوئی خاص کامیابی نہ ہو سکی، یحزائی اس بات کی روشن دلیل ہیں کہ انبیاء کرام کا طریقہ ہی صحیح اور نتیجہ خیز طریقہ ہے اور وہی کامیابی کا راستہ ہے۔

صحیح راستہ سے شروع کیا، آپ نے طبیعت انسانی کے قفل میں ٹھیک چابی لگائی، یہ وہ قفل تھا جس کے کھولنے میں اپنے وقت کے تمام مصلحین ناکام رہے تھے، آپ نے لوگوں کو سب سے پہلے اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی اور مہمودانِ باطل کے انکار کی تلقین فرمائی اور طاعت (خدا کے سوا ہر ہستی جس کی عبادت و اطاعت مطلق کی جائے) کی نافرمانی کی ہدایت فرمائی، لوگوں میں کھڑے ہو کر آپ نے باواز بلند فرمایا: **يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَقْلَعُوا** لوگو! کہو کہ اللہ کے سوا کوئی قابلِ عبادت نہیں، کامیاب ہو گے۔

جاہلیت اسلام کے مقابلہ پر

جاہلی معاشرے نے اس دعوت اور اس کے مقاصد کے سمجھنے میں غلطی نہیں کی اور اس میں اس کو کچھ سچیدگی محسوس نہیں ہوئی جیسے ہی آپ کی آواز سے سننے والوں کے کان آشنا ہوئے وہ اچھی طرح سمجھ گئے کہ یہ دعوت ایسا تیر ہے جو جاہلیت کے نشانہ پر بیٹھ جائے گا اور جگر کے پار ہو جائے گا، خطرہ کے اس احساس سے جاہلیت کے کردہاؤ میں بال پیدا ہوا، جاہلیت کے سوا جاہلیت کے آخری مور کے لیے میدان میں کیل کانٹے سے لیں، مگر اتر آئے۔

وَانْظُرْ إِلَى الْمَلَأِ مِنْهُمْ أَنِ اشْتَوْا
وَأَصْبِرْ دَاعِيَ إِلَى الْإِسْلَامِ إِنَّ هَذَا
شَيْءٌ يُبَادُّهُ (ص ۶) کوئی سوچی سمجھی چیز معلوم ہوتی ہے۔

اس زندگی کے ہر رکن نے صاف محسوس کیا کہ جاہلی تہذیب کی عمارت متزلزل ہے اور پورا نظام زندگی خطرے میں ہے، اس موقع پر سختی و باؤ ظلم و زیادتی کے وہ لرزہ خیز واقعات پیش آئے جو تاریخ اسلام میں محفوظ ہیں، یہ اس بات کی علامت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے جاہلیت پرزدگانے کے لئے بالکل صحیح جگہ کا انتخاب کیا اور آپ کا تیر نشانہ صحیح بیٹھا
 آپ نے جاہلیت کی شہرہ رگ پر وار کیا جس سے جاہلیت تمللا اٹھی اور سارا عرب جو جاہلیت کا
 شاید سب سے بڑا قلعہ تھا، اڑنے کے لئے اُگیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعوت پر پراگندہ طرح
 جے رہے، مخالفت کے طوفان اٹھے، فتنہ کی آندھیاں آئیں اور نکل گئیں، مگر آپ نے اپنی جگہ
 سے ذرا جنبش نہ کی، آپ نے اپنے چچا سے صاف کہہ دیا: میرے چچا اگر میرے ایک ہاتھ میں
 سو سونے اور دوسرے پرچا نہ بھی رکھ دیا جائے تو بھی میں اس کام کو چھوڑ نہیں سکتا، یہاں تک کہ
 یا اللہ تعالیٰ اس کو کامیاب کرے یا میں کام آجاؤں!

آپ یکم تیرہ سال تک مقیم رہے، مسلسل توحید و رسالت، آخرت پر یقین کی دعوت
 پوری صراحت کے ساتھ دیتے رہے، آپ نے اس کے لئے ذرا بھی ہیر پھیر کا راستہ اختیار نہیں کیا،
 نہ مخالفوں کی ادنیٰ رعایت کی، نہ وقت کی مصلحت کے لئے اپنی دعوت میں لوچ اور چمک
 گوارا کی، اسی دعوت کو ہر مرض کی دوا، اور ہر بند قفل کی کنجی سمجھا، اور ایک لمحہ کے لئے بھی آپ کو
 اس کے بارے میں ادنیٰ تذبذب بھی نہیں ہوا۔

اولین مسلمان

قریش نے اس دعوت کے مقابلہ میں گھٹنے ٹیک دیئے اور جاہلیت کے جھنڈے کے نیچے
 آپ کے مقابلہ پر آگئے اور انھوں نے تمام ملک میں آپ کے خلاف آگ لگا دی اور اسلام کا
 راستہ روک کر کھڑے ہو گئے، اب آپ پر ایمان لانا اسی شیر دل مرد کا کام تھا جو موت سے
 نہ ڈرتا ہو، جو اپنے عقیدہ اور یقین کے لئے آگ میں کودنے اور انگاروں پر لوٹنے کے لئے تیار ہو

جو دنیا کی تمام تر غیبات سے منہ موڑ چکا ہو اور ساری دنیا سے رشتہ توڑ چکا ہو، قریش کے چند
 جواں مرد آگے بڑھے، یہ غلبت کا فیصلہ اور نوجوانی کا اقدام نہ تھا، وہ سمجھتے تھے کہ وہ اپنی
 زندگی کو خطرے میں ڈال رہے ہیں اور زندگی کے دروازے اپنے لئے بند کر رہے ہیں کوئی
 دنیاوی ترغیب یا لالچ اس کی محرک نہ تھی کہ اس فیصلہ سے صرف خطرات کا دروازہ کھلتا
 تھا، اور ہر طرح کے دنیاوی فوائد اور راحت کے دروازے بند ہوتے تھے، یہاں صرف
 یقین کی ایک طاقت تھی اور آخرت کی لالچ تھی، انھوں نے ایمان کی طرف بلانے والوں
 کو پکارتے سن پایا تھا کہ اپنے پروردگار پر ایمان لے آؤ، یہ پکار سننے ہی زمین ان پر تنگ
 ہو گئی، طبیعتیں بھینچنے لگیں، زانوؤں کی نیند اٹو گئی، نرم بستر کانٹوں کی طرح چھینے لگے،
 انھوں نے دیکھا اللہ و رسول پر ایمان لانا اور اپنے یقین کا ساتھ دینا ان کے لئے
 ضروری ہو گیا ہے، وہ دل و دماغ کے فیصلہ اور اپنے یقین کی مخالفت کے خوش نہیں
 رہ سکتے تھے، حقیقت ان پر ظاہر ہو چکی تھی، وہ اس حقیقت کو ٹال نہیں سکتے تھے حیوانی
 زندگی سے ان کا دل اُچاٹ ہو گیا تھا، وہ اس کو اس میں دوبارہ بھنسا نہیں سکتے تھے،
 ایک کاٹا تھا جو ان کے دل میں چھب رہا تھا، وہ اس کا نئے کو پال نہیں سکتے تھے آخر انھوں نے
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے اور اسلام لانے کا فیصلہ کر لیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم ان کے شہر کے محلہ میں تھے، چند گز کا فاصلہ اگر قریش نے آپ کو اتنا دور کر دیا تھا،
 اور راستہ اتنا پر خطر بنا دیا تھا کہ آپ تک پہنچنا ایک دُور دراز اور نہایت خطرناک سفر تھا،
 شام و یمن کو تجارتی قافلہ لے جانا اور عرب کے رہزنوں سے بچ کر نکل جانا اتنا مشکل نہ تھا،
 جتنا کہ کے اندر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنا اور آپ سے ملنا مشکل تھا، لیکن
 وہ آپ تک پہنچے، آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا اور اپنی زندگی آپ کے حوالے کر دی ان کو زندگی کا

خطرہ تھا، اور آزمائشوں و مشکلات کا یقین تھا، مگر انھوں نے قرآن کی یہ آیت سنی تھی :-

أَحِبِّ النَّاسَ أَنْ يُتْرَكَ أَنْ يُقُولُوا
إِمْنَا وَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ۚ وَلَقَدْ فْتَنَّا
الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلْيَعْلَمَنَّ اللَّهُ
الَّذِينَ صَدَقُوا وَلْيَعْلَمَنَّ الْكَذِبُ
(العنکبوت - ۳۰۲)

کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ یہ کہہ کر
چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی
آزمائش نہ ہوگی ہم نے تو ان سے پہلے
لوگوں کو خوب آزمایا ہے اللہ تعالیٰ ان
لوگوں کو ضرور جان لے گا جو سچے ہیں اور
وہ جھوٹوں کو ضرور معلوم کرے گا۔

اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی سنا تھا کہ :-

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ
وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ
قَبْلِكُمْ مَسْتَهْزِئِينَ ۚ وَالصَّافَّاءُ
وَزُلْزِلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ
وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نُفْرَدُكَ
الْآيَاتِ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ۚ
(البقرہ - ۲۱۴)

کیا تم نے سمجھ رکھا ہے کہ جنت میں یوں ہی
داخل ہو جاؤ گے اور تم پر وہ حالات
نہیں گزریں گے جو پہلے گزر چکے ان کو
مصیبت اور نقصانات کا سابقہ پڑا اور
وہ ہلا کر رکھ دیئے گئے حتیٰ کہ رسول اور
ان کے ساتھ کے ایمان لانے والے کہنے لگے
کہ دوائے کی معلوم ہو کہ مریض قریب ہے۔

آخر وہی پیش آیا جس کی قریش سے توقع تھی، قریش نے اپنا ترکش ان بے بسوں پر
خالی کر دیا اور سب تیر آڑے گر ان کی سختی اور یقین بڑھنا ہی گیا: اور کہنے لگے اسی کا تو
ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا
اور اس نے ان کے ایمان اور شہرہ کی میں اضافہ ہی کیا "ان آزمائشوں اور ابتلاؤں سے ان

عقیدہ میں مزید پختگی ان کے یقین میں استحکام، ان کے دینی احساس میں ترقی اور ان کے ایمان میں لذت و صلاوت پیدا ہوئی، ان کی طبیعتوں میں نکھار پیدا ہوا اور وہ اس پختگی سے کمر اسوا بن کر نکلے۔

صحابہ کرامؓ کی ایمانی تربیت

اس کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو قرآن کی روحانی غذا پہنچا رہے تھے اور ایمان کے ذریعہ ان کی تربیت فرما رہے تھے، اور آپ ان کو طہارتِ بدنی و شمعِ قلبی خصوصاً جسمانی اور حاضر دماغی کے ساتھ دن میں پانچ بار نماز پڑھانے لیا، عین کے حضور میں جھکتے ان میں روز بروز روحانیت کی بلندی قلب کی صفائی، اخلاقی ستھرائی، مادی گرفت سے آزاد کیا اور خواہشات کی اتباع سے چھٹکارا حاصل ہو رہا تھا اور مالکِ ارض و سما کا عشق اور شوق بڑھ رہا تھا، آپ ان کو تکلیف میں مبرا اور درگزر اور ضبط نفس کی تلقین فرماتے تھے، والدائی ان کے خمیر میں داخل تھی، تلوار سے ان کا ازلی رشتہ تھا، وہ لوگ اس قوم سے تھے، جس کی تاریخ بتوس و داحس وغیرہ کی فوہیں داستانوں سے پڑے، یوم الفجار کو ابھی زیادہ دن نہیں گزرے تھے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان جنگی سرشت انسانوں کو نکھارے ہوئے تھے اور ان کی عربی نخوت کو ایمان کی طاقت سے دبائے ہوئے تھے، آپ ان سے کہتے (اپنے ہاتھوں کو روکے رہو اور نماز قائم کرو) وہ آپ کے حکم سے موم ہو گئے تھے، بغیر ادنیٰ بڑبڑائی کے انھوں نے اپنے ہاتھوں کو روک لیا وہ سب برداشت کر رہے تھے، جو دنیا کی کسی قوم نے برداشت نہیں کیا، تاریخ نے ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کیا جس میں کسی مسلمان نے اپنے نفس کی طرف سے مداخلت کی ہو اور جوابی یا انتقامی کارروائی کی ہو، ضبط و تحمل کی یہ انتہائی مثال ہے جو ہمیں کسی جماعت کی تاریخ میں نہیں ملتی ہے۔

مدینۃ الرسول میں

قریش جب حد سے بڑھ گئے اور پانی سر سے اونچا ہو گیا، تو اللہ نے اپنے رسول کو اور آپ کے اصحاب کو ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی یہ لوگ یشرب کو ہجرت کر گئے، اسلام اللہ سے بھی پہلے یشرب پہنچ چکا تھا۔

(اہل مکہ یشرب والوں سے خوب گھل مل گئے، حالانکہ ان کے درمیان کی کڑی صرف یہ نیاز مذہب تھا، تاریخ نے دین کی طاقت و اثر کا یہ انوکھا منظر پیش کیا، اوس و خزرج نے جنگ بعثت سے ابھی دامن بھی نہ جھاڑا تھا، اور ان کی خون آشام تلواروں سے ابھی تک خون ٹپک رہا تھا، ایسے حالات میں اسلام نے دلوں میں الفت و محبت پیدا کی، اس مصالحت کے لئے اگر کوئی شخص پوری دنیا کا خزانہ خرچ کر دیتا تو بھی اس کی طاقت سے باہر تھی، نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انصار و مہاجرین کے درمیان بھائی چارہ کرایا، ایسا بھائی چارہ جس کے سامنے سگے بھائیوں کی محبت گرد اور دنیا کی ساری دوستیاں بے حقیقت تھیں، تاریخ میں ایسی محبت و خلوص کی مثال نہیں ملتی۔

یہ نوزائیدہ جماعت جو مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ پر مشتمل تھی، ایک عظیم شان اسلامی امت کی اساس اور اسلام کا سر بانی تھی، اس جماعت کا ظہور ایسی کٹھن گھڑی میں ہوا جب کہ دنیا موت و زندگی کی کش مکش میں مبتلا تھی، اس جماعت نے اگر اس کی زندگی کا پلر اچھکا دیا اور ان تمام خطرات کو دور کر دیا جو اس کو درپیش تھے، اس جماعت کا ظہور پھر اس کا استحکام انسانیت کی بقا کے لئے ضروری تھا، اسی لئے جب اللہ تعالیٰ نے انصار و مہاجرین کی اخوت و محبت پر زور دیا تو فرمایا (اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ و فساد برپا ہوگا۔)

صحابہ کرامؓ کی ایمانی تکمیل

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی میں صحابہ کرامؓ کی ایمانی تربیت و تکمیل کا سلسلہ جاری رہا، قرآن برابر ان کے قلوب کو طاقت اور گرمی بخشتا رہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس سے ان کو استحکام، خواہشاتِ نفس پر قابو، رضائے الہی کی سچی طلب و اس کی راہ میں اپنے کو ملانے کی عادت، جنت سے عشق، علم کی حرص، دین کی سمجھ اور احتسابِ نفس کی دولت حاصل ہوئی، وہ لوگ حسی و سستی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے جس حال میں ہوتے خدا کی راہ میں اٹھ کھڑے ہوتے، یہ لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی معیت میں دس سال کے اندر تائیس بار جہاد کے لئے نکلے اور آپ کے حکم سے شو مرتبہ سے زائد کمر بستہ ہو کر میدانِ جنگ کی طرف گئے، ان کے لئے دنیا سے بے تعلقی آسان بن گئی تھی، اہل و عیال کے مصائب برداشت کرنے کے عادی بن گئے تھے، قرآن کی آیات وہ بے شمار احکام لائیں جو ان کے لئے پہلے سے مانوس نہ تھے، نفس و مال، اولاد و خاندان کے بارے میں احکام نازل ہوئے جن کی تعمیل کچھ سہی کھیل نہ تھی، لیکن خدا اور رسول کی ہر بات ماننے کی عادت پڑ گئی تھی، شرک و کفر کی گتھی جب ٹل گئی تو ساری گتھیاں ہاتھ لگاتے ہی سلجھ گئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ان کے ایمان کے لئے کوشش فرمائی، پھر ہر امر و نہی اور ہر نئے حکم کے لئے مستقل کوشش اور جدوجہد کی ضرورت نہ رہی، اسلام و جاہلیت کے پہلے معرکہ میں اسلام نے جاہلیت پر فتح حاصل کر لی، پھر تو ہر موقع کے لئے ہر مرتبہ نئے معرکہ کی ضرورت باقی نہ رہی، وہ لوگ مع اپنے قلوب کے مع اپنے ہاتھ پاؤں کے مع اپنی ردحوں کے اسلام کے دامن میں آ گئے، ان پر جب حق واضح ہو گیا تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کوئی کشاکش باقی نہ رہی، آپ کے فیصلہ پر ان کو کبھی ذہنی

یا قلبی کش مکش پیش نہ آتی جس بات کا آپ فیصلہ فرماتے ذرا اختلاف کی گنجائش باقی نہ رہتی، یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے روبرو اپنے چھپے قصوروں کا اقرار کیا اور اگر کسی گناہ میں مبتلا ہو گئے تو اپنے جسموں کو حدود اور سزاؤں کے لئے پیش کر دیا، شراب کی حرمت کا نزول ہوا ہے تو چھلکتے ہوئے جام تھیلیوں پر تھے، اللہ کا حکم ان کے بھر پکے ہوئے جگر آلودہ لبوں اور شراب کے پیالوں کے درمیان حائل ہو گیا، پھر کیا تھا ہاتھ کو ہمت نہ تھی کہ اوپر کو اٹھ سکے، لبوں کی تمنائیں وہیں خشک ہو گئیں، شراب کے برتن توڑ دیئے گئے اور شراب مدینہ کی گلیوں اور نالیوں میں بہہ رہی تھی۔

جب شیطان کے اثرات ان کے نفوس سے دھل گئے، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ جہان کے نفوس کے اثرات ان کے نفوس سے زائل ہو گئے، انسانیّت کا خاتمہ ہو گیا اور وہ لوگ اپنے نفوس سے دیباہی برباد کرنے لگے جیسا کہ وہ دوسرے سے کرتے تھے، دنیا میں رہتے ہوئے مردانِ اخوت اور نقد سودے کے بازار میں اخوت کے قرض کو دنیا کے نقد پر ترجیح دینے والے بن گئے، نہ کسی مصیبت سے گھبراتے نہ کسی نعمت پر اترتے، فقر ان کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکتا، دولت سرکشی پیدا نہ کر سکتی، تجارت غافل نہ کرتی، کسی طاقت سے نہ دبتے، اللہ کی زمین پر اکرانے کا خیال بھی نہ آتا، بگاڑ اور تخریب کا وہم بھی نہ ہو سکتا، لوگوں کے لئے وہ میزانِ عدل تھے، وہ انصاف کے علمبردار تھے، اللہ تعالیٰ کے گواہ تھے، خواہ ان کو اپنے نفس کے خلاف گواہی دینی پڑے خواہ والدین اور اعزہ کے مخالف جانا پڑے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی زمین کو ان کے قدموں میں ڈال دیا، اور دنیا کو ان کے لئے مسخر کر دیا، وہ اس وقت عالم کے محافظ اور اللہ کے دین کے داعی بن گئے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کو اپنا جانشین بنایا، اور آپ خود ٹھنڈی آنکھوں کے ساتھ رسالت اور امت کی طرف سے اطمینان کے رفیقِ اعلیٰ کی طرف سفر کر گئے۔

تاریخ کا عظیم ترین انقلاب اور اس کے اسباب

مسلمانوں کی طبیعتوں کا یہ زبردست انقلاب جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دست مبارک پر انجام پایا اور مسلمانوں کے ذریعے سے انسانی معاشرہ میں پیش آیا، انسانی تاریخ کا ایک نوکھا واقعہ تھا، اس انقلاب کی ہر چیز زبانی اور آنکھیں تھیں، اس کی سرعت اس کا عمق، اس کی وسعت وہمہ گیری، اس کی وضاحت اور فہم انسانی سے قرب یہ سب اس بحر العقول واقعہ کے زلے پہلو تھے، یہ انقلاب دوسرے خارق عادات واقعات کی طرح کوئی پیچیدہ مسئلہ یا ناقابل فہم مہم نہ تھا، علمی طریقے سے اس انقلاب کی تحقیقات کیجئے تاریخ انسانی اور معاشرہ انسانی میں اس کے اثرات کا مطالعہ کیجئے۔

ایمان اور اس کے اثرات

تمام لوگ خواہ عرب ہوں یا عجمی نہایت مسخ شدہ زندگی گزار رہے تھے، ہر وہ ہستی جو ان کے لئے وجود میں لائی گئی تھی، اور جو ان کے تصرفات کے تابع تھی، امر و نہی، سزا و جزا کی طاقت سے محروم تھی، اس کی وہ پرستش کرنے لگے تھے، وہ بالکل ایک سطحی اور اٹھلی مذہبیت رکھتے تھے، جس کا زندگی میں کوئی اثر اور ان کے طبائع اور ارواح اور قلوب پر کوئی اقتدار نہ تھا۔ اخلاق و معاشرت اس مذہبیت سے ذرا متاثر نہ تھے، اللہ تعالیٰ کی ہستی ان کی نگاہوں میں ایسی تھی جیسا کہ ایک کاریگر اپنا کام پورا کر کے کنارہ کش اور گوشہ نشین ہو گیا ہو، ان کے خیال میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مملکت ان لوگوں کے حوالے کر دی تھی جن کو اس نے خلعت ربوبیت سے سرفراز کیا تھا، اب وہ حکومت پر قابض اور سیاہ و سفید کے مالک تھے،

غذا کی تقسیم، ملک کا نظم و نسق اُن لے اختیار میں تھا، غرض ایک منظم حکومت کے جتنے شعبے اور محکمے ہوتے ہیں وہ سب ان کے انتظام میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ پر اُن کا ایمان ایک تاریخی واقعیت سے زیادہ نہ تھا، اللہ کو پروردگار سمجھنا اس کو زمین و آسمان کا خالق ماننا ایسا ہی تھا جیسے تاریخ کے کسی طالب علم سے پوچھا جائے کہ یہ قدیم عمارت کس کی تعمیر ہے؟ وہ جواب دے کہ فلاں بادشاہ کی! اس بادشاہ کے نام سے اس کے قلب پر خوت و ہراس کی کوئی لہر نہ دوڑے نہ اس کے دماغ پر کوئی اثر پڑے، ان لوگوں کا دل اللہ تعالیٰ کے خوف اور تعزیر و دعا سے خالی تھا، اللہ کی صفات سے وہ بالکل بے خبر تھے، اس لئے ان کے دل میں اس کی محبت کا کوئی جذبہ اور اس کی عظمت و کبریائی کا کوئی نقش نہ تھا، اللہ تعالیٰ کے متعلق ان کو بہت مبہم فہم تھا اور عامیانہ سا علم تھا، جس میں کوئی گہرائی اور قوت نہ تھی۔

یونانی فلسفہ نے خدائے تعالیٰ کی ذات کے تعارف کے سلسلہ میں زیادہ تر نفی سے کام لیا، اس نے صفات کی نفی کی اور نفی کا ایک طویل سلسلہ قائم کیا، جس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی مثبت تعریف اور کوئی ایجابی صفت نہیں ہے، نہ اس کی قدرت کا ذکر آتا ہے نہ اس کا ربوبیت، اس کی بے پایاں بخشش، اس کی محبت و رحمت کا تذکرہ ہے، اس فلسفہ نے خلقِ اول کو تو ثابت کیا تھا، لیکن علم و اختیار و ارادہ اور صفات کی نفی کی اور اپنی طرف سے ایسے کلیات و اصول وضع کئے جو اس ذاتِ عالی کی تنقیص اور مخلوقات پر قیاس تھا، اور ظاہر ہے کہ اگر سیکڑوں نفی ہو جائیں تو ایک ایجاب کا بھی فائدہ نہیں دے سکتے۔

ہمارے علم میں آج تک ایسا کوئی نظام، ایسا کوئی تمدن اور ایسی کوئی سوسائٹی وجود میں نہیں آئی جو محض نفی پر قائم ہو، یونانی فلسفہ کے حلقہ اثر میں دین و مذہب، خشوع و تقویٰ،

حوادث میں رب العالمین کی طرف توجہ قلبی، محبت و الفت کی روح سے یکسر خالی تھا، اسی طرح اس دور کی مذہبیت روح کھوٹھی اور صرف چند بے روح رسمیں اور ایمان کی بے جان نقلیں دنیا میں رہ گئیں۔

مسلمان امت اور عرب قوم اس بیمار، غیر واضح اور بے جان معرفت سے نکل کر ایک ایسے واضح اور عین عقیدہ تک پہنچ گئی جو قلب و نفس و جوارح پر قابو یافتہ تھا، معاشرت کو متاثر کرنے والا زندگی اور تعلقات زندگی پر حاوی تھا، وہ لوگ اس خدائے قدوس پر ایمان لائے جس کے بہترین نام ہیں جس کی شان سب کا اونچی ہے، وہ لوگ ایسے رب العالمین پر ایمان لائے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے، قیامت کے دن کاتھنا، الگ و مختار شہنشاہ پاک ہے:-

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ	وہ ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی اور
عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ	معبود نہیں، وہ جاننے والا ہے پوشیدہ
هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ هُوَ اللَّهُ	چیزوں کا اور ظاہر چیزوں کا وہی بڑا
الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ	مہربان رحم والا ہے وہ ایسا معبود ہے کہ
السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُتَعَزِّزُ	اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں وہ بادرشا
الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَنَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ	ہے پاک ہے، عالم ہے امن دینے والا ہے،
يُشْرِكُونَ هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ	نگہبانی کرنے والا ہے، زبردست ہے، خدائی کا
الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ	درست کرنے والا ہے، بڑی عظمت والا
الْحُسَى يُسَمَّى لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ	ہے، اللہ تعالیٰ لوگوں کے شرک سے پاک ہے
وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ	وہ معبود ہے پیدا کرنے والا ہے، ٹھیک
(اعشر - ۲۲ تا ۲۷)	ٹھیک بنانے والا ہے، معبود بنانے والا ہے

اس کے اچھے اچھے نام ہیں سب چیزیں
اسی کی تسبیح کرتی ہیں جو آسمانوں میں
اور زمین میں ہیں اور وہی زبردست
حکمت والا ہے۔

جو اس کا رخاۂ عالم کا پیدا کرنے والا بھی ہے اور چلنے والا بھی جس کے قبضہ قدرت
میں تمام عالم کی باگ ڈور ہے جو پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا
جنت اس کا انعام ہے اور دوزخ اس کی سزا جب کہ کے لئے چاہتا ہے رزق میں کشائش کر کے
اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے آسمان و زمین کی تمام پوشیدہ اشیاء سے واقف ہے
آنکھوں کی چوریوں اور دلوں کے سراغ خوب جانتا ہے جو سراپا جال، سراپا جلال ہر ایک کمال
اور محبت و رحمت ہے۔

اس گہرے وسیع اور واضح ایمان سے ان لوگوں کی نفسیات عجیب طرح تبدیل
ہو گئیں، جب بھی کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا اور لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی گواہی دیتا
اس کی زندگی میں عظیم الشان انقلاب رونما ہوتا، ایمان اس میں پیوست ہو جاتا یقین
رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتا اور اس کے جسم میں خون و روح کی طرح دوڑ جاتا جاہلیت
کے جراثیم کو ختم کر دیتا اور اس کی جڑوں کو اکھاڑ کے پھینک دیتا، دل و دماغ اس کے
فیضان سے معمور ہو جاتے اور وہ شخص پہلا آدمی باقی نہ رہتا، اس شخص سے صبر و شجاعت
ایمان و یقین کے ایسے حیرت انگیز واقعات رونما ہوتے ہیں کہ عقل و نگ رہ جاتی ہے او
فلسفہ و تاریخ اخلاق انگشت بندہاں ہیں قوت ایمان کے سوا کسی اور چیز سے اس کی
توجیہ نہیں ہو سکتی۔

احتساب نفس اور ملامتِ ضمیر

یہ ایمان ایک کامیاب خلاقی مدرسہ اور نفسیاتی تربیت بختمی جو طالب علم کو اعلیٰ درجہ کی قوتِ ارادی محاسبہ نفس اور خود اپنے ساتھ انصاف کی قوت عطا کرتی تاریخ میں کسی دوسری طاقت کا سراغ نہیں ملتا جو نفس کے ترغیبات اور اخلاقی لغزشوں پر اس کامیابی کے ساتھ فتح حاصل کر لیتی۔

اگر کسی وقت صفتِ سہمی زور کرتی اور انسان سے غلطی سرزد ہو جاتی اور یہ ایسا موقع ہو تا جب کوئی آنکھ دیکھنے والی نہ ہوتی اور وہ شخص قانون کی دسترس سے باہر ہوتا تو یہی ایمان نفس کو امن بن جاتا، دل کی پھانس چین نہ لینے دیتی پریشان کن خیالات کا سیلاب امن نہ لگتا، اس گناہ کی یادیں چین حرام ہو جاتا، حتیٰ کہ وہ شخص خود قانون کے سامنے اقاربِ جرم کرتا اور سخت سے سخت سزا کے لئے اپنے کو پیش کر دیتا اور پھر اس سزا کو برضا و رغبت جھیلتا تاکہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچ سکے اور آخرت کی جگہ دنیا کی سزا لے۔

ہمارے سامنے معتبر مؤرخین نے اس سلسلہ میں اسلامی تاریخ کے ایسے عجیب و غریب واقعات پیش کئے ہیں جن کی نظیر اسلام کی دینی تاریخ کے علاوہ کہیں نہیں مل سکتی، ان ہی واقعات میں سے ماعز بن مالک سلمیٰ کا واقعہ بھی ہے جس کو امام مسلم نے اپنی جامع صحیح میں نقل کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ حاضر ہوئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ مجھ سے خطا ہوئی ہے، میں زنا کا مرتکب ہو گیا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھ کو پاک کروادیں آپ نے ان کو واپس کر دیا، دوسرے دن وہ پھر آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ میں زنا کا مجرم ہوں آپ نے دوبارہ پھر واپس کر دیا، اور ان کے گھرانے سے دریافت کرایا کہ ان کی سچ میں کسی قسم کی

کوئی خرابی تو نہیں یا کوئی عادت کے خلاف بات تو نہیں پائی جاتی، انھوں نے جواب دیا کہ ہم تو صرف اسی قدر جانتے ہیں کہ وہ سمجھ دار اور اچھے خاصے آدمی ہیں پھر تیسری بار ماعربن مالک آئے، آپ نے دوبارہ دریافت کرایا جواب کیاں ملا، چوتھی بار جب وہ آئے تو آپ نے نصف دفن کروا کر نگسلہ کر دینے کا حکم دیا۔

اس کے بعد غامدیہ اُمیں کہنے لگیں یا رسول اللہ! مجھ سے زنا کی غلطی سرزد ہو گئی ہے، طاہر کروا دیجئے، آپ نے ان کو واپس کروا دیا، دوسرے روز پھر اُمیں اور کہنے لگیں ”آپ ہمیں کیوں واپس کرتے ہیں شاید اسی طرح جس طرح کہ ماعرب کو واپس کرتے تھے، ہاں میں حال بھی ہوں“ آپ نے فرمایا تو پھر جاؤ جب ولادت ہو جائے تو آنا، ولادت سے جب فانیغ ہوئیں تو پھر اُمیں لڑکا کپڑے میں لپیٹا ہوا تھا، کہنے لگیں یہ میرا بچہ ہے، آپ نے فرمایا جاؤ دودھ پلاؤ جب کچھ کھانے لگے تو لانا جب دودھ چھڑایا تو پھر اُمیں لڑکے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا، کہنے لگیں اے اللہ کے نبی لیجئے میں دودھ پلانے سے بھی فانیغ ہو گئی اور یہ کھانا بھی کھانے لگا، آپ نے لڑکا ایک مسلمان کے سپرد کیا، حد قائم کرنے کا حکم فرمایا، ان کے سینہ تک گرٹھا کھود گیا اور آپ نے حکم فرمایا، لوگوں نے سگسار کر دیا، خالد بن ولیدؓ نے ایک پتھر مارا تو خون کی چھینٹیں ان پر آکے پڑیں تو انھوں نے مذمت کے لفظ کہے، آپ نے یہ الفاظ سن لئے اور فرمایا ”ہائیں خالد! اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس نے اسی توبہ کی ہے کہ اسی توبہ چنگی والا کرتا تو بخش دیا جاتا“ پھر آپ نے حکم دیا نماز پڑھی گئی اور ان کو دفن کر دیا گیا۔

امانت و دیانت

یہ ایمان انسان کی امانت اس کی پاکیزگی اور شرافت کا محافظ تھا، خلوت و جلوت میں

جہاں کوئی آنکھ دیکھنے والی نہ ہوتی اور ایسی جگہ جہاں آدمی کا پورا اقتدار اور اختیار ہوتا اور کسی سے خوف کھانے کی ضرورت نہ تھی، یہ ایمان نفس کی ترغیبات اور خواہشات پر پورا قابو رکھنا اسلامی فتوحات کی تاریخ میں دیانت و امانت و خلاص کے ایسے واقعات موجود ہیں کہ انسانی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی، یہ صرف ایمان راسخ اور اللہ کے دھیان اور ہر موقع و محل پر اس کے علم کے استحضار کے نتائج تھے۔

تاریخ طبری کی روایت ہے کہ مسلمان جب مدائن پہنچے اور مال غنیمت جمع کرنے لگے تو ایک شخص اپنے حصہ کا مال غنیمت لایا اور خازن کے سپرد کر دیا، لوگوں نے کہا ایسا قیمتی سامان تو دیکھنے میں نہیں آیا ہمارے پاس جو مال ہے اس کو اس سے کچھ نسبت نہیں ان لوگوں نے اس شخص سے دریافت کیا کہ تم نے اس سے کچھ یا بھی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ خدا کی قسم اگر اللہ کا معاملہ نہ ہوتا تو تم کو اس کی خبر بھی نہ ہوتی ان لوگوں نے اندازہ کر لیا کہ یہ مولیٰ شخص نہیں، انھوں نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا میں نہیں بتا سکتا اس لئے کہ تم تعریف کرو گے، سب تعریف اللہ کی ہے اسی کے ثواب پر میں راضی ہوں، جب وہ واپس ہوا تو لوگوں نے ایک آدمی بھیج کر دیا کہ معلوم کرو کون ہے معلوم ہوا کہ عامر ان کا نام ہے اور عبید بن قیس قبیلہ سے ان کا تعلق ہے۔

مخلوقات اور مظاہر سے بے رغبتی

توحید کے عقیدہ نے ان کا سراونچا اور گردن فراز کر دی تھی، کیا مجال تھی کہ غیر اللہ کے سامنے یا جابر بادشاہ کے آگے، یا کسی عالم و درویش یا دینی یا دنیوی سردار کے سامنے ان کی گردن خم ہو، اس ایمان نے ان کے دل و نظر کو خدائے تعالیٰ کی عظمت سے معمور کر دیا تھا، مخلوقات کا

حسن و جمال دنیا کی دل فریبیاں، شان و شوکت کے مظاہرے ان کی نظر میں ہیچ تھے، وہ جب ملوک و سلاطین اور ان کے جاہ و شہرت، کثرت و فراوان کے درباروں کی سجاوٹ اور زیب و زینت پر نظر ڈالتے اور یہ دیکھتے کہ یہ سلاطین اسی میں خوش ہیں تو ان کو ایسا معلوم ہوتا کہ چند بے جان مجسمے یا مٹی کی توڑیں ہیں جن کو انسانی لباس سے آراستہ کر دیا گیا ہے۔

ابوموسیٰ کہتے ہیں، جب ہم نجاشی کے پاس پہنچے تو اس کا دربار لگا تھا، دائیں جانب عمرو بن العاص، بائیں جانب عمار تھے، مذہبی پیشوا درویش تھے، عمرو و عمار نے بادشاہ سے کہا کہ یہ لوگ سجدہ نہیں کرتے، پادریوں نے کہا کہ بادشاہ کو سجدہ کرو، حضرت جعفر نے جبرستہ جواب دیا کہ ہم صرف خدا کو سجدہ کرتے ہیں۔

حضرت سعد نے رستم کے پاس جو کہ ایرانی افواج کا سپہ سالار تھا، ربیع بن عامر کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا، ربیع بن عامر پہنچے تو دربار فرس فروش سے آراستہ تھا، رستم یا قوت اور بیش بہا موتی زیب بدن کئے، لباس بیش قیمت پہنے، تاج سر پر رکھے، سونے کے تخت پر بیٹھا تھا، ربیع بن عامر پچھے پڑانے لباس میں پہنچے، مختصر سی ڈھال اچھوٹا سا گھوڑا یہ ان کی حیثیت تھی، وہ گھوڑے پر سوار فرس کو دروند تے ہوئے بڑھتے چلے گئے اور پھر گڑے سے اترے، قمیض کا وٹیکہ سے گھوڑا باندھ دیا، اور خود رستم کے پاس جانے لگے، آلات حرب ساتھ، سر پر خود جسم پر زرہ بھی موجود تھی، لوگ بولے جنگی لباس تو اتار دو، کہنے لگے میں خود سے نہیں آیا، مجھے بلایا گیا ہے، اگر تم کو منظور نہیں تو ابھی پس جانا ہوں، رستم نے کہا آنے دو، وہ اسی فرس پر نیزے سے سہاڑا لیتے ہوئے بڑھے نیزے کی نوک نے فرس کو جا بجا سے کاٹ دیا، لوگ بولے تمہارا کیسے آنا تھا، بولے ہم کو اللہ نے اسی لئے بھیجا ہے کہ جس کے بائے میں اس کی مرضی ہو اس کو بندوں کی بندگی سے نجات دلا کر اللہ کی بندگی میں

داخل کر دیں اور دنیا کی تنگیوں سے نکال کر آخرت کی وسعتوں میں پہنچا دیں اور مذاہب کی زیادتیوں سے چھٹکارا دلا کر اسلام کے عدل کے سایہ تلے آئیں۔

بے نظیر شجاعت اور زندگی کی حقارت

آخرت کے عقیدے نے مسلمانوں کے قلوب پر ایسی دلیری بھر دی تھی جو بالکل خارقِ عادت تھی ان میں جنت کا عجیب و غریب شوق اور زندگی کی تحقیر پیدا کر دی تھی جنت کا نقشہ ان کی آنکھوں کے سامنے اس طرح کھینچ جاتا تھا جیسے وہ آنکھوں کے دیکھ لے ہوں وہ اس طرح جنت کی جانب لپکتے تھے جیسے نامہ بر کو توڑ اپنی اڑان میں کسی چیز کی پراہ نہیں کرتا اور اپنی منزل پر پہنچ کر دم لیتا ہے۔
مکہ اُحد میں جب کہ بہت سے مسلمان میدان چھوڑ چکے تھے حضرت انس بن نضر بڑھے انھوں نے سعد بن معاذ کو سامنے دیکھا تو کہنے لگے اے سعد بن معاذ! خدا کی قسم جنت کی خوشبو اُحد پہاڑ کے اسی طرف سے آرہی ہے، انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ ہم نے اسٹی سے زیادہ زخم ان کے جسم پر پائے کچھ تلوار کے تھے کچھ نیزے کے اور کچھ تیروں کے زخم تھے ہم نے ان کو اس حال میں دیکھا کہ مشرکین نے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا جس کی وجہ سے سوائے ان کی بہن کے جنھوں نے ان کو انگلی کے پورے شاخت کیا اور کوئی نہ پہچان سکا۔

بدریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا بڑھو اس جنت کی طرف جس کی وسعت زمین و آسمان ہے تو عمیر بن حوام انصاری نے کہا یا رسول اللہ! اس کی وسعت زمین و آسمان ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں کیا تم کو شک ہے کہ نہیں لگے نہیں یا رسول اللہ! میری یہ تمنا تھی کہ میں اس کو پالیتا ہوں فرمایا ہاں ہاں پالو گے وہ چند دنے کھجور نکال کر کھانے لگے پھر بولے اگر ان

لے البدایہ و النہایہ (ابن کثیر) ۱۰۹ بخاری و مسلم

کھجوروں کے کھالینے کا انتظار کروں گا تو بہت سا وقت لگے گا پھر تمام کھجور الگ پھینکے اور میدان میں کود پڑے اور شہادت پائی۔

ابو بکر بن ابوموسیٰ اشعری راوی ہیں کہ میرے والد دشمن کے مقابل تھے اور فرمایا ہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جنت کے دروازے تلواروں کے سایہ میں ہیں میں کہ ایک شخص اٹھا اس کا لباس نہایت بوسیدہ تھا اس نے کہا ابوموسیٰ تم نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے انھوں نے جواب دیا ہاں وہ شخص اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور اس نے کہا میرا سلام قبول ہوا تو تلوار کا پرتلا توڑ کر ڈال دیا اور تلوار لے کر دشمن کے مقابل میں آگیا اور شہادت پائی۔

عمر بن جموح کے چار بیٹے تھے اور ان کے خود کہ پیر میں لنگ تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ میں تشریف لے جاتے تو وہ بیٹے آپ کے ہمراہ جاتے جب آپ غزوہ اُحد کے لئے تشریف لے جانے لگے تو عمرو بھی ساتھ ہونے لگے ان کے بیٹوں نے سمجھا یا کہ آپ کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے رخصت ہے اگر آپ تشریف نہ لے جائیں تو زیادہ اچھا ہے اور ہم تو آپ کی طرف سے کافی ہیں ہی اللہ نے جہاد آپ پر سے ساقط کر دیا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے کہنے لگے یا رسول اللہ میرے بیٹے مجھ کو آپ کے ہمراہ مکمل سے روکتے ہیں اور بخدا میری یہ تمنا ہے کہ میں اپنے اسی معذور پاپوں سے جنت میں چلوں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے تم کو جہاد سے معاف فرما دیا ہے دوسری طرف ان کے بیٹوں سے فرمایا کہ جانے کیوں نہیں دیتے شاید شہادت اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کے لئے نکلے اور شہادت پائی۔

شداد بن ہاد کہتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا ایمان لایا اور آپ کے ساتھ ہو گیا اور کہا میں آپ کے ساتھ ہجرت کروں گا، آپ نے ایک صحابی سے فرمایا کہ اس کا خیال رکھنا، خیر کا معرکہ پیش آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت تقسیم فرمایا، اس میں اعرابی کا بھی حصہ لگا کر صحابہ کے سپرد فرمایا، یہ اعرابی سب کے جانور چرایا کرتا تھا جب شام کو لوٹ کر آیا تو لوگوں نے اس کا حصہ اس کے حوالہ کر دیا اس نے کہا یہ کیا؟ لوگوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارا حصہ لگایا تھا، اس نے لے لیا اور لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اور کہا یا رسول اللہ یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ تمہارا حصہ ہے، وہ بولا میں اس لئے آپ کے ساتھ نہیں ہوا تھا، میں نے تو اس لئے رفاقت اختیار کی تھی کہ اس جگہ تیر لگے اور اس نے اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا تاکہ میں جنت جاسکوں آپ نے فرمایا اگر خدا سے تیرا معاملہ سچا ہے تو خدا بھی تیری یہ آرزو پوری کر دے گا، جب جنگ ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس اعرابی کے پاس گئے تو آپ نے اس کو شہید پایا، آپ نے پوچھا کہ کیا یہ وہی ہے؟ لوگوں نے جواب دیا ہاں، آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ اس کا معاملہ سچا تھا، اللہ نے بھی اس کو سچا کر دیا۔

مکمل سپردگی

یہ تمام اس ایمان سے پہلے ایک پراگندہ و غیر منظم زندگی گزار رہے تھے، نہ کسی قحط کے سامنے تسلیم خم کرتے، نہ کسی ضابطہ حیات کے پابند تھے، نہ کسی نظام زندگی سے منسلک تھے، وہ خواہشات کے تابع تھے، بغیر سمجھے بوجھے عمل کرتے مگر اہیوں میں بھٹکتے پھرتے اب وہ ایمان اور بندگی کے دائرہ میں اس طرح داخل ہو گئے تھے کہ ان کے لئے اس سے باہر آنا

مشکل ہو گیا تھا انھوں نے الشری شہنشاہیت اور اس کے اقتدار کو تسلیم کر لیا تھا، اور اپنے کو رعایا، بندہ اور مطیع مطلق مان لیا تھا، مکمل طور پر اس کو اپنی قیادت حوالہ کر دی تھی، قانون الہی کو بے چوں و چرا تسلیم کر چکے تھے اور خواہشات و خود مری سے مکمل طور پر دستبردار ہو گئے تھے، وہ ایسے غلام بن گئے تھے جو نہ اپنے مال کا مالک ہے نہ اپنی جان کا، جو مالک کی مرضی اور اجازت کے بغیر ادنیٰ سے ادنیٰ تصرف بھی نہیں کر سکتا ہے، ان لوگوں کی صلح و جنگ، دشمنی و دوستی، خوشی و ناراضگی، عطا و محرومی اور صلہ و جہ قطع جمی سب الشری کے حکم کے تابع بن چکی تھی جو کچھ بھی کرتے، اس کے حکم کے موافق کرتے، وہ لوگ جاہلیت سے خوب واقف تھے، اس میں پہلے بڑھے تھے، اس وجہ سے اسلام کا مطلب خوب سمجھتے تھے، ان کو خوب معلوم تھا کہ اسلام نام ہے ایک زندگی سے دوسری زندگی کی طرف منتقل ہونے کا، ایک طرف بندوں کا راج یا صرت نراج ہے، دوسری طرف خدا کی حکومت ہے، کل تک خدا سے جنگ تھی، اور اس کے قانون کے کش کش اب مکمل اطاعت و پیروی اور دائمی صلح و اشتی ہے، کل تک صرف خودی تھی اب صرف خدا کی بندگی، جب اسلام کو اختیار کر لیا تو اب خود رائی اور خود مری کا کوئی کام نہیں اب حکم خداوندی سے ستر باری اور قانون الہی سے بغاوت کی کوئی گنجائش نہیں، خدا کے حکم کے بعد اختیار باقی نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخالفت اور اس سے حجت و بحث کا کوئی موقع نہیں، نہ غیر اللہ کے سامنے مقدمہ جاسکتا ہے اور نہ اپنی رائے کے مطابق فیصلہ ہو سکتا ہے، نہ دین کے مقابلہ میں رسم و رواج کی پابندی ہو سکتی ہے، نہ نفس پرستی باقی رہ سکتی ہے، جب وہ اسلام لائے تو انھوں نے جاہلی زندگی کو اس کی تمام خصوصیات، عادات اور رسوم کے ساتھ ترک کر دیا اور اسلام کو پوری خصوصیات، متعلقات اور لوازم کے ساتھ اختیار کر لیا، اس کے ان کی زندگی میں بلاتا خیر مکمل انقلاب رونما ہو گیا۔

فضالہ بن عمر بن لہو ح نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کا ارادہ کیا آپ
خاندان کعبہ کا طواف کر رہے تھے جب فضالہ آپ کے قریب ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کون؟ فضالہ — انھوں نے جواب دیا ہاں فضالہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے
فرمایا کہ تم کیا سوچ کر آئے تھے؟ کہنے لگے نہیں کچھ نہیں! اللہ کو یاد کر رہا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم
ہنسے پھر فرمایا اللہ سے توبہ کرو پھر اپنا دست مبارک ان کے سینہ پر رکھا اور ان کا قلب پر سکون
ہو گیا، فضالہ کہا کرتے تھے آپ کا ہاتھ جیسے ہی سینہ سے اٹھا آپ مجھ کو ایسے محبوب لگنے لگے کہ
دنیا میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے زیادہ کوئی محبوب چیز پیدا ہی نہیں کی، فضالہ کہتے ہیں
میں گھر لوٹا تو راستہ میں وہ عورت ملی جس سے دل لگی کیا کرتا تھا اس نے کہا او باتیں کریں
میں نے کہا اللہ کی اطاعت اور اسلام کے بعد اب اس کا کوئی امکان نہیں۔

صحیح معرفت

انبیاء علیہم السلام نے انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کے افعال کا صحیح
الوقیعی علم عطا کیا تھا اس عالم کی ابتداء و انتہا اور موت کے بعد انسان کا جس سے سابقہ پڑنے والا ہے
اس سب کا علم انبیاء کے ذریعہ انسانوں تک بے منت و مشقت پہنچا تھا، انبیاء علیہم السلام نے ایسے
علوم میں ان کی رہنمائی کی جن کے اصول و مبادی بھی ان کو حاصل نہ تھے جن پر یہ انسان اپنی تحقیق کی
عمارت قائم کر سکتا، انبیاء علیہم السلام نے انسانوں کے وقت اور قوت کو بچا لیا اور بالبعد الطبیعیات
و مسائل النبیات کی اس لا حاصل تلاش و تحقیق سے فرصت دی جس میں نہ ان کے حواس کام آئے سکتے
تھے نہ نظر رستہ پاسکتی تھی نہ ان کے پاس اس کے بنیادی معلومات ہی موجود تھے۔

لیکن لوگوں نے اس نعمت کا شکر ادا نہ کیا ایک بے ضرورت ہم اپنے سر، ان حقائق کو جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ ان کو بے محنت حاصل ہو گئے تھے از سر نو تحقیق شروع کی اور ان نامعلوم خطوں میں سفر کی ابتداء کی جہاں ان کے ساتھ نہ کوئی رہبر تھا اور نہ کوئی ان کی راہوں سے باخبر وہ اس معاملہ میں اس سیاح سے بھی زیادہ بد قسمت اور فضول پسند ثابت ہوئے جو ان معلومات و تحقیقات پر قانع نہیں جو جغرافیہ اور نقشہ جات کی شکل میں سلوں و رصدیں کی محنتوں کا نتیجہ ہے وہ کوشش کرتا ہے کہ پہاڑوں کی بلندی اور سمندروں کی گہرائی کی از سر نو پیمائش کرے صحراؤں فاصلوں اور حدود کو اپنی اس مختصر عمر اور محدود وسائل کے ساتھ دوبارہ مضبط کرے اس آدمی کی محنت کا انجام اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ تھک کر رہ جائے اس کا عزم جواب دے جائے اور وہ شخص صرف چند یادداشتوں اور ناتمام اشاروں کا سرمایہ جمع کر سکے اس سے بڑھ کر جن لوگوں نے الہیات کے میدان میں بصیرت اور روشنی کے بغیر قدم رکھا ان کو اس علم میں سوائے متضاد آراء ادھوئے معلومات اتفاقی خیالات اور عجلت کے نظریات کے کچھ ہاتھ نہ لگا، خود راہ کھو بیٹھے اور دوسروں کی بھی منزل کھوٹی کی۔

صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) دین کے بارے میں بڑے خوش قسمت اور صاحب توفیق تھے کہ دین کے بارے میں انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و اطلاع پر پورا اعتماد کیا اور ذات و صفات کے بارے میں "کوہ کندن و کاہ برآوردن" کی سعی لا حاصل سے محفوظ رہے انھوں نے اپنی ذکاوت و طاقت کو محفوظ رکھا اور اپنی جد و جہد اور کوشش اور اپنے اوقات کو پوری احتیاط کے ساتھ دین و دنیا کے مفید میدانوں میں صرف کیا، وہ دین کے مضبوط جلقہ کو تھامے رہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگر دوسروں کے پاس دین کے متعلقات و تفصیلات تھے تو ان کے پاس دین کا مغز اور اس کا لب لباب تھا۔

انسانی گلدستہ

اللہ و رسولؐ اور یوم آخرت پر ایمان اہل کامل شہر دگی نے زندگی سے پیچ و خم کو دور کر دیا اور انسانی خاندان کے ہر فرد کو اس کا صحیح مقام عطا کیا، انسانی معاشرہ ایک بے خار گلدستہ بن گیا جس کا ہر پھول اور ہر پتی اس کے لئے باعث زینت تھی۔

نوع انسانی کے افراد ایک خاندان میں تبدیل ہو گئے، وہ سب ایک باپ (آدمؑ) کی اولاد تھے اور آدمؑ کی اصل مٹی سے ہے نہ کسی عرب کو کسی عجمی پر فضیلت تھی اور نہ کسی عجمی کو کسی عرب پر فوقیت تھی، ہاں اگر کسی کو کسی پر فضیلت تھی تو محض تقویٰ کی بناء پر۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! بیشک اللہ نے تم سے جاہلیت کے عیب کو دور فرما دیا اور آباد و اجداد پر فخر کرنے کی رسم ختم کر دی انسانوں کی دو ہی قسمیں ہیں نیک اور خدا سے ڈرنے والے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں شریف دوسرے بد عمل بد بخت اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ذلیل۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: دیکھو تم کسی سے نہ بہتر ہو اور نہ بڑے ہاں اگر تقویٰ میں بڑھ جاؤ (تو بیشک بڑے ہو)۔

آپ جب اپنے رب سے رات کے آخری حصہ میں مناجات کرتے تھے تو فرماتے تھے: ”میں گواہ ہوں کہ تمام بندے بھائی بھائی ہیں۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت کا پورا پورا استیصال کر دیا تھا اور اس کے داخلہ کے تمام روزن بند کر دیئے تھے۔ فرمایا:-

”جو عصبیت کا علمبردار ہو وہ ہم میں سے نہیں اور جو عصبیت پر جنگ کرے وہ

ہم میں سے نہیں اور جس کی موت عصبیت پر ہو وہ بھی ہم میں سے نہیں۔

جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ ہم ایک غزوہ میں تھے، ایک مہاجر نے ایک انصاری کو کچھ کہہ دیا اور انصاری پکارا اٹھا "انصار یو!" اور مہاجر پکارا اٹھا "مہاجر یو!" تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "چھوڑو اس جتنے بندی کے نعروں کو یہ سنا ہے۔"

آپ نے جاہلی حمیت کو ناجائز قرار دیا اور مرد و تعاون کے اس جاہلی اصول کو بدل دیا جس پر ساری زندگی چل رہی تھی کہ اپنے بھائی کی مدد کو ظالم ہو یا مظلوم۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے اپنے لوگوں کی باطل پرستی کو وہ اس اونٹ کی مثال ہے جو کنوئیں میں گرنا چاہتا ہے اور لوگ اس کو دم سے پکڑ پکڑ کر روکتے ہوں" عربوں کی نفسیات اور ذہنیت ایسی تبدیل ہو گئی کہ اب ان کا ذوق اس شہوہ فانی کو مضہم نہ کرتا تھا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار یہ فرمایا "اپنے بھائی کی مدد کرو، ظالم ہو یا مظلوم" تو صحابہ کرام خاموش نہ رہ سکے اور بے ساختہ بولے کہ یا رسول اللہ! مظلوم کی مدد تو بیشک کی جائے مگر ظالم کی مدد کیسے کی جائے؟ آپ نے فرمایا "اس کو ظلم سے روکو یہی اس کی مدد ہے۔"

اسلامی معاشرے میں مختلف طبقے شریک ہو گئے تھے، وہ ایک دوسرے کا سہارا بن گئے تھے، اب وہ ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار نہیں تھے، مرد و عورتوں کے ذمہ اور تنظیم تھے، عورتیں نیک و فاضلہ اور امانت دار تھیں، ان کے حقوق مردوں پر تھے، اور مردوں کے حقوق ان پر تھے۔

ذمہ دار معاشرہ

پورے معاشرے میں ذمہ داری کا احساس پیدا ہو گیا تھا، اب انسانی معاشرہ

لے ابو داؤد۔ ۱۱۱ صحیح بخاری۔ ۱۱۲ تفسیر ابن کثیر۔ ۱۱۳ بخاری و مسلم۔

(سوسائٹی) ایک مجبور بے اختیار اور مفلوج و معطل جماعت نہ تھی جو نہ اپنے دماغ سے کام لے سکتی ہے نہ اپنے اختیار سے، اس کی عقل و بلوغ اور اس کا اختیار تسلیم کیا جا چکا تھا، اس کا ہر فرد ایک ذمہ دار با اختیار شخص تھا جو اپنے اپنے دائرہ میں صاحب اختیار و ذمہ دار تھا، آدمی اپنے گھر کا سرپرست اور ذمہ دار ہوتا تھا، عورت اپنے شوہر کے گھر کی منتظم اور ماتحتوں کے متعلق جواب دہ تھی، ملازم اپنے مالک کے مال میں ذمہ دار اور اس ذمہ داری کا جواب دہ تھا، اس طرح اسلامی معاشرہ ایک ذی ہوش اور صاحب اختیار معاشرہ تھا جو اپنے اعمال کا جواب دہ تھا۔

تمام مسلمان حق کے مددگار بن گئے تھے، ان کا کام مشورہ سے ہوتا، خلیفہ جب تک خدا کا مطیع رہتا وہ اس کے مطیع ہوتے اور اگر نافرمانی کرتا تو اطاعت باقی نہ رہتی حکومت کا شعار "لا طاعة لمخلوق فی معصیۃ الخالق" بن گیا تھا، یعنی خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہیں وہ مال اور خزانے جو سلاطین اور رئیسوں کا لقمہ تر اور امراء کی ذاتی جائیداد سمجھے جاتے تھے اب اللہ کی امانت سمجھے جانے لگے تھے، اس کی رضا میں خرچ اور صحیح عمل پر صرف کئے جاتے، اور مسلمان اس دولت کے امین اور متولی تھے، خلیفہ کی مثال نیم کے سرپرست کی سی تھی، اگر صاحب استطاعت ہوتا تو احتیاط کرتا اور اگر حاجت مند ہوتا تو بقدر ضرورت لینا، اللہ کی وہ زمین جس کو سلاطین و امرائے اپنی جاگیر سمجھ لیا تھا، جس کے لئے چاہتے و مست دیتے تھے اور جس پر چاہتے تنگ کر دیتے تھے اور بعض اس میں کپڑے کی طرح کتر بیونت کرتے تھے اب اللہ کی زمین تھی جس کے متعلق ایک ایک بالشت کا حساب دینا تھا۔

صاحب ضمیر معاشرہ

انسانی سوسائٹی مدت سے اپنا ارادہ و اختیار اور ذوق و نشاط کھو چکی تھی، وہ

ایک گھٹی گھٹی سی سوسائٹی بن کر رہ گئی تھی وہ ایک مجبور و مقہور جماعت تھی جس کی نہ جنگ کے
 بائے میں رائے لی جاتی تھی نہ صلح کے موقع پر اس کی مرضی معلوم کی جاتی تھی اس سوسائٹی کے
 افراد کو قربانی و ایثار اور نکالیت کو بھیلنے، مشقتوں سے مقابلہ کرنے پر مجبور کیا جاتا، حالانکہ
 اس کو نہ تو اس کی خواہش ہوتی اور نہ اس سے کچھ فائدہ، نہ وہ افسروں کو پسند کرتے اور نہ
 افسران ان کو، وہ مجبور تھے کہ اس کی اطاعت کریں جسے وہ ناپسند کرتے ہوتے اور اپنی جان
 و مال کو اس پر قربان کریں جس سے وہ نفرت کرتے ہوں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دلوں کی پشیمانی
 بچھ گئی، جذبات سرد پڑ گئے، اور لوگوں کا اٹھان، ریاء اور فریب پر ہوا، توہین و حقارت
 اور ذلت کے برداشت کی طبیعتیں عادی ہو گئیں۔

محبت کا صحیح مصرف

وہ فطری عنصر جن کے سرانسانیت کے اکثر عجوبے روزگار اور حیرت انگیز کارناموں
 کا سہرا ہے جس کو لوگ "محبت" سے یاد کرتے ہیں، عرصہ سے حقیر اور مردہ تھا، صدیوں
 کوئی اس کو کام میں لگانے والا اور اس سے حقیقی فائدہ اٹھانے والا پیدا نہیں ہوا تھا،
 بس وہ چمک دمک اور حُسن و جمال کے فانی مظاہر کی نذر ہو کر رہ گیا تھا، عرصہ سے دنیا میں
 کوئی ایسا انسان نہیں پیدا ہوا تھا، جو اپنے جمال و کمال اور اپنی اعلیٰ صفات سے ساری
 انسانیت کی محبت کا مستحق ہو اور اپنی طاقت و دل آویز شخصیت سے اس محبت سے
 کام لے سکے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں انسانیت کو وہ گم شدہ دولت
 مل گئی، آپ وہ انسان تھے جن کو اللہ نے مجموعہ خوبی بنایا تھا، دیکھنے والے بیان کرتے
 ہیں کہ آپ کو جو اچانک دیکھنا مرعوب ہو جاتا، اور جو آپ سے ملتا جلتا وہ فریفتہ ہو جاتا،

آپ کا تعریف کرنے والا کہتا، آپ جیسا نہ آپ سے قبل دیکھنے میں آیا اور نہ آپ کے بعد آپ کے آنے کے بعد سچی اور پاک محبت کا بند چشمہ اُبل پڑا، نفوس و قلوب اس طرح کھینچے جس طرح لوہا مقناطیس کی طرف کھینچتا ہے، گویا کہ طبیعتیں اور دل پہلے سے آپ کے منظر اور آپ کے لئے بیتاب تھے، آپ کی امت کے افراد نے آپ سے ایسی محبت اور ایسی اطاعت کی ہے جس کی مثال عثمانی اور اہل محبت کی تاریخ میں سننے میں نہیں آئی، آپ کی اطاعت و تابعداری میں اپنے آپ کو بالکل مٹا دینے اور گھربار مال و دولت مٹا دینے کے ایسے واقعات پیش آئے جو نہ آپ سے قبل پیش آئے تھے، اور نہ آئندہ ان کی امید ہے۔

محبت و جاں نثاری

حضرت ابو بکرؓ کے اسلام لانے کے بعد اُن پر کم میں ایک روز دشمنوں نے حملہ کر دیا، عقبہ بن ربیعہ نے اس قدر مارا کہ آپ کا چہرہ سوچ گیا، حتیٰ کہ شناخت تک مشکل ہو گئی تھی، بنو تم حضرت ابو بکرؓ کو کپڑے میں لپیٹ کر ان کے گھر اٹھالے گئے، ان کو آپ کی موت میں ذرا شک نہ تھا، آپ کو دن چھپتے ہوئے ہوش آیا تو سب سے پہلے بولے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟“ لوگوں کو اس پر بڑا غصہ آیا کہ اس حالت میں بھی آپ انھیں کو یاد کرتے ہیں جن کی وجہ سے یہ حال ہوا، وہ آپ کو بُرا بھلا کہنے لگے، انھوں نے اُن کی ماں ام انجیر سے کہا کہ دیکھو ان کو کچھ کھلا پلا دو، انھوں نے کچھ کھانے کے لئے اصرار کیا، آپ برابر کہتے رہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟“ انھوں نے جواب دیا، ”بخدا مجھے تمہارے ساتھی کا کچھ علم نہیں“ انھوں نے کہا تو ”خطاب کی بیٹی ام جمیل کے پاس جاؤ اور آپ کی خیریت دریافت کر کے مجھے بتاؤ“ وہ ام جمیل کے پاس آئیں اور کہا کہ ”ابو بکر محمد بن عبد اللہ کے متعلق پوچھتے ہیں“

انہوں نے کہا کہ میں نہ البکر کو پہچانتی ہوں اور نہ محمد بن عبداللہ کو، اور اگر تمہاری یہ خواہش ہو کہ میں تمہارے ساتھ تمہارے بیٹے کے پاس چلوں تو ہو سکتا ہے، انہوں نے کہا، ہاں چلو۔ وہ اُن کے ہمراہ گئیں اور البکر کو پڑا ہوا پایا، ام جہیل ان کے قریب پہنچیں تو ان کا حال دیکھ کر کہا، واللہ! جس قوم نے تمہارے ساتھ یہ بڑاؤ کیا ہے وہ فاسق و کفار ہیں، اور مجھے امید ہے کہ اللہ ان سے تمہارا انتقام لے گا۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ وہ بولیں کہ تمہاری ماں سنتی ہیں! انہوں نے کہا ان سے کچھ پردہ نہیں، انہوں نے جواب دیا، بخیر و عافیت ہیں، آپ نے فرمایا کہاں ہیں؟ وہ بولیں، دار ابن ارقم میں، آپ نے فرمایا تو بخدا میں کھاپی نہیں سکتا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہ پہنچ جاؤں، وہ دونوں ذرا اکیلے جب رات ہوئی اور آمد وقت موقوف ہوئی تو وہ ان کو لے کر نکلیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیا، آپ نے جب حضور کو دیکھ لیا تو جان میں جان آئی اور کھایا پی۔

ایک نصاریٰ عورت جس کا باپ بھائی اور شوہر اُحد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، اور شہید ہو گئے تھے، قیام گاہ سے نکلی اور پوچھنے لگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے کہا: بحمد اللہ عافیت سے ہیں جیسا تم چاہتی ہو، اس نے کہا مجھے دکھاؤ، میں آپ کو دیکھنا چاہتی ہوں، اس نے جب آپ کو دیکھ لیا تو بولی، اگر آپ سلامت ہیں تو ہر مصیبت ہیچ ہے۔

حضرت خبیثہؓ کو پھانسی کے تختہ پر چڑھا گیا اسب کہنے لگے کہ یو پسند ہے کہ مجھ کو تمہاری جگہ ہوں؟ انہوں نے کہا خدائے تعالیٰ کی قسم میں اس کو بھی پسند نہیں کرتا کہ آپ کے

پیر میں کاشا چھبے اور میں چھوڑ دیا جاؤں، وہ سب ہنس دیئے۔

زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ اُحد کے روز رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے سعد بن ریح کی تلاش میں بھیجا اور مجھ سے فرمایا، ان کو اگر دیکھو تو میرا سلام کہو اور کہو کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں کہ اپنے کو کیسا پاتے ہو کہتے ہیں کہ میں مقتولین میں جکر لگانے لگا، پھر ان کے پاس پہنچا، ان کا آخری وقت تھا، اور ان کے جسم پر تیر و تلوار اور نیزے کے ستر زخم تھے، میں نے ان کو کہا اے سعد! رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو سلام کہتے ہیں اور دیاقت فرماتے ہیں کہ تمہارا کیا حال ہے؟ انھوں نے کہا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سلام کہو اور آپ سے کہہ دو یا رسول اللہ جنت کی خوشبو پارہا ہوں اور میری قوم انصار سے کہہ دو کہ اگر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کچھ ہو گیا اس حال میں کہ تم میں ایک آنکھ بھی حرکت کر سکتی ہو تو اللہ کے یہاں تمہارا کوئی عذر نہیں اور اسی وقت روح پرواز کر گئی تھی۔

اُحد کے روز ابو دجانہ نے اپنی بیٹی کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے ڈھال بنادیا تھا تیر اس پر لگتے تھے اور وہ حرکت نہ کرتے تھے، اہل بختری نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دم چوس کر صا کر دیا تھا، ان سے آپ نے فرمایا تھوک دو انھوں نے کہا: بخدا! میں کبھی بھی نہ تھوکوں گا۔

ابوسفیان جب مدینہ آئے اور اپنی بیٹی ام حبیبہ کے پاس پہنچے اور جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بستر مبارک پر بیٹھنا چاہا تو انھوں نے اس کو لپیٹ دیا، انھوں نے کہا اے بیٹی! مجھے خبر نہیں کہ تم نے بستر میرے لائق نہ سمجھا، یا مجھ کو اس کے لائق نہ سمجھا، انھوں نے کہا نہیں! بلکہ یہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بستر ہے اور تم مشرک خمس ہو!

عز و بن مسعود ثقفی نے حدیبیہ سے واپسی کے بعد اپنے ساتھیوں کو کہا اے لوگو! بخدا

میں سلاطین کے یہاں گیا، کسریٰ قصیر اور نجاشی کے دربار بھی دیکھے، خدا کی قسم میں ایسا بادشاہ نہیں دیکھا جس کے ساتھی اس کی اتنی عزت کرتے ہوں جتنی محمدؐ کے ساتھی محمدؐ کی خدا کی قسم جب بھی وہ تھوکتے ہیں ان میں سے کسی شخص کے ہاتھ پر گزرتا ہے وہ اپنے چہرے اور جسم پر لیتا ہے اور جب وہ ان کو حکم دیتے ہیں تو وہ سب ان کے حکم پر لپکتے ہیں اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو اس کے پانی پر روتے روتے رہ جاتے ہیں اور جب بات کرتے ہیں تو وہ لوگ اپنی آوازیں پست کر لیتے ہیں اور وہ لوگ فرطِ ادب سے آپ پر گہری نظر نہیں ڈال سکتے۔

اطاعت و تابعداری

اطاعت و تابعداری محبت کا لازمی نتیجہ ہے جب صحابہؓ کرامؓ محبت کی دولت سے مالا مال ہوئے تو انھوں نے اپنی ساری طاقت آپؐ کی اطاعت میں صرف کر دی اس کی بہترین مثال سعد بن معاذ کا وہ قول ہے جو انھوں نے اپنی اور جماعت انصار کی جانب سے بدر سے قبل کہا تھا:-

”میں انصار کی طرف سے شرحِ صد کے ساتھ کہتا ہوں اور ان کی جانب سے

جواب بھی دیتا ہوں کہ آپ جہاں چاہیں مقیم ہوں جس کا تعلق چاہیں قائم رکھیں و

جس کا چاہیں توڑ دیں اور ہمارے مال و دولت سے جو چاہیں لے لیں اور جو چاہیں

دے دیں جو کچھ کہ آپ ہم سے لے لیں گے وہ اس سے زیادہ محبوب ہوگا جو آپ چھوڑ

دیں گے اور جس بائے میں جو کچھ حکم فرمائیں گے ہم اس کے تابع ہوں گے بخدا اگر آپ

برکِ غدان تک چلے جائیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ چل پڑیں گے اور خدا کی قسم اگر

آپ سمندر میں گھوڑا ڈال دیں گے تو ہم بھی اس میں کود پڑیں گے۔

ان کی اطاعت کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انہیں شخصوں سے گفتگو ممنوع قرار دی تھی جو غزوہ تبوک نہ جاسکے تھے تو لوگوں نے آپ کی بات مانی اور مدینہ انہیں کے لئے شہر خوشاں بن گیا جہاں کوئی بات کرنے والا اور بات کا جواب دینے والا نہ تھا، کعب کہتے ہیں:-

”رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہم میں سے گفتگو منع فرمادی تھی لوگ ہم سے کترانے لگے اور ان کی نگاہیں بدل گئیں حتیٰ کہ مجھے زمین تنگ محسوس ہونے لگی تو زیادہ زمین ہی نہ تھی جس کو میں جانتا تھا، یہاں تک کہ جب لوگوں کی میرے ساتھ بے رخی بہت بڑھ گئی میں چلا اور ابو قتادہ کی دیوار پھاند کر ان کے باغ میں گھس گیا، یہ ابو قتادہ وہ ہیں جو میرے محبوب چچا زاد بھائی تھے اور میرے سب سے زائد چہیتے تھے، میں نے ان کو سلام کیا بخدا انھوں نے مجھے جواب بھی نہ دیا تو میں نے ان سے کہا اے ابو قتادہ! میں تم کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں، کیا تم کو علم ہے کہ میں اللہ و رسولؐ سے محبت رکھتا ہوں وہ خاموش رہے، میں نے پھر دہرایا، ان کو واسطہ دیا اور وہ خاموش رہے، میں نے مکر کر کہا اور ان کو واسطہ دیا تو وہ بولے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کو زیادہ علم ہے، میری آنکھیں بھرا میں اور میں پلٹ پڑا اور دیوار پھاند کر باہر نکل آیا۔“

ان کی اطاعت کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ وہ ناراضگی و بے رخی کے ہدف تھے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قاصد آتا ہے اور کہتا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو حکم دیتے ہیں کہ اپنی بیوی سے علیحدہ رہنا، وہ بولے ”طلاق دیدوں یا کیا کروں؟“ وہ بولا ”نہیں، بلکہ الگ رہو ان کے قریب مت جاؤ“ تو انھوں نے اپنی بیوی سے کہہ دیا اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ، ان ہی کے

پاس رہو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں کچھ فیصلہ کر دے۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ان کی محبت و تعلق کا یہ حال تھا کہ ہر ایک پر آپ کو ترجیح دیتے تھے، عین اس نقاطہ کے زمانہ میں عثمان کا بادشاہ ہمدردی کا اظہار کرتا ہے اور اپنے دربار کی پیش کش کرتا ہے اس بے رخی اور عتاب کے زمانے میں حقیقتاً سخت آزمائش تھی لیکن وہ رد کرتے ہیں کہتے ہیں مدینہ کے بازار میں چل رہا تھا کہ ان شامی بیٹیوں میں سے جو مدینہ میں غلہ فروخت کرنے آتے تھے ایک نبطی کہتا ہے کعب بن مالک کو کوئی بتا دے میں کروگ میری جانب اشارے کرنے لگے اس نے میرے پاس پہنچ کر شاہ عثمان کا ایک خط حوالے کیا میں پڑھا لکھا تھا، میں نے اس کو پڑھا، اس میں تحریر تھا کہ:-

”ہم کو یہ خبر ملی ہے کہ تمہارے آقا نے تم سے بے رخی اختیار کر لی ہے، اللہ تعالیٰ نے تم کو ذلت کے لئے نہیں رکھا اور وہ تم کو ضائع کرنا نہیں چاہتا ہے، بس تم ہم سے مل جاؤ ہم تمہارا بہت خیال کریں گے۔“

میں نے جب پڑھا تو کہا کہ یہی ایک آزمائش ہے اور میں نے جا کر اُسے تنور کی نذر کر دیا۔ اطاعت اور فوری تعمیل حکم کی ایک مثال وہ واقعہ ہے جو شراب کی حرمت کے حکم کے وقت پیش آیا حضرت ابو بردہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ:-

”ہم مجلس میں بیٹھے شراب پی رہے تھے کہ میں اٹھا نا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضری دوں اور سلام کروں اودھر شراب کی حرمت نازل ہو چکی تھی۔“

لَا يَهْدِي اللَّهُ الْفَاسِقِينَ أَتَمَعُوا أَنَّهُمْ غَيْرُ
وَالْمُفْسِدِينَ وَالْأَنصَابَ وَالْأَذْلَامَ رَضُوا
اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیریب گندی
بائیں میں شیطان کا کام میں مولن سے بالکل
مَنْ عَمِلَ الشَّيْطَانُ فَأَجْزِبُوهُ لَعَلَّكُمْ

اے بخاری و سلم اے ایضا

تَقْلِحُونَ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ
 فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ
 ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ
 مُنْتَهُونَ (المائدہ - ۹۰، ۹۱) سے تم کو باز رکھے سو اب بھی باز آؤ گے۔

میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور میں نے یہ آیت اُتے اُنْتُمْ مُنْتَهُونَ (کیا تم رک
 جاؤ گے) تک پڑھ کر سنا دی کہتے ہیں کہ بعض لوگوں کے ہاتھ میں ساغر تھا، کچھ پیاتھا اور کچھ
 ساغر میں بچ رہا تھا جو شراب بوتلوں میں پہنچ گئی تھی وہ فوراً تھوک دی گئی!

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت اور اپنے نفس پر گھروالوں اور خاندان والوں
 پر آپ کو ترجیح دینے کی عجیب و غریب مثال یہ ہے کہ عبد اللہ بن ابی کے بیٹے عبد اللہ کو رسول اللہ (صلی اللہ
 علیہ وسلم) نے بلایا اور فرمایا دیکھتے ہو تمہارے والد کیا کہتے ہیں؟ وہ بولے یا رسول اللہ میرے ماں باپ
 آپ پر قربان وہ کیا کہتے ہیں آپ نے فرمایا کہتے ہیں کہ اگر مدینہ واپسی ہوئی تو جو معزز ہو گا وہ ذلیل کو نکال دے گا
 وہ بولے خدا کی قسم یا رسول اللہ! انھوں نے سچ کہا، بعد آپ معزز میں اور وہ ذلیل میں یا رسول اللہ آپ مدینہ
 تشریف لائے اور اہل شرب کو علم ہے کہ وہاں مجھ سے بڑھ کر اپنے باپ کا کوئی فرمانبردار نہیں! اگر اللہ
 و رسول کی مرضی یہ ہے کہ میں اس کا سر لے آؤں تو میں حاضر ہوں رسول اللہ نے فرمایا: نہیں!

جب لوگ مدینہ پہنچے تو عبد اللہ بن عبد اللہ بن ابی مدینہ کے دروازے پر تلواریں لے کر اپنے باپ
 کے انتظار میں کھڑے ہو گئے جب ان کے والد آئے تو بولے:-

”تم ہی کہتے تھے اگر مدینہ واپسی ہوئی تو جو معزز ہو گا وہ ذلیل کو نکال دے گا؟ تم کو ابھی معلوم

ہو جائے گا کہ معزز کون ہے؟ خدا کی قسم! تم مدینہ میں اشرار اور اس کے رسول کی اجازت کے بغیر
نہیں رہ سکتے۔

اس نے کہا:-

”اے خزیج کے لوگو! دیکھ میرا لڑکا مجھے میرے گھر سے روکتا ہے، اے خزیج کے لوگو!
میرا لڑکا مجھے میرے گھر سے روکتا ہے۔“

وہ بولے:-

”خدا کی قسم! یہ رسول اشر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اجازت کے بغیر مدینہ میں قدم نہیں رکھ سکتا؛
لوگ اکٹھا ہو گئے اور ان کو سمجھایا، انھوں نے کہا:-

”یہ اشر اور اس کے رسول کی اجازت کے بغیر قدم نہیں رکھ سکتا۔“

لوگ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئے آپ کو خبر دی آپ نے فرمایا:-
”جاؤ اور عبداللہ سے کہہ دو کہ آنے دو۔“

لوگ واپس آئے انھوں نے کہا:-

”ہاں! اب جب کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اجازت آگئی ہے وہ مدینہ
میں داخل ہو سکتا ہے۔“

نئے افراد اور نئی امت

اس وسیع و عمیق ایمان اس محکم سپینچر تعلیم اس دقیق و حکیمانہ تربیت اپنی عجیب و غریب
طاقت و شخصیت اور اس عجیب العقول آسمانی کتاب کے ساتھ کہ جس کے عجائب و غرائب ختم ہونے کو

نہیں آتے اور جس کی تازگی میں کبھی فرق نہیں پیدا ہوتا، رسول اللہؐ نے جہاں بلب انسانیت میں ایک نئی زندگی پیدا کر دی انسانیت کے وہ ذخائر جو خام اشیاء کی شکل میں پڑے پڑے ضائع ہو رہے تھے جن کی افادیت اور مصرت کی کسی کو خبر نہ تھی اور جن کو جہالت، کفر اور کم ہمتی نے برباد کر رکھا تھا آپؐ نے ان کی زندگی کا رخ بدل دیا، اس میں خدا کی مدد سے ایمان و عقیدہ پیدا فرمادیا، زندگی کی نئی روح پھونک دی، دبی ہوئی صلاحیتیں ابھار دیں اور اندرونی استعدادیں اجاگر کر دیں پھر ہر ایک کو اس کی صحیح جگہ عطا فرمائی گویا کہ اسی کے لئے اس کا وجود تھا اور گویا کہ جگہ خالی تھی اور اس کی منتظر تھی، وہ بے جان پتھر تھا اب وہ ایک جیتا جاگتا انسان بن گیا، وہ بے حس و حرکت مردہ تھا اب وہ زندہ ہو کر دنیا پر حکومت کرنے لگا، پہلے نامیائے تھا جس کو خود رستہ کا پتہ نہ تھا اب ساری دنیا کا رہبر و رہنما بن گیا۔

اَوَمَنْ كَانَ مِثْلًا فَاَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَاهُ
تُغْدًا يَمْتَسِي بِمِثْلِهِ فِي النَّاسِ مِثْلُهُ
فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا
بہلا وہ جو مردہ ہو ہم نے اس کو زندہ کیا اور
اس کو ایک نور عینیت کیا جس کے ذریعہ وہ
لوگوں میں چلتا ہو اس جیلے جو اندھیرا
میرگم ہو، ہو نکل نہ سکتا ہو۔ (الانعام - ۱۲۳)

آپؐ کی توجہ و تعلیم سے عرب کی برباد شدہ قوم میں ایسا انقلاب ہوا کہ دنیا نے تھوڑے ہی عرصہ میں ان میں وہ عظیم الشان شخصیتیں دیکھیں جو عجوبہ روزگار اور دنیا کی تاریخ میں یادگار ہیں وہ عمر بن خطابؓ اپنے باپ خطاب کی بکریاں چرایا کرتے تھے اور ان کے باپ ان کو بھڑکا کرتے تھے اور جو کہ قوت و عزم میں قریش کے متوسط لوگوں میں تھے جن کو کوئی غیر معمولی امتیاز حاصل نہ تھا، ان کے معاصران کو غیر معمولی اہمیت نہیں دیتے تھے، وہی عمرؓ تھے کہ کیا رنگی تمام عالم کو اپنی عظمت و جلال سے متحیر بنا دیتے ہیں اور قیصر و کسریٰ کو تخت و تاج سے محروم کر دیتے ہیں اور ایسی اسلامی سلطنت

بنادالتے ہیں جو بیک وقت ان دونوں حکومتوں پر حاوی ہے اور تدریجاً حسن انتظام میں ان کے فوقیت رکھتی ہے اور مع تقویٰ اور عدل کو چھوڑ دیکھے کہ ان میں تو وہ ضرب امتثل ہیں۔

یہ ولید کے فرزند خالد ہیں قریش کے نوجوان جو صلہ مندوں میں سے ایک شخص تھے منافی جنگوں میں انھوں نے نام پیدا کیا تھا، قریش کے سردار قبائلی جنگوں میں ان سے مدد دیتے تھے، انھوں نے جزیرۃ العرب کے علاقوں میں کوئی بڑی شہرت بھی حاصل نہیں کی تھی، اچانک وہ آسمانی تلوار (سيف من سیوف اللہ) بن کر چمکتے ہیں جو چیز سامنے آتی ہے کٹ جاتی ہے، یہ خدائی تلوار رم پر بجلی بن کر گرتی ہے اور تارخ کے طول و عرض میں اپنے تذکرے چھوڑ جاتی ہے۔

یہ ابو عبیدہ ہیں جن کی امانت اور رمی کی تعریف کی جاتی تھی وہ مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے لشکروں کی قیادت کر لیا کرتے تھے، ان کو دیکھئے کہ مسلمانوں کی سب سے بڑی قیادت کا بوجھ سنبھال لیتے ہیں اور ہر قل کو شام کے ہرے بھرے ملک سے ہمیشہ کے لئے نکال دیتے ہیں غریب اس پر وداعی نظر ڈالتا ہے اور کہتا ہے، اے ملک شام تجھ کو رخصتی سلام، ایسا سلام جس کے بعد بھی ملاقات نہیں ہوگی۔

یہ عمرو بن العاص ہیں جن کا شمار قریش کے سمجھدار لوگوں میں تھا، قریش ان کو حدیثہ کا سفیر بنا کر بھیجتے ہیں تاکہ مسلمان ہمارے جوین کو واپس لے آئیں مگر ناکام واپس ہوتے ہیں، ان کو دیکھئے، مصرفح کرتے ہیں اور زبردست اقتدار کے مالک بن جاتے ہیں۔

اور یہ سعد بن ابی وقاص ہیں اسلام سے قبل ان کے متعلق نہ کسی بڑی فوجی قیادت کا پتہ چلتا ہے اور نہ کسی ماہر جنگ کی حیثیت سے ان کی شہرت ہے، ان کو دیکھئے، مدائن کی کنجیاں سنبھالتے ہیں، اور عراق و ایران کو اسلامی سلطنت میں شامل کر کے ہمیشہ کے لئے فاتح عجم کہلاتے ہیں۔ یہ مسلمان فارسی ہیں، ایک مذہبی عہد دار کے بیٹے تھے، فارس کا ایک گاؤں وطن تھا، ایک غلامی

دوسری غلامی اور ایک مصیبت سے دوسری مصیبت دیکھتے ہوئے مدینہ پہنچتے ہیں اور اسلام قبول کرتے ہیں ان کو دیکھئے؟ اپنی ہی قوم کے عظیم الشان دارالسلطنت (مداثرین) کے حاکم بن کر پہنچتے ہیں کل جہاں کی رعیت کے ایک فرد تھے تہج اس ملک کے حکمران ہیں اور اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ اس سے ان کے زہرِ سادگی میں فرق نہیں پڑتا لوگ ان کے حال میں دیکھتے ہیں کہ ایک جھونپڑی میں قیام ہے، سر پر پوچھ ڈھوتے ہیں۔

یہ بلال حبشی ہیں فضیلت و عزت میں اس درجہ کو پہنچتے ہیں کہ امیر المومنین ان کو اپنا سردار کہتے ہیں یہ ابو حذیفہ کے آزاد کردہ غلام ہیں جن میں حضرت عمرؓ کو خلافت کی صلاحیت نظر آتی ہے فرماتے ہیں: اگر حیات ہوتے تو میں ان کو خلیفہ بناتا؟

یہ زید بن حارثہ ہیں، جنگ موتہ کے لئے مسلمانوں کے لشکر کی قیادت کرتے ہیں اور اسی لشکر میں جعفر بن ابی طالب، خالد بن ولید جیسے ممتاز لوگ بھی موجود ہیں اور ان کے بیٹے اسامہ اس لشکر کی قیادت کرتے ہیں جس میں ابو بکرؓ، عمرؓ جیسے افراد موجود تھے۔

یہ ابوذرؓ، مقدادؓ، ابوالدرداءؓ، عمار بن یاسرؓ، معاذ بن جبلؓ اور ابی بن کعبؓ ہیں اسلام کی یاد بھاری کا ایک جھونکا چل جاتا ہے اور وہ دنیا کے نامور زاہدوں اور حلیل القدر عالموں میں دیکھتے دیکھتے شمار ہونے لگتے ہیں۔

یہ علی بن ابی طالبؓ اور عائشہؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ اور زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن عباسؓ ہیں جو نبی اُمّی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی گود میں پل کر دنیا کے عظیم ترین عالموں میں شمار ہونے لگے جن سے علم کی نہریں بہتی ہیں اور حکمت ان کی زبان پر جاری ہو جاتی ہے، قلب کے سچے علم کے گہرے اور تکلف سے دور بات کرتے ہیں تو زمانہ ہمہ تن گوش ہو کر سننے لگتا ہے، خطاب کرتے ہیں تو دنیا کے مٹو رخ کا قلم لکھنے میں مشغول ہو جاتا ہے کہ کوئی لفظ ضائع نہ ہو۔

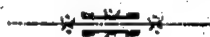
متوازن انسانی مجموعہ

پھر تھوڑا عرصہ بھی نہیں گذرتا کہ تمدن دنیا دیکھتی ہے کہ وہ خام اشیاء جو بکھری پڑی تھیں جن کی معاصر قوموں نے بھی ذرا قدر نہ کی تھی اور پڑوسی ملکوں نے جن کا مذاق اڑایا تھا اس سے ایک ایسا مجموعہ تیار ہوتا ہے کہ انسانی تاریخ نے اس سے زیادہ متوازن و مکمل مجموعہ کمالات نہیں دیکھا، جیسے ایک ڈھلا کوہ یہ معلوم ہی نہیں ہو سکتا کہ اس کا سر کدھر ہے یا باران رحمت کی طرح کہ اس کا پتہ نہ چل سکے کہ اس کا پہلا چھینٹا مبارک ہے یا آخری ایسا مجموعہ جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ کی صلاحیت رکھتا ہے دین و دنیا کی ہر ضرورت کے لئے اس کے پاس سامان موجود ہے اس لئے اس کو کسی سے مدد کی ضرورت نہیں لیکن دنیا اس کی مدد کی محتاج ہے۔

اس نوزائیدہ جماعت نے اپنی تہذیب کی خود بنیاد ڈالی، نئی حکومت کی داغ بیل ڈالی، حالانکہ اس کو اس سے پہلے اس کا کوئی تجربہ نہ تھا، اس کے باوجود اس کو ذرا ضرورت نہ پڑی کہ کسی دوسری قوم سے کوئی آدمی متعارف لے یا کسی انتظام میں کسی حکومت کے مدد چاہے ایسی حکومت کی بنیاد ڈالی جس کا مسدّدو بڑے براعظموں کے وسیع رقبہ میں چلتا تھا، اس کے ہر شعبہ اور ہر ضرورت کے لئے متعدد آدمی ایسے تھے جو اپنی ریاست کا کردگی، امانت و دیانت، قوت اور احساس فہم داری میں بے نظیر تھے، یہ عالمگیر سلطنت قائم ہوئی تو اس نوزائیدہ قوم نے جس پر تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا اس کو پورے آدمی فراہم کئے جن میں کوئی عادل، حاکم، نیک، کوئی امانت دار، خازن، کوئی منصف، قاضی تھا اور کوئی عبادت گزار، قائد، کوئی پرہیزگار اور قوی فوجی تھا، اس ذہنی تربیت کی برکت سے جس کا کام مسلسل جاری تھا، اور اس اسلامی دعوت کی مدد سے جو منتقل چل رہی تھی اس اسلامی حکومت کو اہل ترین خدا ترس، فرض شناس و مستعد کارکن ملتے رہے حکومت کی ذمہ داری

ان ہی اشخاص کے سپرد ہوتی جو ہدایت کو تحصیل و وصول کے جذبہ پر ترجیح دیتے، جو اپنے کو بڑے تحصیلدار کے مبلغ و ہادی سمجھتے جن کی شخصیت میں صلاحیت و صلاح اور دین و دنیا کا صحیح امتزاج ہوتا ان کے اثر سے اسلامی تہذیب اپنی پوری خصوصیتوں کے ساتھ جلوہ گر ہوئی اور دین کے برکات اس طرح وجود میں آئے کہ کچھ کسی دور میں دیکھنے میں نہیں آئے۔

حقیقت میں محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نبوت کی کئی انسانی فطرت کے فضل پر رکھ دی تھی بس وہ کھل گیا اور اس کے تمام خزانے عجائبات، طاقتیں اور کمالات دنیا کے سامنے آ گئے، آپ نے جاہلیت کی شہرہ گ کاٹ دی اور اس کے طلسم کو پاش پاش کر دیا، آپ نے سرکش اور ضدی دنیا کو خدا کی طاقت سے مجبور کر دیا کہ زندگی کی ایک نئی شاہراہ پر گامزن ہوا و تاریخ میں انسانیت کے ایک بالکل نئے دور کا آغاز کرے یہ وہ اسلامی دور ہے جو تاریخ کی پیشانی پر ہمیشہ دکھائی دے گا۔



باب سوم

مسلمانوں کا دورِ قیادت

مسلمانوں کی قائدانہ خصوصیات

مسلمان میدان میں آئے دنیا کی رہنمائی کی باگ انھوں نے اپنے ہاتھ میں لی اور ان بیمار قوموں کو رہنمائی کے اس منصب کے معزول کیا جس پر وہ قابض ہو گئی تھیں اور جس کو انھوں نے کبھی صحیح طور پر استعمال نہیں کیا، مسلمانوں نے دنیا کے انسانوں کو اپنے ساتھ لے کر توازن اور صحیح رفتار کے ساتھ صحیح منزل کی طرف بڑھنا شروع کیا، ان میں وہ تمام صفات جمع تھیں جو ان کو قوموں کی رہنمائی کے منصب جلیل کا اہل ثابت کرتی تھیں اور ان کی نگرانی اور قیادت میں قوموں کی فلاح و سعادت کی ضمانت کرتی تھیں یہ امتیازی صفات حسب ذیل ہیں:-

۱۔ ان کے پاس آسمانی کتاب اور الہی شریعت تھی، اس لئے ان کو قیاس اور اپنی طرف سے قانون سازی کی ضرورت نہیں تھی اور اس طرح وہ جہالت و ناواقفیت و زور کے قانونی رد و بدل اور ترمیم ہولناک غلطیوں اور مظالم سے محفوظ تھے، وہ اپنے سیاست و معاملات میں اتحاد و ہمدردی اور اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارنے پر مجبور نہ تھے، ان کے پاس وحی اور شریعت الہی کی روشنی تھی جس کے سہارے وہ چلتے تھے اور جس سے زندگی کی تمام راہیں اور اس کے موڑ ان کے لئے روشن تھے، ان کا ہر قدم روشنی میں پڑتا تھا اور منزل مقصود ان کو صاف نظر آتی تھی:-

اَوْ مَن كَانَ مِيثَاقَ حَيْثُ وَجَعَلْنَا
لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ مَن
مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ
مِّنْهَا۔

کیا وہ جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس میں
جان ڈالی اور اس کو ایک روشنی عطا فرمائی
جس کی نم سے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے کیا
وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جس کا حال یہ ہے کہ

(سورة الانعام - ۱۲۳) اندھیروں میں گھرا ہوا ہے وہاں سے نکل نہیں سکتا۔

ان کے پاس الہی قانون تھا جس کے مطابق وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتے تھے،
وہ حق و انصاف کے علم بردار بنائے گئے تھے اور ان کو سخت سے سخت اشتعال و برہمی اور
عداوت و بیزاری کی حالت میں بھی انصاف اور صداقت کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے اور نفس کا
انتقام لینے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ
بِاللَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ
شَنَاةُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَنْ لَا تَعْدُوا
إِعْدَائَهُمْ قُرْبُ لِلتَّفْوِي
وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا
تَعْمَلُونَ ۝ (المائدہ - ۸)

مسلمانو! خدا واسطے انصاف کے ساتھ
گو اہی دینے کو آمادہ رہو اور کسی قوم کی دشمنی
کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو
عدل کرو یہی بات زیادہ نزدیک ہے
تقویٰ سے، اور ڈرتے رہو اللہ سے، اللہ
کو خوب خبر ہے جو تم کرتے ہو۔

۲۔ وہ حکومت اور قیادت کے منصب پر مستحکم اخلاقی تربیت اور مکمل تہذیب نفس کے بعد
فائز ہوئے تھے، انھوں نے دنیا کی عام حکمران قوموں اور اہل حکومت کی طرح اپنے تمام اخلاقی عیوب
و نقائص کے ساتھ پستی سے بلند کی کی طرف جست نہیں لگائی تھی، بلکہ ایک طویل عرصہ تک ہی الہی
ان کی اصلاح اور تربیت کرتی رہی تھی اور سالہا سال وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی

کامل نگرانی اور تعلیم میں رہے تھے آپ ان کا تزکیہ فرماتے رہے ان کی مکمل تربیت فرمائی، زہد و رعب کی زندگی کا عادی بنایا، حقیقت و امانت، ایثار و قربانی، خوف خدا کا ان کو جو کر گیا، حکومت و مناصب کی حرص و طمع ان کے دل سے بالکل نکال دی، آپ کا ارشاد تھا کہ بخدا ہم کوئی عہد کسی ایسے شخص کے سپرد نہیں کریں گے جس نے اس کی فرمائش کی یا جس کو اس کی خواہش ہے، ترش، ذاتی سر بلندی اور اعزاز کا شوق، اور فتنہ و فساد کی خواہش سے ان کے دل بالکل صاف ہو گئے تھے، ان کے کانوں میں رات دن قرآن مجید کے یہ الفاظ پڑتے رہتے تھے۔

بَلَا الدَّارَ الْآخِرَةَ يَجْعَلُمَا لِلذَّيْنِ

لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا

فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ

(انقصص - ۸۳) پرہیزگاروں ہی کا ہے۔

اس لئے وہ حکومت کے عہدوں اور منصبوں پر پروانہ دار نہیں گرتے تھے، بلکہ وہ اس قبول کرنے سے گریز کرتے تھے، اور ان کی ذمہ داریوں سے لرزہ بر اندام ہو جاتے تھے، ان میں سے ہر ایک پیچھے ہٹتا تھا، اور اپنے کو اس بار کا سزاوار نہیں سمجھتا تھا چہ جائے کہ وہ اپنا نام حکومت کے لئے پیش کریں، اپنے منہ سے تعریف کریں اور اپنی ذات کے لئے پروگنڈا کریں پھر جب وہ کسی ذمہ داری کو اپنے ہاتھ میں لے لیتے تو اس کو مال غنیمت یا القوم ترنہ سمجھتے بلکہ اس کو اپنے ذمہ ایک امانت اور اللہ کی طرف سے آزمائش سمجھتے اور یقین رکھتے کہ اللہ کے سامنے ان کو حاضر ہونا ہے، اور ہر چھوٹی بڑی چیز کا جواب دینا ہے، وہ یہ آیت ہمیشہ پیش نظر رکھتے۔

لے روایت بخاری و مسلم۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا
الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا خَلَبْتُمْ
بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ
مسلماؤ! اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت
والوں کی امانتیں ان کو پہنچا دو اور
جب فیصلہ کرنے کو لوگوں میں تو فیصلہ
کرو انصاف سے۔ (النساء - ۵۸)

نیز یہ ارشاد:-

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ
الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ
دَرَجَاتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ إِنَّ
رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّ
لَعَذَابُ رَبِّكُمْ لَشَدِيدٌ (الانعام - ۱۶۶)
اور اسی نے تم کو زمین میں نائب کیلئے اور
تم میں ایک کے ایک پر درجے بلند کئے تاکہ جو
نعمتیں تم کو دی ہیں ان میں تمہاری آزمائش
کے لئے جیک تمہارا پروردگار جلد مقرر دے والا
اور وہی بخشنے والا مہربان ہے۔

۳۔ وہ کسی قوم کے خدمت گزار اور کسی نسل و وطن کے نمائندے نہ تھے جن کے پیش نظر محض اس کی
خوشحالی اور ترقی ہی مواد جو اس کی برتری اور تمام اقوام و اوطان پر اس کی سیادت کے قائل ہوں اور
حقیقت رکھتے ہوں کہ ان کی قوم تمہارا حکومت کرنے کے لئے اور باقی تمام قومیں اس کی محکوم بننے کے لئے
پید کی گئی ہیں وہ عرب سے اس لئے نہیں بن سکے تھے کہ دنیا میں عربی شہنشاہی کی بنیاد ڈالیں اور
اس کے زیر سایہ راحت و عشرت کی زندگی گزاریں اور اس کے زیر حمایت دوسروں پر فخر و تکبر کریں
نہ اس لئے کہ لوگوں کو رویوں اور ایرانیوں کی غلامی سے نکال کر عربوں کی اور اپنی غلامی میں داخل
کر لیں وہ صرف اس لئے بن سکے تھے کہ وہ بندگانِ خدا کو اپنے جیسے تمام بندوں کی بندگی سے نکال کر
اللہ وحدہ لا شریک لہ کی بندگی میں داخل کریں مسلمانوں کے سفیر ربیع بن عامر نے یزید گرد شاہ ایران کے
بھرے دربار میں اسی حقیقت کا اعلان کیا انھوں نے کہا اللہ نے ہم کو اس لئے بھیجا ہے کہ لوگوں کو

بندوں کی بندگی سے نکال کر ایک لشکر کی بندگی کی طرف دنیا کی تنگی سے رہائی دے کر اس کی وسعت کی طرف اور مذاہب کے ظلم و ستم سے نجات دے کر اسلام کے عدل و انصاف میں لائیں۔ پس دنیا کی تمام قومیں اور تمام انسان اُن کی نگاہ میں ایک حیثیت رکھتے تھے اگر فرق تھا آٹھ حصّہ دین کا رسول اللہ کے اس ارشاد پر اُن کا پورا عمل تھا:-

الناس كلهم من آدم و آدم من
تواب لا فضل لعربي على عجمي
ولا لعجمي على عربي الا بالتقوى^۱
انسانوں کی ابتدا آدم سے ہے اور آدم کی
خلقت مٹی سے نہ کسی عرب کو کسی غیر عرب پر
فضیلت ہے نہ کسی غیر عرب کو عرب پر
سوائے تقویٰ کے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ
وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ
لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ
أَتْقَاكُمْ^۲
اے آدمیو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک
عورت سے بنایا اور تمہاری ذاتیں اور قبیلے
رکھے تاکہ آپس کی پہچان ہو اللہ کے یہاں
اسی کی عزت زیادہ ہے جو خدا ترسی اور

(الحجرات - ۱۳) تقویٰ میں بڑھا ہوا ہے۔

حاکم مصر حضرت عمرو بن العاص کے بیٹے نے ایک مصری کو ایک موقع پر کوڑا مارا اور اپنے
باپ دادا پر فخر کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصری کو ان سے بدلہ لینے کا حکم دیا اور عمرو بن العاص
سے کہا "تم نے کبے لوگوں کو غلام بنایا، حالانکہ وہ اپنی ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوئے ہیں"
ان فاتحین اور حکمرانوں نے دین و علم و تہذیب کی بخشش میں کبھی بخل و تنگدلی سے کام
نہیں لیا اور حکومت و اعزاز کے بارہ میں کبھی وطنیت اور رنگ و نسب کا لحاظ نہیں کیا

۱۔ البدایہ النہایہ ابن کثیر۔ ۲۔ خطبہ حجۃ الوداع۔ ۳۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ عمر بن الخطاب ابن جوزی ص ۵۴

وہ ایک ابرکرم تھے جو تمام عالم پر محیط تھا اور اس کا فیض سب کے لئے عام تھا جو سارے عالم کو
سیراب کرتا گیا، اور زمین کے ہر حصہ نے اس کو دعائیں دیں اور مخلوقات نے اپنی اپنی استعداد
اور قابلیت کے مطابق اس سے نفع اٹھایا۔

رہے اس سے محروم آبی نہ حنا کی
ہری ہو گئی ساری کھیتی خدا کی

ان لوگوں کے زیر سایہ اور زیر حکومت دنیا کی تمام قوموں کو بلا اختلاف رنگ و نسل دین
علم و تہذیب اور حکومت میں اپنا پورا پورا حصہ لینے اور عربوں کے ساتھ دنیا کی تعمیر نو میں شریک
ہونے کا پورا موقع ملا، بلکہ ان کے بہت سے افراد بہت سی فضیلتوں میں عربوں سے سبقت لے گئے،
اور ان میں ایسے ائمہ فقہاء اور محدثین پیدا ہوئے جو خود عربوں کے سرکاتاج اور مسلمانوں کا سرمایہ فخر
ہیں ان خلدون کے الفاظ میں یہ ایک عجیب تاریخی حقیقت ہے کہ ملت اسلامیہ کے حاملین علم میں
باستثناء چند اکثر غیر عرب ہیں، کیا علوم شرعیہ میں اور کیا علوم عقلیہ میں اور اگر ان میں سے کوئی
عربی النسب ہے تو وہ اپنی زبان تربیت اور اساتذہ کے اعتبار سے بھی ہے یا وجود اس کے کہ

لے حضرت ابو موسیٰ اشعری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ نے جس ہدایت و علم کے ساتھ مجھے
بھیجا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی زمین پر ایک بڑی بارش ہوئی اس کا ایک ٹکڑا نرم اور صاف تھا اس نے پانی کو
قبول کر لیا اور بڑا سبزہ اور ہری گھاس پیدا ہوئی کچھ حصے سنگلاخ اور بنجر تھے، انھوں نے پانی کو روک لیا اور لوگوں
اس سے نفع اٹھایا، پیا اور پلایا، اور ایک ٹکڑا ایسا تھا کہ بالکل چٹیل میدان نہ پانی کو روک سکتا ہے اور نہ اس
میں سبزہ اگ سکتا ہے، یہ مثال ان کی ہے جنھوں نے دین کی سمجھ حاصل کی اور اللہ نے جس چیز کے ساتھ مجھے بھیجا ہے
اس سے ان کو نفع پہنچا، انھوں نے سیکھا اور سکھایا اور آخری مثال اس کی ہے جس نے سر بھی اٹھا کر نہ دیکھا کہ میں
کیا لایا اور اللہ کی اس ہدایت کو قبول نہیں کیا جو مجھے دے کر اس نے بھیجا۔ (صحیح بخاری کتاب العلم)

دین عربی ہے اور اس کی شریعت کے کربو پیغمبر آئے وہ بھی عرب ہی سے تعلق رکھتے تھے پھر بعد کی صدیوں میں بھی ان غیر عرب مسلمانوں میں ایسے قائد حکمران وزراء فضلاء علماء اور شائخ پیدا ہوئے جو زمین کی زینت اور انسانیت کا گل سرسبد اور اپنی فضیلت شرافت نفس جوہر و قابلیت اور دینداری اور علم میں نوادہ وزگار تھے اور ان کی اتنی بڑی تعداد ہے کہ خدا کے سوال ان کا کوئی صحیح شمار نہیں کر سکتا۔

۴۔ انسان مجموعہ ہے جسم و روح، قلب و عقل و جوارح کا، انسان حقیقی سعادت اور صلاح اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتا اور انسانیت کو متوازن ترقی نہیں ہو سکتی جب تک کہ انسان کی یہ تمام قوتیں متناسب طور پر اس کے مرتبہ کے نمایاں شان نشوونما اور پرویش نہ پائیں، دنیا میں صالح تمدن کا اس وقت تک وجود نہیں ہو سکتا جب تک کہ ایک ایسا دینی، اخلاقی، عقلی، مادی ماحول نہ قائم ہو جائے جس میں انسان کے لئے بہولت تمام اپنے کمال انسانی کو پہنچنا ممکن ہو اور تجربہ ثابِت کر دیا ہے کہ یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ زندگی کی رہنمائی اور تمدن کی جہازدانی ان لوگوں کے ہاتھ میں نہ ہو جو روحانیت و مادیت دونوں کے قائل دینی و اخلاقی زندگی کا نمونہ، کامل عقل سلیم اور علم صحیح سے متصف ہوں، اگر ان کے عقیدہ یا تربیت میں ذرا سا بھی رخنہ یا دھبہ ہوگا تو وہ ان کے قائم کردہ تمدن میں بہت پھیل جائے گا، اور مختلف مظاہر اور صورتوں میں ظاہر ہوگا اگر کوئی ایسی جماعت غالب آگئی جو صرف مادیت کی پرستار مادی لذتوں اور محسوس منفعتوں کی قائل اور معتقد ہے وہ اس زندگی کے علاوہ کسی اور زندگی پر اعتقاد نہیں رکھتی اور جو اس کے ماوراء کسی اور حقیقت پر اس کا یقین نہیں تو اس کے مزاج اس کے اصول اور میلانات کا اثر تمدن کی شکل و ساخت پر پڑنا ناگزیر ہے وہ تمدن اُس کے مخصوص سانچوں میں ڈھل کر رہے گا اور اس پر اس کی چھاپ ہمیشہ باقی رہے گی، اس کا نتیجہ ہوگا کہ انسانیت کے

بہت خانے بھر جائیں گے اور بہت سے خانے خالی رہ جائیں گے، اس تمدن کی نمود صرف اینٹ پتھروں کا غذا کپڑے اور لوہے اور سیسے میں ہوگی، جنگ کے میدان، عدالتیں، لہو و لعل کے مرکز اور عیش و عشرت کے حلقے اس کے مرکز ہوں گے اور وہاں وہ اپنی پوری بہار اور شباب پر ہوگا، باقی دل اور روح، لوگوں کے اخلاق، خانگی زندگی اور معاشرت تعلقات باہمی اور معاملات اس کے حلقہ اثر سے خارج ہوں گے اور وہاں انسان حیوانات سے متوازن ہوگا، تمدن کی کیفیت اس حجم کی سی ہوگی جس میں غیر طبعی فریب طاری ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ ظاہری نگاہ میں بڑا شاندار اور پر شکوہ معلوم ہوتا ہے لیکن اندرونی طور پر وہ بیسوں امراض اور تکالیف میں مبتلا ہوتا ہے اس کا قلب ضعیف اور ماؤف ہوتا ہے اور اس کی صحت نقطہ اعتدال سے ہٹی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف اگر اسی جماعت غالب آجائے جو سرے سے مادیت کی منکریا اس کی طرف بے پرواہ اور صرف روحانیت اور ابعاد الطبیعیات حقائق کی قائل ہو اور اس کا رویہ زندگی کے بارے میں مخالفت اور معاندانہ ہو تو تمدن کا شاداب پھول کھلا جائے گا، انسانی قوتیں اور فطری صلاحیتیں ٹھٹھ جائیں گی، اس قیادت کے اثر سے لوگ صحراؤں اور غاروں کی زندگی کو شہری زندگی اور تجرد کو ازدواجی زندگی پر ترجیح دینے لگتے ہیں، خود آزادی اور جہانی تعزیر تحس ہو جاتی ہے تاکہ حجم کا تسلط کمزور پڑ جائے اور روح پاک بے آمیز ہو جائے لوگ صحت کو زندگی پر ترجیح دیتے ہیں تاکہ مادیت کے پرشور اور پُر تلاطم اقلیم سے نکل کر روحانیت کی پرسکون اور پُر امن اقلیم میں پہنچ جائیں اور وہاں اپنی تکمیل کے مدارج حاصل کریں اس لئے کہ ان کے عقیدہ میں اس عالم ادنیٰ میل انسان کی تکمیل ممکن نہیں اس کا طبعی نتیجہ ہوتا ہے کہ تمدن پر عالم نریت طلاری ہو جاتا ہے شہر ویرانے بننے لگتے ہیں اور زندگی کا شیرازہ بکھرنے لگتا ہے، چونکہ یہ اصول و عقائد فطرت انسانی سے برسرِ جنگ ہیں اس لئے فطرت ان کے خلاف رہ رہ کر بغاوت کرتی ہے اور اس کا انتقام

ایسی حیوانی مادیت سے ملتی ہے جس میں روحانیت و اخلاق کے ساتھ کوئی رواداری نہیں
 رہتی جانی، اس انقلاب میں انسانیت کی جگہ ایک چوپایہ زندگی یا درندگی یا مسخ شدہ انسانیت
 برسرِ ظہور ہو جاتی ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس رہبانی جماعت پر کوئی طاقت و رمادی جماعت
 حملہ آور ہوتی ہے اور پہلی جماعت اپنی فطری کمزوری کی وجہ سے اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز
 ہو کر حملہ آور جماعت کے سامنے ہتھیار ڈال دیتی ہے، یا رہبانی جماعت خود اور دنیاوی کے افعال
 میں مشکلات محسوس کر کے مادیت اور اہل مادیت کی طرف مدد کا ہاتھ بڑھاتی ہے اور تمام سیاسی
 امور ان کو سپرد کر کے خود عبادات اور مذہبی رسوم پر قانع ہو جاتی ہے اور دین و سیاست کی تفریق
 وجود میں آتی ہے، روحانیت و اخلاق روز بروز بے اثر اور عملی زندگی سے بے دخل ہوتے چلے جاتے
 ہیں، یہاں تک کہ انسانی سوسائٹی ان کی گرفت سے بالکل آزاد ہو جاتی ہے، زندگی خالص مادہ پرستانہ
 بن کر رہ جاتی ہے اور دین و اخلاق صرف ایک سایہ ہی سایہ بن کر یا ایک علمی نظریہ کے طور پر باقی
 وہ جاتے ہیں، دنیا کی کتر جماعتیں (جنہوں نے بنی نوع انسان کی قیادت و رہنمائی کی ہے)
 اس عیسے خالی تھیں یا وہ مادہ پرست تھیں یا رہبانی، اس لئے انسانی تمدن اپنے اکثر عہد میں
 حیوانی مادیت اور رہبانی روحانیت کے درمیان جھولا جھوتتا رہا، اور انسانوں کی کشتی حیات
 ڈواں تہائی سروں کے درمیان بچکولے کھاتی رہی، کبھی مادیت کا غلبہ ہو گیا اور کبھی روحانیت کا
 اعتدال و جامعیت بہت کم اس کو نصیب ہوئی۔

صحابہ کرامؓ کا امتیاز

صحابہ کرامؓ کی خصوصیت تھی کہ وہ دین و اخلاق اور قوت و سیاست کے مکمل پیکر تھے،
 اور ان کی منتشر صفات ان میں بیکے وقت جمع تھیں، ان میں انسانیت کی اپنے تمام گوشوں شجول

اور محاسن کے ساتھ نمود تھی اس اخلاقی اور اعلیٰ روحانی تربیت اس عجیب و غریب اعتدال (جو انسانوں میں کمتر دیکھنے میں آتا ہے) اس غیر معمولی جامعیت جس کی مثال تاریخ میں بہت کم ملتی ہے اور پھر مکمل مادی تیاری اور وسیع عقل کی بنا پر ان کے لئے ممکن تھا کہ وہ انسانی گروہوں کو ان کے اعلیٰ روحانی و اخلاقی و مادی مقصد و کمال تک پہنچا سکیں چنانچہ ہم کو تاریخ میں خلافت راشدہ کے دور سے زیادہ ان تمام حیثیتوں سے مکمل اور کامیاب دور کا علم نہیں اس دور میں روحانی و اخلاقی دینی و علمی و روحانی وسائل و سامان انسانِ کامل اور صالح تمدن کے وجود میں لائے میں ایک دوسرے کے مددگار تھے اس حکومت میں جس کا شمار دنیا کی عظیم ترین حکومتوں میں تھا اور ایسی سیاسی و مادی قوت کے ساتھ جو تمام معاصر قوتوں سے فائق و برتر تھی اعلیٰ اخلاقی نمونے معیار کا کام دیتے تھے اور اخلاقی تعلیمات زندگی اور نظام حکومت کے لئے میزان کا درجہ رکھتی تھیں تجارت و صنعت کے ساتھ اخلاق و فضیلت بھی اپنے پورے عروج پر تھی فتوحات کی وسعت اور تمدن کی ترقی کے ساتھ اخلاق و روحانیت کی ترقی بھی جاری تھی چنانچہ اسلامی حکومت کی غیر معمولی وسعت آبادی کی انتہائی افزونی حدیث و عشرت کے وسائل اسباب اور ترفیعات کے باوجود جرائم و بد اخلاقیوں کے واقعات بہت کم پیش آتے تھے فرد کا دوسرے فرد کے ساتھ اور فرد و جماعت کا باہمی تعلق حیرت انگیز طریقہ پر بہتر تھا یہ ایک معیاری دور تھا جس سے زیادہ ترقی یافتہ دور کا انسان خواب نہیں دیکھ سکا اور اس سے زیادہ مبارک و پُر بہار زمانہ فرض نہیں کیا جاسکا۔ یہ نتیجہ تھا محض ان لوگوں کی سیرت کا جو حکومت کا کاروبار چلا رہے تھے اور تمدن کے نگراں تھے اور ان کے عقیدہ تربیت طرز حکومت اور اصول سیاست کا اس لئے کہ وہ جہاں اور جس حال میں ہوتے دینِ اخلاق کا اعلیٰ نمونہ تھے وہ حکام کی حیثیت میں ہوتے یا معمولی کارکنوں کی پولیس کی حیثیت میں ہوتے یا فوج کی ہمیشہ محتاط و پاک دامن دیانت دار امانت شعار خدا ترس اور سکر مزاج پائے جاتے۔

ایک رومی سردار سلمان فوجوں کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے "رات کو تم ان کو عبادت گزار پاؤ گے اور دن کو روزہ دار و عہد وفا کرتے ہیں بھلائی کا حکم دیتے ہیں، بُرائی سے روکتے ہیں اور آپس میں پورا انصاف اور مساوات برتتے ہیں"۔

دوسرے کے الفاظ ہیں وہ دن کو خنجر سوار ہوتے ہیں اور رات کو عبادت گزار اپنے مضبوط علاقہ میں بھی وہ قیمت دے کر کھاتے ہیں، سلام کر کے داخل ہوتے ہیں اور ایسا حجم کر لیتے ہیں کہ دشمن کا خاتمہ ہی کر دیتے ہیں"۔

ایک تیسرے شخص نے ان الفاظ میں تعریف کی "رات کو دیکھو گے تو معلوم ہوگا کہ ان کو دنیا سے کچھ تعلق نہیں اور عبادت کے سوا کوئی کام نہیں" اور دن کو گھوڑے کی پیٹھ پر اس طرح نظر آئیں گے کہ گویا یہی کام ہے، بڑے تیر انداز اور بڑے نیزہ باز خدا کی یاد میں اس طرح مشغول و تڑپاں کہ ان کی مجلس میں کسی بات کا سننا مشکل ہوتا ہے"۔

اسی اخلاقی تربیت کا نتیجہ تھا کہ مدائن کی فتح میں کسریٰ کا مقصد تاج اور اس کا فرش بہار جو لاکھوں شرفیوں کی اہلیت کا تھا، فوج کے ہاتھ لگتا ہے لیکن کیا مجال کہ اس میں ذرا بھی تصرف کیا جاتا وہ قائد کے حوالہ کر دیتے ہیں اور قائد حضرت عمرؓ کو بھیج دیتے ہیں وہ تعجب کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے اس کو حوالہ کر دیا اور حفاظت کے ساتھ پہنچایا ان کی امانت واقعی قابلِ تعریف ہے۔

دنیا اور دنیا کی زندگی کے بارے میں سلامی نقطہ نظر و طرز عمل

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیروں کی یہ پہلی جماعت ایسی ہی تھی کہ اس کے سایہٴ

لہ روایت احمد بن مروان مالکی کتاب المجالس۔ ۱۵ البدایہ والنہایہ (ابن کثیر) جلد ۷ ص ۳۵

۱۵ ایضاً ص ۱۶ ۱۵ سیرۃ عمر بن الخطاب ابن جوزی۔

اس کی حکومت میں نوع انسانی کو پوری کامیابی و سعادت حاصل ہوا اور اس کی قیادت میں اس کا جو قدم پڑے وہ صحیح پڑے اور صحیح منزل کی طرف اٹھے، دنیا کو ہر قسم کا اطمینان اور فانی البانی ہر طرح کی سرسبزی و شادابی اور خیر و برکت حاصل ہوا انسانوں کی مصلحتوں کا ان سے زیادہ جاننے والا اور ان سے زیادہ ان کا خیال رکھنے والا، دنیا کے لئے ان سے بہتر نگراں و محافظ اور انسانوں کا ان سے بڑھ کر خیر خواہ کوئی نہیں ہو سکتا تھا، وہ بعض اہل مذاہب کی طرح دنیا کی زندگی کو لعنت کا طوق نہیں سمجھتے تھے اسی کے ساتھ وہ اس کو عیش و عشرت کی آخری فرصت و مہلت بھی نہیں سمجھتے تھے کہ اس کا ایک ایک منٹ قیمتی سمجھتے، اور اس کے لازماً اور ہم کو کسی دوسرے دن کے لئے نہ اٹھا رکھتے، اسی طرح سے وہ اس زندگی کو کسی سابق قدیم گناہ کی سزا بھی نہیں سمجھتے تھے، جو ان کے لئے مقدر ہو چکی ہے، نیز مادہ پرست اقوام کی طرح وہ دنیا کو خوانِ یغما بھی نہیں سمجھتے تھے، جس پر وہ بھوکوں کی طرح گریں اور زمین کی دولتوں اور خزانوں کو پڑا ہوا لادارشی مال نہیں سمجھتے تھے، جس کے لوٹنے کے لئے وہ ٹوٹ پڑیں، وہ کمزور قوموں کو شکار نہیں سمجھتے تھے جس کے شکار کرنے کے لئے وہ ایک دوسرے سے مقابلہ کریں ان کا اعتقاد تھا کہ یہ زندگی اللہ کی ایک نعمت ہے جس میں اللہ سے قرب حاصل کرنے اور اپنے کمال انسانی تک پہنچنے کا ان کو موقع دیا گیا ہے اور عمل اور جدوجہد کی ایک مہلت ہے جس کے بعد اس کے لئے کوئی مہلت نہیں۔

الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ
جس نے مرنا اور حیا بنایا تاکہ تم کو جانچے

اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (الملک - ۲)
کہ کون تم میں عمل میں بہتر ہے۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلٰی الْاَرْضِ زِينَةً
ہم نے جو کچھ زمین پر ہے اس کو اس کی دینی

لَهَا لِيَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا
بنایا ہے تاکہ لوگوں کو جانچیں کہ کون ان میں

(الکہف - ۷) زیادہ اچھے کام کرتا ہے۔

وہ اس عالم کو اللہ کی مملکت سمجھتے تھے جس میں اللہ نے ان کو اول بحیثیت انسان کے اور پھر بحیثیت مسلمان کے اپنا نائب اور اہل زمین کا نگران بنایا۔

إِلَىٰ جَاعِلٍ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ

میں زمین میں ایک نائب بنانے والا

(البقرہ - ۳۰) ہوں۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ

وہی ہے جس نے جو کچھ زمین میں ہے

جَمِيعًا ۚ (البقرہ - ۲۹)

سب تمہارے واسطے پیدا کیا۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَجَعَلْنَا فِيهِم مِّن

ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی اور انکی

فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَفَعْنَا فِيهِم مِّن

وتری دونوں میں اس کی سواری کا سامان کیا

الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْكُتُبَ وَفَعَّلْنَا

اور اچھی چیزیں اس کی روزی کے لئے

خَلْقَنَا أَفْضِلًا ۚ

ہتیا کر دیں اور جو مخلوقات ہم نے پیدا کی ہیں

(بنی اسرائیل - ۷۰)

ان میں سے اکثر پر اسے پوری پوری برتری

دے دی۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کرتے ہیں

الصَّالِحَاتِ لَنَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ

ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کی خلافت

كَمَا مَخْلَفْنَا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ

مزد و عطا کرے گا جیسے ان لوگوں کو عنایت

وَلَنُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ

کی تھی جو ان سے پہلے تھے اور جو بن کو ان کے

لَهُمْ وَلَنَسَيِّدَنَّ لَهُمْ فَنَنْبُدَّ خَوْفَهُم

لئے پسند کیا ہے اس کو ان کے لئے جا کر رہے گا اور

أَمْنًا يَبْعُدُ وَنَبْنِي لَا يَشْرِكُونَ

خون جو ان کو لاحق ہے اس کے بدل میں من

بِشَيْئًا ۚ (النور - ۵۵)

دے گا میری بندگی کریں گے میرا کسی کو شریک

نہ کریں گے۔

اُن کو اللہ نے زمین کی دولتوں سے بغیر اسراف و فضول خرچی کے فائدہ اٹھانے کا حق بخشا۔

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ

کھاؤ پیو مگر حد سے نہ گز جاؤ خدا نہیں پسند

الْمُسْرِفِينَ ۵ (اعراف - ۳۱)

نہیں کرتا جو حد سے گزر جانے والے ہیں۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي

اے پیغمبر ان لوگوں سے کہو خدا کی زینتیں

أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ

جو اُس نے اپنے بندوں کے برتنے کے لئے

الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي

پیدا کی ہیں اور کھانے پینے کی اچھی چیزیں کہ

الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِقَا لِحَافَتِهِمْ يَوْمَ

حرام کی ہیں؟ تم کہو نعمتیں تو اسی لئے ہیں کہ

الْقِيَامَةِ -

ایمان والوں کے کام آئیں دنیا کی زندگی

میں قیامت میں خالص ہو کر۔ (اعراف - ۳۲)

ان کو دنیا کی قوموں اور انسانی گروہوں پر نگراں اور تالیق مقرر کیا ہے اور وہ ان پر

امور ہیں کہ وہ اُن کی رفتار سیرت و اخلاق اور رجحانات کا جائزہ لیتے رہیں جو راہِ راست سے

مخرف ہو جائے اُس کو صراطِ مستقیم پر لائیں جو اعتدال سے بڑھ جائے اس میں اعتدال پیدا کریں

کجی کو دور کرتے رہیں رخنوں کو بھرتے رہیں کمزور کو طاقتور سے اس کا حق دلائیں مظلوم کا ظالم

سے انصاف کرائیں اور خدا کی زمین میں انصاف و امن قائم رکھیں۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ

تم سب امتوں سے بہتر ہو جو بھی گئی عالم

تَامُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ

میں اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور بُرے

عَنِ الْمُنكَرِ أُولَٰئِكَ مَتَوَاتٍ بِحَمْدِ اللَّهِ

کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان

(آل عمران - ۱۱۰) لاتے ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَقْوَامًا

اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو

يَا نَقِصُطُ شُهَدَاءَ اللَّهِ (النساء ۴۵) اللہ کی طرف سے گواہ بنو۔

ایک یورپین نو مسلم عالم نے مسلمانوں کے اس اقیانوس کو اور دنیا کی زندگی کے بارہ میں اس مختل نقطہ نظر اور طرز عمل کو بڑی خوبی سے بیان کیا ہے اس کا اقتباس نامناسب نہ ہوگا:

”اسلام عیسائیت کی طرح دنیا کے متعلق بڑی رائے نہیں رکھتا، اس کی تعلیم ہے کہ

ہم دنیاوی زندگی کی قدر و قیمت میں موجودہ مغربی تہذیب کی طرح مبالغہ نہ کریں،

عیسائیت دنیاوی زندگی کی مذمت کرتی ہے اور اس سے نفرت رکھتی ہے، موجودہ یورپ

روح عیسویت کے خلاف زندگی پر ایسا کرتا ہے جیسے بواہوس کھلنے پر وہ اس کو نکلتا تو

لیکن اس کی عزت کرنا نہیں جانتا، اسلام ان دونوں کے برعکس زندگی کو سکون و احترام

کی نگاہ سے دیکھتا ہے، وہ زندگی کی پرورش نہیں کرتا بلکہ ایک بلند تر زندگی کے سفر کی ایک

مزدوری منزل سمجھتا ہے جس سے گزر جاتا ہے، اس بنا پر انسان کو اس کی تحقیر اور اپنی

اس دنیاوی زندگی کی بے وقعتی نہیں کرنی چاہئے، زندگی کے سفر میں بہار اس دنیا سے

گزرنا ضروری اور اللہ کے یہاں قدر ہو چکا ہے، پس انسان کی زندگی اپنی پوری قیمت

رکھتی ہے لیکن ہم کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ وہ محض ایک واسطہ اور آلہ ہے، اور اس کی قیمت

اس سے زائد نہیں جو واسطوں اور آلات کی ہوتی ہے، اسلام اس مادہ پرستانہ نظریہ کا

روادار نہیں جس کا قول ہے کہ میری سلطنت یہی دنیا ہے اور نہ وہ عیسائیت سے متفق

ہے جو زندگی کی تحقیر کرتی ہے، اور کہتی ہے کہ یہ دنیا میری سلطنت نہیں، اسلام کی راہ ان

دونوں کے درمیان ہے، قرآن ہم کو اس جامع دعا کی تعلیم دیتا ہے ”وَبَنَّا آيَاتِنَا فِي الدُّنْيَا

حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً“ (لے اللہ ہم کو دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی)

اس دنیا اور اس کی چیزوں کی قدر شناسی ہماری روحانی جدوجہد کے راستہ میں رنگ گراں نہیں

مادی ترقی اور خوش حالی نہ مقصود بالذات ہے اور نہ ناپسندیدہ فشی، ہماری ساری کوششوں اور جدوجہد کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ ایسے انفرادی و اجتماعی حالات و اسباب پیدا ہو جائیں، اور ایسا ماحول قائم ہو جائے، اور اگر موجود ہے تو ہم اس کو باقی رکھیں جو انسان کی اخلاقی طاقت کی ترقی میں مددگار ہو، اس اصول کے مطابق اسلام مسلمان میں ہر چھوٹے بڑے کام کے موقع پر اخلاقی ذمہ داری کا احساس پیدا کرنا چاہتا ہے، اسلام کا مذہبی نظام انجیل کی اس تقسیم کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ قیصر کا حق قیصر کو دے دو اور اللہ کا حق اللہ کو دو، اس لئے کہ اسلام ہماری زندگی کی ضرورتاً کو اخلاقی اور عملی قسموں میں تقسیم کرنے کا روادار نہیں، اس کے نزدیک انتخاب کا ایک ہی حق ہے اور وہ یہ کہ انسان یا خود کو اختیار کر لے یا باطل کو، اس کے نزدیک کوئی درمیانی چیز نہیں، اس لئے وہ عمل پر زور دیتا ہے کہ وہ اخلاق کا ایک لازمی جزو ہے، اسلامی تعلیمات کی رو سے ہر فرد مسلم کو اپنے آپ کو ماحول اور اس کے گرد و پیش کے واقعات کا شخصی طور پر جواب دہ سمجھنا چاہئے، اور اپنے تئیں دینی جدوجہد کے لئے مامور اور ہر وقت اور ہر سمت میں حق کے قیام اور باطل کے زوال کا ذمہ دار تصور کرنا چاہئے، قرآن کریم ارشاد ہے:-

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ
 تَارِفُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ
 عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللهِ

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا
 کی گئی، نیکی کا حکم دیتے ہو اور بُرائی سے
 روکتے ہو اور اللہ پر ایمان

لاتے ہو۔ (آل عمران ۱۱۰)

یہی بات اسلام کی جارحانہ کارروائی، ابتدائی اسلامی فتوحات اور اسلامی ملکیت کو

اخلاقی طور پر حق بجانب ثابت کرتی ہے، پس اسلام استعماری (IMPERIALIST) ہے اگر یہ مفہوم انھیں الفاظ سے ادا ہو سکتا ہے، لیکن استعمار IMPERIALISM کی اس قسم کی محرک حکومت اور غلبہ کی محنت بالکل نہیں اور نہ اقتصادی اور خود غرضی کو اس میں کچھ دخل ہے، مجاہدینِ اولین کو جو چیز میدانِ جنگ میں بڑے ذوق و شوق کے ساتھ لے جاتی تھی وہ دوسروں کی دولت و محنت کے ذریعہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے کی لالچ نہ تھی اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ایک یا دنیاوی ڈھانچہ بنا دیا جائے جس میں انسان کے لئے بہتر سے بہتر روحانی ترقی ممکن ہو، اسلامی تعلیمات کی رو سے اخلاق و فضیلت کا علم انسان سے اخلاقی ذمہ داری کا مطالبہ کرتا ہے یہ بڑی بے غیرتی کی بات ہے کہ انسان نظری طور پر حق و باطل میں امتیاز کرے، پھر حق کی ترقی اور باطل کے زوال کے لئے جدوجہد کرے، اسلام کی رو سے اگر انسان حق اور نیکی کے غلبہ اور حکومت کے لئے سعی و جانفشانی کرتا ہے تو وہ زندہ رہتی ہے اور بھلائی پھولتی ہے اور اگر اس کی مذکور تقویت میں دریغ کرتا ہے اور اس کی حمایت نہ صرف سے دست کشی کرتا ہے تو اس کو زوال ہو جائے گا اور وہ بالکل منسوب ہو جائے گی۔

اسلامی اقتدار اور اسلامی تمدن کے اثرات و نتائج

پہلی صدی ہجری میں اسلامی تمدن کا اپنی پوری روح اور مظاہر کے ساتھ ظہور اور اسلامی حکومت کا اپنی صحیح شکل و نظام کے ساتھ قیام مذاہبِ اخلاق کی تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز اور سیاست و اجتماع کی دنیا میں ایک بالکل نیا واقعہ تھا، اس انقلاب سے تمدن کے دھائے کا رخ

اور دنیا کے سفر کی سمت بدل گئی، اسلام کی عظیم الشان فتح جاہلیت کے لئے ایک ایسی آزمائش اور خطرہ تھا جس سے اس کو اس سے پہلے کبھی سابقہ نہیں پڑا تھا، ابھی تک اس کے حریف (اسلام)

کی حیثیت ایک دینی اور روحانی دعوت سے زیادہ نہ تھی، اب دفعۃً وہ سب کچھ ہو جاتا ہے، سعادت و نجات کا پورا نظام، روحانیت و مادیت کا مکمل مجموعہ، زندگی اور موت کا پورا منظر، ایک مکمل تمدن اور اجتماع، ایک طاقتور حکومت، ایک کامل نظام سیاسی۔

اب ایک طرف ایک ایسا معقول سہل الفہم اور ممکن العمل دین تھا جو سراسر حکمت و معقولیت تھا، دوسری طرف محض اوہام و خرافات اور قصہ کہانیاں، ایک طرف الہی شریعت اور آسمانی وحی تھی اس کے مقابلہ میں محض قیاس اور انسانی تجربہ اور انسانوں کا بنایا ہوا قانون۔

ایک طرف ایسا بلند و برتر تمدن تھا جس کی بنیاد غیر متزلزل اور جس کے اصول غیر تبدیل خوف خدا، احتیاط و امانت کی روح اس کے پورے نظام میں جاری و ساری تھی اس کے حلقہ میں دولت و عزت کے مقابلہ میں خلاق و پارسائی اور کھوکھلے مظاہر کے مقابلہ میں روح اور اصلیت کی عزت و قیمت زیادہ تھی، لوگوں میں مساوات تھی اور اگر کسی کو کسی پر ترجیح حاصل تھی تو محض تقویٰ کی بنا پر، لوگوں کی بڑی توجہ اور اصل کو شش آخرت کے لئے تھی، اس لئے طبعیتوں میں اطمینان اور دلوں میں قناعت تھی، زندگی کے سامان و ابواب میں کوئی حرص و مبالغت اور دنیا کی دولت پر پروانہ و وارفتگی نہیں تھی اس کے مقابلہ میں جاہلی تمدن تھا پر شواہد و پرتلاطم، متزلزل اور مضطرب، بڑا چھوٹے پر ظلم کرتا تھا اور طاقتور کمزور کو کھائے ڈالتا تھا، اہو و لعب اور براخلاقی میں مبالغت اور بجاہ و دولت اور سامان عیش و راحت کے حصول میں سخت مقابلہ تھا، یہاں تک کہ دنیا ایک میدان جنگ اور زندگی عذاب جان بن کر رہ گئی تھی۔

ایک طرف عادل اسلامی حکومت تھی جو اپنی رعیت کو ایک نظر سے دیکھتی تھی کمزور کو طاقتور

اُس کا حق دلاتی تھی، لوگوں کے گھروں اور جان و مال کی طرح ان کے اخلاق کی نگرانی و حفاظت بھی اپنا فرض سمجھتی تھی، ان میں سب سے بہتر ان کے حکام تھے اور سب سے زاہدانہ زندگی ان لوگوں کی تھی جن کو سب سے زیادہ عیش و راحت کا سامان اور اس کے مواقع حاصل تھے، اس کے مقابلہ میں جاہلی حکومتیں جہاں ظلم و ستم رانی کا بازار گرم تھا، جس کے کارکنان حکومت نے خیانت و ظلم پر گویا کمر باندھ رکھی تھی جس کے افراد لوگوں کا مال ناحق کھانے اور ان کی بے آبروئی و خونریزی میلایک و سر سے بڑھ جانا چاہتے تھے اور اپنے عمل کا نمونہ پیش کر کے لوگوں کے اخلاق خراب کرتے تھے، ان میں سب سے بدتر حکام اور بادشاہ تھے، ان کی حکومت میں انسان بھوکوں مرنے اور ان کے جانور اور کتے شکم سیر ہوتے، ان کے محل زرنگار پردوں میں لباس ہوتے اور لوگوں کو تن ڈھکنے کے لئے کپڑا نصیب نہ ہوتا۔ اب لوگوں کو اسلام میں کوئی رکاوٹ اور اس کے قبول کرنے میں کوئی دشواری محسوس نہیں ہوتی تھی اور جاہلیت میں کوئی وجہ ترجیح نظر نہیں آتی تھی آدمی کو اسلام قبول کرنے پر کچھ کھانا نہیں پڑتا تھا، اور سب کچھ حاصل ہو جاتا تھا، اس کو یقین کی ٹھنڈک ایمان کی شیرینی، اسلام کی قوت ایک طاقتور حکومت کی سرپرستی اور ایسے دوستوں اور مددگاروں کی حمایت حاصل ہو جاتی تھی، جو اس پر اپنی جان و مال قربان کرنے کے لئے تیار رہتے تھے، اطمینانِ قلب اور موت کے بعد کی زندگی کے بارہ میں اعتماد و سکون حاصل ہوتا تھا، لوگ آسانی کے ساتھ جاہلیت کے محاذ سے اسلام کے محاذ کی طرف منتقل ہونے لگے جاہلیت کے علاقہ میں اسلام پھیلنے لگا اور اسلام کو طاقت اور اقتدار حاصل ہونا لگا، یہاں تک کہ کمزور طبیعتوں کے لئے بھی کفر و اسلام کے بارہ میں کوئی کشمکش باقی نہیں رہی اور خالص اللہ کی فرماں برداری آسان ہو گئی۔

اس انقلاب کا اثر بہت وسیع اور گہرا تھا، خدا پرستی کی راہ جاہلیت کی حکومت و اقتدار میں دشواری اور خطرات سے بھری ہوئی تھی اب بہت سہل اور محفوظ ہو گئی، جاہلیت کے حلقہ اور

ماحول میں خدا کی اطاعت مشکل تھی اب اسلامی ماحول میں خدا کی نافرمانی مشکل ہو گئی، کل تک برسرِ رازدار اور ڈنکے کی چوٹ پر فسق و فجور اور جہنم کی طرف دعوت دی جاتی تھی اب ایسا کرنا بہت مشکل تھا، کل تک خدا کی ناراضگی اور اس کی نافرمانی کے اسباب و مواقع بکثرت اور بالا اعلان تھے اب ان پر بڑی پابندیاں اور ان کے لئے بڑی رکاوٹیں تھیں، کل تک الشریہ کی زمین میں لاش کی طرف دعوت دینا ایک جرم تھا، جس کے لئے بڑی احتیاط اور رازداری کی ضرورت تھی اب وہ ایک ایسا کارخیز تھا جس کے لئے کسی رازداری اور پردہ کی ضرورت نہ تھی نہ دعوت دینے والوں کو کوئی خطرہ تھا، اور نہ قبول کرنے والوں کو، قرآن مجید نے اس فرق کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے :-

وَإِذْ كُنَّا أَزْوَاجًا نَمُرُّ قَلِيلًا مِّنْ نَّعْمَةٍ
فِي الْأَرْضِ تَعَاوَنُ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ
النَّاسُ فَأَوْفُوا بِكُمُ عَهْدَكُمْ
وَإِنْ كُنْتُمْ كَاذِبِينَ
وَرَدَّ قَلَمُ مِنَ الطَّبِيبَةِ بَعْلَكُمْ
تَشْكُرُونَ ۝

اور وہ وقت یاد کرو جب تمہاری تعداد
بہت تھوڑی تھی اور تم ملک میں کمزور سمجھے
جاتے تھے تم اس وقت ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ
تم کو اچک نہ بے جا میں پھر اللہ نے تمہیں
ٹھکانا دیا اپنی مددگاری سے قوت بخشی

(الانفال - ۲۶)

اور اچھی چیزیں دے کر رزق کا سامان بھرا
کر دیا تاکہ تم شکر گزار ہو۔

اس اقتدار و طاقت کی وجہ سے مسلمان لفظی و لغوی معنی میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے لگے اور حکم و ممانعت کی قوت ان کو حاصل ہو گئی۔

جس طرح موسم بہار میں نباتات اور انسانوں کے مزاج موسم سے متاثر ہوتے ہیں اسی طرح محسوس اور غیر محسوس طریقہ پر اسلامی اقتدار و تمدن کے زمانہ میں لوگوں کی طبیعتیں اور ہمتیں

اور اسلام سے متاثر ہونے لگیں، دلوں میں گداز و نرمی پیدا ہونے لگی، اسلام کے اصول و خدائی
 دل و دماغ میں پیوست ہونے لگے، اشیاء کی قدر و قیمت کے بارے میں لوگوں کا نقطہ نظر بدلنے
 لگا، کل تک جن چیزوں اور جن صفات کی لوگوں کی نگاہ میں بڑی وقعت و اہمیت تھی اب وہ
 جاتی رہی اور جو چیزیں بے وقعت تھیں اب وہ وقیع بن گئیں پُرانے معیاروں کی جگہ نئے معیاروں
 نے لی، جاہلیتِ رجبِ پسندی اور جہود کی علامت بن گئی، اور اس کے متبعین میں احساسِ کثرت کا
 پیدا ہو گیا، اسلام کی طرف انتساب کے شعرا و خصوصیات کو اختیار کرنا ایک فخر اور تعریف
 کی چیز بن گئی، دنیا اسلام سے آہستہ آہستہ قریب ہو رہی تھی جس طرح اس کو ارضی کے رہنے
 والوں کو آفتاب کے گرد گردش کا احساس نہیں ہوتا، اسی طرح ان قوموں کو اور ان کے افراد کو
 اپنے اسلامی رجحانات اور اسلام کے اندرونی اثرات کا احساس نہیں ہوتا تھا، ان اثرات سے نہ علم
 و فلسفہ خالی تھا نہ مذاہبِ تمدن، لوگوں کے ضمیر اور ان کے باطن ان اثرات کی شہادت دیتے تھے،
 اور ان کے اصلاحی میلانات اس کی غمازی کرتے تھے، مسلمانوں کے تشریل کے بعد بھی جو اصلاحی
 تحریکات ان قوموں میں پیدا ہوئیں وہ اسلامی اثرات اور اسلامی خیالات کا نتیجہ ہیں۔
 اسلام نے توحید کی دعوت پیش کی اور بُت پرستی اور شرک کی ایسی مذمت اور بھوک کی کہ
 بُت پرستی اور شرک ہمیشہ کے لئے بے وقعت اور ذلیل ہو گیا، لوگوں کو اس سے شرم آنے لگی، اور
 اس سے وہ اپنے کو بری ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگے، یا تو وہ بڑی جرأت اور صفائی کے ساتھ
 اس کا اقرار کرتے تھے اور تعجب سے کہتے تھے۔

أَجْعَلِ الْآلِهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا إِنَّ

هَذَا شَيْءٌ عَجَبٌ (ص- ۵) مہود قرار دیدیا یہ تو بڑے اچھے کی بات ہے

یا اب اپنے مذہب کے مشرکانہ اہواز و اعمال کی تاویل و توجیہ اور اس کی تشریح کی ایسی کوشش کرنے لگے کہ

وہ توحید سے ملتی جلتی چیز نظر آئے عیسائیوں میں ایسے گروہ پیدا ہوئے جو حضرت مسیح کی الوہیت کا انکار اور عقیدہ تثلیث کی توحیدنا تشریح کرتے تھے ان میں ایسے مصلح بھی پیدا ہوئے جو عیسائیوں کے مذہبی گروہ اور اہل کلیسا کے شر اور بندہ کے درمیان وساطت کے منکر تھے ان پر سخت تنقیدیں کرتے تھے اور ان کے مخصوص حقوق کو نہیں مانتے تھے آٹھویں صدی عیسوی میں یورپ میں ایک ایسا گروہ ظاہر ہوا جو پادریوں کے سامنے اپنے گناہوں کے اقرار کرنے کی مخالفت کرتا تھا اور جس کی دعوت تھی کہ صرف اللہ کے سامنے دعا و استغفار اور اپنے سابقہ گناہوں کا اعتراف و اقرار کرنا چاہئے اور اس میں کسی انسانی وساطت کی ضرورت نہیں!

اسی طرح آٹھویں صدی عیسوی سے نویں صدی تک یورپ میں اس تحریک کا بڑا زور رہا ہے کہ تصادیر اور بت ایک خلافت مذہب فعل ہے اور ان میں کوئی تقدیس نہیں اس تحریک نے اتنا زور پکڑا اور اتنا اثر و افکار حاصل کر لیا کہ یوسوم قسطنطین پنجم اور یوہارم جیسے عظیم الشان شاہان روم نے اس کی حمایت اور پشت پناہی کی، اول الذکر نے ۷۲۶ء میں ایک فرمان صادر کیا جس میں ہر کاری طور پر تصویروں اور بتوں کی تقدیس کی ممانعت کی گئی تھی ۷۳۰ء میں دوسرے فرمان میں اس کو اس نے بت پرستی قرار دیا تھا، مسیحی اور بت پرست یورپ اور رومی یونانی تمدن (جس کی تصویر نوازی اور بت تراشی شہرہ آفاق ہے) میں تصویروں اور بتوں کے خلاف یہ انکار و جہاد یقیناً اسلام کی بت شکنی اور اعلان توحید کی صدائے بازگشت تھی جو مغرب میں اسلامی اندلس اور اسلامی تبلیغ و اثر کے ماتحت پہنچی اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ کلودیوس (CLAUDIUS) جو تورین کا لاط پادری اور اس تحریک دعوت کا بڑا پر جوش علم بردار تھا (یہاں تک کہ وہ اپنے حلقہ اثر میں تصویروں اور صلیبوں کو جلا دیا کرتا تھا) اس کے متعلق تاریخی طور پر معلوم ہے کہ اس کی ولادت اور نشو و نما اندلس

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو معنی الاسلام بحوالہ صلاح الدین خدابخش۔

ہوئی ہے اور بدوسری صدی ہجری کا زمانہ ہے جب ہاں مسلمانوں کی حکومت اور مسلمانوں کا تمدن اپنے عروج پر تھا۔

یورپ کی مذہبی تاریخ اور مسیحی کلیسا کی سرگزشت کا اگر گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو اسلام کے ذہنی اثرات کے اور بہت سے نمونے اور نظیریں ملیں گی، خود لو تھکر کی مشہور اصلاحی تحریک اپنے نقائص کے باوجود اسلام سے متاثر تھی اور موحلین کو اس کا اعتراف ہے کہ اس کے بانی پر اسلامی تعلیمات کے اثرات پڑے تھے اور صرف مذہب ہی نہیں بلکہ یورپ کی پوری زندگی اور اس کا تمدن اسلام سے متاثر ہوا ہے۔ رابرٹ بریفاٹ (ROBERT BRIFFAULT) اپنی کتاب - THE MAKING OF

HUMANITY میں لکھتا ہے :-

”یورپ کی ترقی کا کوئی شعبہ اور کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں اسلامی تمدن کا دخل نہ ہو اور اس کی ایسی نمایاں یادگاریں نہ ہوں جنہوں نے زندگی پر بڑا اثر ڈالا ہے۔“
دوسری جگہ لکھتا ہے :-

”صرف طبی علوم ہی (جن میں عربوں کا احسان مسلم ہے) یورپ میں زندگی پیدا کرنے کے ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ اسلامی تمدن نے یورپ کی زندگی پر بہت عظیم اشان اور مختلف انواع اثرات ڈالے ہیں اور اس کی ابتدا اسی وقت سے ہو جاتی ہے جب اسلامی تہذیب و تمدن کی پہلی کرنیں یورپ پر پڑنی شروع ہوئی ہیں۔“

اسی طرح ہندوستان کی قوموں کے اخلاق و معاشرت اور قانون سازی میں اسلامی ذہنیت اور اسلامی شریعت کے اثرات نظر آئیں گے، محورت کا احترام اور اس کے حقوق کا اعتراف مختلف انسانی گروہوں کے درمیان مساوات کا اصول اسلامی فتوحات اور مسلمانوں کے اختلاط کے بعد

۱۔ تفصیل کے لئے دیکھیے ضخی الاسلام ج ۱ ص ۱۶۵-۱۶۵ بحوالہ اصلاح الدین خدا بخش۔ ۲۔ ایضاً ص ۱۹

۳۔ ایضاً ص ۲۰۲

روز بروز زیادہ تسلیم کیا جانے لگا، غرض تمدن اور آباد دنیا کا کوئی مذہب اور کوئی تمدن اجست محمدی اور ظہور اسلام کے بعد یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ اسلام اور مسلمانوں سے قطعاً متاثر نہیں ہوا۔

اسلامی حکومت اور اسلامی تہذیب کے دورِ انحطاط میں بھی اسلام کی سابقہ دعوت اور قوت کے آثار اور یادگاریں باقی تھیں، انھیں میں سے ایک خدا شناسی تھی جو پوری اسلامی دنیا میں عام تھی، خدا کا خیال مسلمان کے دل و دماغ کی گہرائیوں میں اس طرح اتار دیا گیا تھا کہ وہ قسم کے انقلابات و تغیرات اور دینی تنزل میں بھی نہیں نکل سکا، مسلمان کے لئے فسق و فجور ممکن تھا (اور مسلمانوں کے دور تنزل میں اس کا اچھی طرح ظہور ہوا) مگر خدا کا خیال دل و دماغ سے دور نہیں ہو سکا، نفسِ لوامہ کی ملامت، مہمیر کی سرزنش، خدا کی موجودگی کا خیال اور آخرت کا کھٹکا بدستی او خود فراموشی کے عالم میں بھی دل میں چٹکیاں لیتا تھا، اور کبھی کبھی اپنا کام کر جاتا تھا، اسی کا نتیجہ تھا کہ فساق و فجار بعض اوقات دفعۃً فسق و فجور سے توبہ کر کے صاحبین متقین کے گروہ میں شامل ہو جاتے، زندانِ خرابات ایک ٹھوکر سے ہوشیار ہو کر کعبہ کی راہ لیتے، بڑے بڑے شاہزادے اور ناز پرورد امیرزادے ایک معمولی سی غیبی تنبیہ سے (جس سے ہزار درجہ زیادہ تنبیہیں مادیت و کفر کے دور میں بے اثر ثابت ہوتی ہیں) تحت و مارج چھوڑ کر فقر و درویشی اور صلاح و تقویٰ کی زندگی اختیار کر لیتے تھے، بعض مرتبہ قاری نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی :-

الْمُيَاۤئِنَ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوْۤا اَنۡ تَنْشَعَ	کیا ایمان والوں کے لئے اس بات کا وقت
قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنْ	نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کی نصیحت کے
الْحَقِّ وَلَا يَكُوْنُوْۤا كَالَّذِيۡنَ اٰوْتُوْۤا	اور جو دین حق نازل ہوا ہے اس کے سامنے
الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ	جھک جائیں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں
فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَكَثُرَ مِنْهُمْ	جن کو ان کے قبل کتاب ملی تھی پھر اسی حالت میں

ان پر ایسا زمانہ دراز گزر گیا پھر ان کے دل

سخت ہو گئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ (الحید-۱۶)

بہت آدمی ان میں کے آج کافر ہیں۔

بعض لوگ ایسا معلوم ہوا کہ سونے سے چونک گئے اور ان کی زندگی میں ہمیشہ کے لئے انقلاب ہو گیا، تاہم ان مثالوں سے لبریز ہے۔

بغداد کے انتہائی تعیش اور غفلت کے دور میں صاحبِ تاثیر واعظوں اور حصادِ نامحسوس کی مجلسِ شکل سے ایسے واقعات سے خالی ہوتی تھی۔

مشہور عرب سیاح ابن حبیر اندلسی (م ۶۱۲ھ) جس نے ۵۸۰ھ میں بغداد دیکھا ہے شیخ رضی الدین قزوینی کی مجلسِ وعظ کا حال بیان کرتا ہے کہ اثناء واعظی انکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں جاری تھیں لوگ پروانوں اور متوالوں کی طرح توبہ کے لئے ان کے ہاتھ پر گر رہے تھے اور اپنے بال کاٹ رہے تھے۔

حافظ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۹۷ھ) کی مجلسِ وعظ میں تو یہ حال تھا کہ لوگ چیخ مارا کر روتے تھے، لوگوں پر غشی طاری ہو جاتی تھی اور بیہوش ہو ہو کر گرتے تھے اور لوگ ہاتھوں میں اٹھا کر لے جاتے تھے، اپنی پیشانی کے بال ان کے ہاتھ میں دیتے تھے اور وہ سر پر ہاتھ پھیرتے تھے۔^۱ حافظ ابن جوزی نے خود ایک موقع پر تخمینہ لکھا ہے کہ ایک لاکھ انسانوں نے ان کے ہاتھ پر توبہ کی ہے، پانچویں صدی کے ایک محدث شیخ اسمعیل لاہوری کے متعلق مورخ کے الفاظ ہیں ہزار ہا مردم در مجلس وعظ دے مشرق باسلام شدند۔^۲ ابن بطوطہ نے متعدد ہندوستانی واعظین کی تاثیر کے ایسے ہی واقعات لکھے ہیں۔

۱۔ حوالہ ابن حبیر ص ۳۲ صید الخاطر و لفتۃ الکبد ص ۳۲ تذکرہ علماء

کفر اور بے دینی کے تسلط اور غلبہ کے زمانہ میں اثر پذیر کی ایسی مثالیں عطا ہوتی ہیں اس دور میں موثر سے موثر دینی خطابت اور اخلاقی نصائح بے اثر ہوتے ہیں۔

خدا کا خیال اس وقت کی زندگی میں داخل تھا جس سے کسی قوم یا مذہب یا فرقہ و خیال کا آدمی خالی نہ تھا، زبان و ادب میں خدا شناس طرز ادا، مذہبی تعبیرات اور وحی و رسالت کی زبان کے الفاظ و اصطلاحات روح و خون کی طرح جاری و ساری تھے کہ اس زبان و ادب کو اس سے مترا نہیں کیا جاسکتا تھا، اسلامی تعبیرات، دینی آداب اور حلقے غیر مسلموں کی زبان پر اس طرح جاری ہو گئے تھے اور وہ ان کے اس درجہ غور ہو گئے تھے کہ دوسرے ہم معنی جہاں سے ان کی تشفی نہیں ہوتی تھی، غیر مسلم ادیب اور فاضل قرآن مجید حفظ کرتے تھے مشہور غیر مسلم ادیب اور کاتب ابوالفتح صابئی کے متعلق منقول ہے کہ وہ رمضان مبارک کے روزے بھی رکھتا تھا۔

خدا طلبی کا ذوق ساری اسلامی دنیا میں عام تھا، ہزاروں لاکھوں لاشخاص اسلامی ملکوں اور شہروں میں دین کی طلب اور مردان خدا کی تلاش میں صحراؤں پہاڑوں اور وادیوں کو عبور کر کے دنیا کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ میں پہنچتے تھے، خدا کی طرف بلانے والوں کی ذات مرجع خلافت اور ان کے مقامات طالبین خدا کے ہجوم سے معمور رہتے تھے، اور ان کی آبادی اور رونق حکومت کے مرکروں اور اہل حکومت کے دفاتر سے کہیں بڑھ کر تھی، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی مجلس خلفاء عباسیہ کے دربار سے زیادہ پُرہمیت اور بارونتی تھی، امراء و اعیانہ بھی دین کے خیال اور خدا طلبی سے خالی نہ تھے، سوانح و تراجم کی کتابیں ایسی مثالوں سے پُر ہیں۔

باب چہارم

مسلمانوں کا تنزل

مسلمانوں کے تنزل کا آغاز اور اس کے اسباب

ایک ادیب نے خوب کہا ہے کہ انسانی زندگی میں دو ایسے واقعات ہیں جن کا بالکل ٹھیک وقت ہم نہیں بتا سکتے، ان میں سے ایک جس کا تعلق فرد کی زندگی سے ہے غیند آنے کا کوئی شخص آج تک اس خاص لمحہ کا تعین نہیں کر سکا جب جاگنے والا سو جاتا ہے، دوسرا واقعہ جس کا تعلق قومی زندگی سے ہے تنزل یا زوال ہے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں قوم کا زوال کس تاریخ سے شروع ہوا، سب کو اس کی خبر اس وقت ہوتی ہے جب وہ زور پکڑ جاتا ہے۔

حقیقت اکثر قوموں کے بارہ میں منطبق ہے لیکن امت اسلامیہ کی زندگی میں زوال و تنزل کا آغاز دوسری قوموں کی زندگی کے مقابلہ میں زیادہ واضح اور روشن ہے، اگر ہم کمال و زوال کے درمیان کی حد کو متعین کرنا چاہیں تو ہم اپنی انگلی اس تاریخی خط پر رکھ دیں گے جو خلافت راشدہ اور ملوکیت عرب یا مسلمانوں کی بادشاہی کے درمیان حد فاصل ہے۔

بات یہ تھی کہ براہ راست اسلامی قیادت اور بالواسطہ دنیا کی رہنمائی کی زمام ان لوگوں کے ہاتھ میں تھی جن کا ہر فرد اپنے ایمان و عقیدہ، اعمال و اخلاق، تربیت و تہذیب، نفس کی آراستگی، سیرت کی بلندی اور کمال و اعتدال میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک مستقل معجزہ تھا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کے قالب میں ایسا ڈھال دیا تھا کہ ان میں جسم کے علاوہ کسی چیز میں بھی اپنے ماضی سے مماثلت باقی نہیں تھی، نہ میلانات و رجحانات میں نہ ذہنیت و طرز فکر میں نہ خواہشات میں، یہ حضرات جیسے اوپر بیان کیا گیا ہے، دین و دنیا کی جامعیت کا نمونہ کامل تھے، وہ بیک وقت نمازوں کے امام، سجدوں کے خطیب، قاضی اور نصف بیت المال کے امین اور خازن اور لشکروں کے سپہ سالار تھے، اور ایک وقت میں امور جنگ کا انصرام ملکوں اور شہروں کا انتظام اور سلطنت کے مختلف صیغوں اور شعبوں کی نگرانی کرتے تھے، ان میں سے ایک ایک شخص ایک ہی وقت میں ترقی و زہد، سپاہی اور مجاہد، معاملہ فہم قاضی، مجتہد، فقیہ، صاحبِ تدبیر، حاکم اور پختہ کار سیاسی تھا، اس لئے ایک ہی ذات میں (اور وہ خلیفہ و امیر المؤمنین کی ذات ہوتی تھی) دین و سیاست کا اجتماع تھا، اس کے گرد ان لوگوں کی جماعت تھی جو اسی مدرسہ نبوی یا مسجد نبوی کے تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ تھے، ایک ہی سانچے کے ڈھلے ہوئے ایک ہی روح کے حامل اور ایک ہی سیرت سے متصف تھے، خلیفہ ان سے مشورہ لیتے اور کوئی اہم کام ان کے مشورہ اور مدد کے بغیر نہ کرتے، پس ان کی روح تمدن کے پورے ڈھانچہ حکومت کے پورے نظام اور لوگوں کی پوری زندگی و معاشرت و اخلاق میں جاری و ساری ہو گئی، ان کے میلانات اور خواہشات کا تمدن پر عکس اور ان کی خصوصیات کا پورا پورا ٹوٹا، وہاں نہ روحانیت اور مادیت میں کوئی کش مکش تھی، نہ دین و سیاست میں کوئی تضاد، نہ دین و دنیا کی تفریق تھی، نہ مصلحت و اصول میں کوئی رشتہ کشی، نہ اغراض و اخلاق کے درمیان کوئی مزاحمت تھی، نہ طبقوں اور گروہوں کی باہمی جنگ، اور خواہشات نفسانی میں باہمی سابقت و تقابل، غرض ان کا تمدن اور اسلامی سلطنت کی زندگی اس کے بانیوں کے اخلاق و خصوصیات اور اعتدال و معیشت کی پوری آئینہ دار تھی۔

جہاد اور اجتہاد کا فقدان

اصل یہ ہے کہ اسلام کی امامت بڑی نازک اور وسیع صفات کو چاہتی ہے جو فرد یا جماعت اس منصب پر فائز ہو اس کے لئے ذاتی صلاح و تقویٰ اور عدل کے علاوہ جہاد و اجتہاد کی قابلیت کی بھی ضرورت ہے، یہ دو لفظ بہت سادہ اور یکے میں لیکن معانی و مطالب سے بھرپور جہاد سے مراد ہے عزیز ترین اور اہم ترین مطلوب کے حصول کے لئے اپنی انتہائی طاقت اور وسائل صرف کر دینا، مسلمان کا سب سے بڑا مقصود اللہ کی فرماں برداری اس کی خوشنودی کا حصول اور اس کی بادشاہی اور احکام کے سامنے سپردگی اور سرافکندگی ہے اس کے لئے ایک طویل جہاد کی ضرورت ہے، ہر اس عقیدہ، تربیت، اخلاق، اغراض اور خواہشات کے خلاف جو اس میں مزاحم ہوں اور ان تمام نفسی و آفاقی (داخلی و خارجی) آلہہ و معبودان باطل کے خلاف جو اللہ کی فرماں برداری اور اخلاص میں حریف اور رقیب ہوں جب مقصد حاصل ہو جائے تو مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اللہ کی بادشاہی اور اس کے احکام کو اپنے گرد و پیش کی دنیا اور اپنے نبی و نفع پر پھیلانے کے لئے جد و جہد کرے یہ اُس کا دینی فریضہ ہے اور خلق خدا پر شفقت اور مخلوق کے ساتھ خیر خواہی کا بھی عین مقصد ہے اور اس لئے بھی ضروری ہے کہ بعض اوقات انفرادی اطا اور دین داری بھی ماحول کی سازگاری کے بغیر مشکل ہو جاتی ہے، اسی کا نام قرآن مجید کی اصطلاح میں "فتنہ" ہے، دنیا میں جتنے بھی جہاد و نباتات و حیوانات اور انسان ہیں، وہ اللہ کی تکوینی مشیت و احکام اور اس کے طبعی قوانین کے سامنے سرافکندہ ہیں۔

لہٰذا یہاں اس سے مراد وہ امامت (امارت) نہیں ہے جس کی تعریف و تشریح کتب فقہ و اصول میں ہیں، بلکہ وہ قوت و قابلیت ہے جس سے کوئی مسلمان فرد یا جماعت دنیا کی رہنمائی و پیشوائی کر سکے۔

وَلَهُ اسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
 طَوْعًا وَكَرْهًا وَالَّذِينَ يَرْجِعُونَ
 اور اسی کے حکم میں ہے جو کوئی آسمان اور زمین
 میں ہے خوشی سے یا لاچار ہی سے اور اس کی
 طرف سب پھر جائیں گے۔ (آل عمران - ۸۳)

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي
 السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّجَرُ
 وَالنَّعْمُ وَالنَّجْوَمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ
 وَالذَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِمَّنَ النَّاسِ
 وَكَثِيرٌ مَعَهُ عَلَيْهِ الْعَذَابُ
 کیا تم نہیں دیکھتے کہ جو کوئی بھی آسمانوں
 میں اور جو کوئی بھی زمین میں ہے نیز سورج،
 چاند ستارے، پہاڑ، درخت، چارپائے سب
 اللہ کے آگے سرسجود میں اور کتنے ہی انسان
 بھی اور آدمیوں میں بہت سے ایسے بھی جن پر
 عذاب لازم ہو گیا۔ (الحج - ۱۸)

اس میں انسان کی نہ کسی کو شش کو دخل ہے اور نہ اُس کے لئے کسی جہد و جہد کی ضرورت،
 موجودات کے لئے موت و حیات، نشوونما کا جو قانون ہے اور ان کے جسم و فطرت کے لئے اللہ نے
 جو نظام مقرر کر دیا ہے اس پر وہ سب بے چوں و چرا چل رہے ہیں اور چلتے رہیں گے اور اس سے
 سرمواخراں نہیں ہوگا جس مقصد کے لئے مسلمان کی جہد و جہد مطلوب ہے وہ خدا کے اس قانون کا نفاذ
 ہے جو انبیاء لے کر آئے اور جس کے غلبہ اور قیام کے لئے ان کے پیروامور ہیں جس کی مخالفت طاقتیں اور
 دعوئیں دنیا میں ہمیشہ رہیں گی، یہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا اس کی بکثرت قیس اور صورتیں ہیں
 جن میں سے ایک جنگ بھی ہے، جو بعض اوقات اس کی سب سے افضل قسم ہو جاتی ہے اس کی غایت یہ ہے کہ
 اسلام کے مقابلہ میں کوئی برابر کی حریف طاقت باقی نہ رہے جو خواہشات اور طبیعتوں کو مخالف سمت
 کی طرف کھینچے اور بہت سے انسانوں کے لئے کفر و اسلام کے درمیان کش مکش پیش آئے۔
 وَقَتْلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونُوا فِتْنَةً
 اور اہل کفر سے یہاں تک جنگ کرو کہ کفر کا

وَيَكُونُ الدِّينُ لِلَّهِ (البقرہ ۱۹۳) زور باقی رہے اور اطاعتِ شری کی ہو۔

اس جہاد کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ انسان اس اسلام سے بخوبی واقف ہو جس کی خاطر وہ جہاد کر رہا ہے اور کفر و جاہلیت کے بارہ میں بھی جس کے خلاف وہ جہاد کر رہا ہے اس کو گہری واقفیت ہونا کہ جس لباس اور جس رنگ میں بھی ظاہر ہو اس کو پہچان لے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ”مجھے خطرہ ہے کہ وہ شخص اسلام کی کڑیاں بکھیر دے گا جس نے اسلام میں نشوونما پایا اور جاہلیت کو وہ نہیں پہچانتا یقیناً ہر مسلمان کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ کفر و جاہلیت سے گہری اور تفصیلی واقفیت رکھتا ہو اور اس کے مظاہرے اور صورتوں اور رنگوں کو پہچانتا ہو لیکن بلاشبہ اسلام کی رہنمائی اور کفر و جاہلیت کے خلاف اسلامی لشکر کی قیادت کرنے والے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ عام اور متوسط مسلمانوں سے زیادہ کفر و جاہلیت کو پہچانتا ہو۔

اسی طرح سے یہ بھی ضروری ہے کہ جو لوگ اس منصب پر فائز ہوں ان کی نیاری پوری او ان کی قوتِ مکمل ہوان کے پاس لوہے کو کاٹنے کے لئے لوہا بلکہ فولاد ہو، وہ کفر کا مقابلہ ان تمام وسائل اور سامان سے کریں جو ان کی دسترس میں ہو جس کا انسان انکشاف کر سکا ہو اور جہاں تک انسان کے علم کی رسائی ہو اس لئے کہ اللہ کا حکم ہے۔

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِمُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَالْكَافِرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ

مسلمانو! جہاں تک تمہارے بس میں ہے قوت
پیدا کر کے اور گھوڑے تیار رکھ کر دشمنوں کے
مقابلہ کے لئے اپنا سارا زور سامان ہیا کئے
رہو کہ اس طرح مستعد رہو کہ تم اللہ کے اور اپنے
دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھاؤ رکھو گے نیز
ان لوگوں کے سوا اوروں پر بھی جن کی تمہیں

خبر نہیں اشر نہیں جانتا ہے اور اشر کی راہ

(الانفال۔ ۶۰) میں (یعنی جہاد کی تیاری میں) تم جو کچھ بھی

خرچ کر گئے وہ تمہیں پورا پورا مل جائے گا ایسا

ذہب و گاہک تمہاری حق تلفی ہو۔

اجتہاد سے ہماری مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کی سیادت و امامت جن لوگوں کے ہاتھ میں ہو وہ نئے پیش آنے والے مسائل زندگی میں انفرادی یا اجتماعیاً صحیح فیصلہ کرنے کی اہلیت اور استعداد رکھتے ہوں اور مروج اسلام اور اسلامی قانون سازی کے اصول سے اتنی واقفیت اور مسائل کے انتخاب کی قوت رکھتے ہوں جس سے وہ امت کی مشکلات کو حل کر سکیں اور اشتباہ اور تحیر کے موقع پر اس کی رہنمائی کر سکیں نیز وہ اتنی ذکاوت و مستعدی اور علم رکھتے ہوں اور محنت کرنے کے لئے تیار ہوں کہ اشر تعالیٰ نے کائنات میں جو طبعی قوتیں پیدا کی ہیں اور زمین میں دولت و قوت کے جو چھپے اور دفینے رکھ دیے ہیں ان سے کام لے سکیں اور ان کو اسلام کے مقاصد کے لئے مفید بنائیں بجائے اس کے کہ اہل باطل ان کو اپنی خواہشات کے حصول کے لئے استعمال کریں اور زمین میں سر بلندی اور فساد کے لئے ان سے مدد لیں اہل حق ان سے وہ کام لیں جن کے لئے اشر نے ان کو پیدا کیا ہے۔

اموی و عباسی خلفاء

لیکن دنیا کی بدقسمتی تھی کہ خلفائے راشدین کے بعد دنیا کی رہنمائی کے منصب جلیل پر وہ لوگ حاوی ہو گئے جنہوں نے اس کے لئے کوئی حقیقی تیاری نہیں کی تھی خلفائے راشدین کی طرح اور خود اپنے زمانہ کے بہت سے مسلمانوں کی طرح انہوں نے اعلیٰ دینی اور اخلاقی تربیت

نہیں پائی تھی، ان کا دینی، روحانی اور اخلاقی معیار اتنا بلند نہ تھا جو ملت اسلامیہ کے رہنماؤں کے شایانِ شان ہے، ان کے ذہن اور طبیعتیں عرب کی قدیم تربیت اور ماحول کے اثرات سے بالکل آزاد نہیں ہوئی تھیں، ان میں نہ روحِ جہاد تھی اور نہ قوتِ اجتہاد جو دنیا کی پیشوائی اور عالمگیر قیادت کے لئے ضروری ہے، خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز (م ۱۷۱ھ) کی ذات کو مستثنیٰ کر کے عام خلفائے بنی اُمیہ اور بنی عباس کا یہی حال تھا۔

ملوکیت کے اثرات و نتائج

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کی دیوارِ آہنی میں کمی رخنے پیدا ہو گئے جن سے مسلسل فتنے اور مصائب نفوذ کرتے رہے، ان کا اجمالی بیان یہ ہے :-

۱۔ دین و سیاست میں علی تفریق ہو گئی، اس لئے کہ خلفاء علم اور دین میں ایسا مرتبہ نہیں رکھتے تھے جس سے ان کو علماء اور اہل دین کی ضرورت نہ پڑے، انھوں نے حکومت و سیاست کو تنہا اپنے ہاتھ میں رکھا اور مشیر باہرین خصوصی کے طور پر جب چاہا یا جب ان کے مصالح کا تقاضا ہوا علماء اور اہل دین سے مدد لی اور جتنی بات انھوں نے چاہی قبول اور جب چاہا ان کے مشورہ پر عمل نہیں کیا، اس طرح سیاست دین کی نگرانی سے آزاد ہو گئی اور ایک پیل بے زنجیر بن گئی، اب اہل دین اور اہل علم کی صورت یہ تھی کہ یا تو وہ حکومت کے مخالف تھے، اور اس کے خلاف وقتاً فوقتاً خروج کرتے تھے، یا سیاسی زندگی سے کنارہ کش تھے، اور فردی انقلاب سے ایسے ہو کر افراد کی اصلاح و تربیت کے کام میں مشغول تھے، بعض اپنے ماحول کی خرابی کو دیکھ کر گرہنتے رہتے تھے، اور اس پر دینی و اخلاقی حیثیت سے سخت تنقید کرتے تھے، لیکن مجبور تھے بعض کسی دینی مصلحت کی بنا پر حکومت کے ساتھ تعاون کر رہے تھے، اور اس کے نظام میں شریک ہو کر

جتنی اصلاح ان کے امکان میں تھی کرنے کی کوشش کرتے تھے اور کچھ افراد ایسے بھی تھے جو اپنی ذاتی مصلحت اور کامیابی کے لئے حکومت کے ساتھ اشتراک اور موالات کر رہے تھے، بہر حال یہ واقعہ ہے کہ نظری اور اعتقادی طور پر تو نہیں لیکن عملاً دین و سیاست میں علیحدگی ہو گئی، اور اس بارہ میں خلافت راشدہ سے پہلے دنیا کے نظام سلطنت کا جو حال تھا، اس کا ایک نگہ پیدا ہو گیا تھا، دین روز بروز بے زور اور بے دست و پا ہوتا جاتا تھا، اور سیاست کے ہاتھ کھل رہے تھے، اور اس کی بے قیدی اور خود اختیاری بڑھ رہی تھی، اسی وقت سے اہل علم و دین اور اہل دنیا کے دو علیحدہ علیحدہ گروہ بن گئے اور ان کے درمیان اختلاف کی خلیج روز بروز وسیع ہوتی گئی اور بعض اوقات بیگانگی سے بڑھ کر مخالفت کی نوبت آ گئی۔

۲۔ ارکان حکومت یہاں تک کہ بذات خود خلفاء دین و اخلاق کا کامل نمونہ نہیں تھے، بلکہ ان میں سے بعض اشخاص میں جاہلی جراثیم اور میلانات پائے جاتے تھے، قدرتی طور پر ان کی روح اور نفسیات کا اثر قومی زندگی پر پڑ رہا تھا، اور لوگ عموماً انھیں کے اخلاق و عادات و رجحانات کی تقلید کرتے تھے، دین کی نگرانی ختم ہو چکی تھی، احتساب اٹھ چکا تھا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا زور ختم ہو چکا تھا اس لئے کہ اس کی پشت پر کوئی طاقت اور حکومت کی حمایت نہیں تھی، وہ محض چند دین دار اشخاص کا رضا کارانہ عمل تھا جن کے پاس کوئی قوت اور تعزیر نہیں تھی، اس کے برخلاف بے قید و آزاد زندگی کی ترغیبات بہت تھیں اس لئے جاہلیت کو اسلامی ممالک کے اندر سانس لینے کا موقع ملا اور اس نے سراٹھایا، عیش و عشرت، تفریح و تنم کی زندگی عام ہو گئی، تفریحات اور بہو و لعب کی گرم بازاری ہوئی، لذت اندوزی اور نفس پروردی کا غلبہ ہوا اور دنیا کی زندگی اور اس کی لذتوں کی ہوس بڑھ گئی، اس خلاقی تنزل اور اس تقریبی انہماک کے ساتھ کسی قوم کے لئے اسلام کی دعوت و تبلیغ کا فرض انجام دینا، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جانشینی کرنا،

اشر اور روز آخرت کو یاد دلاتے رہنا تقویٰ اور دین داری کی ترغیب دنیا اور لوگوں کے لئے اعلیٰ اخلاقی نمونہ قائم کرنا بہت مشکل ہے بلکہ ان حالات کے ساتھ اپنے وجود عزت اور آزادی کو برقرار رکھنا بھی دشوار ہے۔

سُنَّۃُ اللّٰہِ فِی الَّذِیْنَ خَلَقُوا مِنْ قَبْلِ نَکُنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا
اشر تعالیٰ نے ان لوگوں میں بھی اپنا یہی دستور (جاری) رکھا ہے جو ان سے پہلے ہو گئے ہیں اور آپ خدا کے دستور میں کسی طرف سے رد و بدل نہ پائیں گے۔

۳۔ یہ لوگ اپنے اخلاق و اعمال و معاملات میں اسلام کی شرعی سیاست اس کے جنگی قانون اس کے تمدنی نظام اور اس کی اخلاقی تعلیمات کی بہت کم نمائندگی کرتے تھے، اس طرح غیر مسلموں کے دلوں سے اسلام کے پیغام کا احترام اور اثر بجا تا رہا اور ان کا اعتماد ان لوگوں سے زائل ہو گیا، ایک یورپین مؤرخ کے الفاظ میں اسلام کو اس لئے زوال شروع ہوا کہ انسانیت کو ان لوگوں کی صداقت میں شبہ ہونے لگا جو دین جدید کی نمائندگی کر رہے تھے۔

فلسفیانہ موشگافیاں

اس دورِ انحطاط میں مسلمان علماء اور مفکرین نے جس قدر علوم مابعد الطبیعیات METAPHYSICS

اور یونانیوں کی الہیات کی طرف توجہ کی اس قدر علوم طبیعیہ اور علمی اور نتیجہ خیز فنون کی طرف توجہ نہیں کی حالانکہ یہ یونانی فلسفہ اور الہیات محض یونانیوں کا علم الاضام MYTHOLOGY تھا جس کو انھوں نے اپنی چالاکی سے فلسفیانہ الفاظ و اصطلاحات میں ایک عقلی فن کے رہا میں پیش کیا تھا، وہ محض چند خیالات و قیاسات کا مجموعہ اور الفاظ کا ایک ظلم تھا جس کے پیچھے

کوئی حقیقت و اصلیت نہ تھی، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مسلمانوں کو اس گنج کا وہی اور لا حاصل سے مستغنی کر دیا تھا، اور نبوت کے ذریعہ ان کو ذات و صفات الہی کا وہ یقینی اور محکم علم بخشا تھا، جس کی موجودگی میں اس چھان بین اور اللہ کی ذات و صفات کے بارے میں اس کیماوی تحلیل و تجزیہ کی (جو فلسفۃ الہیات و کلام کا طرز ہے) قطعاً ضرورت نہ تھی، لیکن افسوس ہے کہ اہل فلسفہ و کلام نے اس نعمتِ عظیم کی قدر نہ کی اور ان مباحث میں جن کا دنیا و آخرت میں کوئی فائدہ نہ تھا، صدیوں تک دردِ سری و دیدہ ریزی کرتے رہے اور اپنی بہترین قابلیت و ذہانت اس لا حاصل مشغلہ میں صرف کی، اس انہماک نے ان کو ان علوم اور تجربوں کی طرف توجہ کرنے کا موقع نہ دیا جو ان کے لئے کائنات کی طبیعتیں مسخر کر دیتے اور پھر وہ ان کو اسلام کے مقاصد و مصالح کا تابع اور خادم بنا کر اسلام کے آدمی و روحانی تسلط کو تمام عالم پر قائم کر دیتے، اسی طرح سے انھوں نے فلسفۃ الشراق کے مباحث اور وحدۃ الوجود کے مسائل میں اپنا ضرورت سے زیادہ وقت اور طاقت صرف کی۔

شُرک و بدعات

اس دورِ انحطاط میں مسلمانوں میں شرک و جہالتِ قدیم جاہلی قوموں کے عقائد و خیالات اور دینی گمراہی نے بھی نفوذ کرنا شروع کر دیا اور مسلمانوں کی زندگی میں اور ان کے مزاج میں ایسی بدعات نے درخور حاصل کر لیا، جنھوں نے مذہبی زندگی کی ایک بڑی جگہ کو گھیر لیا اور مسلمانوں کو صحیح دین اور کارآمد دنیا سے مشغول کر دیا، ظاہر ہے کہ دنیا کی دوسری قوموں کے درمیان مسلمانوں کو جو کچھ امتیاز و خصوصیت حاصل ہے وہ اس دین کی بدولت ہے، جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے پاس سے لے کر آئے اور اس دین کا امتیاز و اعجاز اس کی اصلیت

میں ہے وہ اسی بارہ میں ممتاز ہے کہ وہ اللہ کی وحی و شریعت اس کی معجزانہ ساخت اور اس کی حکیمانہ صنعت ہے۔

صُنِعَ اللّٰهُ الَّذِیْ اَنْفَقَ كُلَّ شَیْءٍ

اس اللہ کی کارگیری جس نے ہر چیز کو

(النمل - ۸۸)

مضبوط بنایا۔

پس جب اس میں انسانوں کی عقلیں دخل دینے لگیں گی اس کے خود ساختہ اعمال و رسوم داخل ہو جائیں گے اور وہ خدا نخواستہ اپنی اصلیت کھو دے گا تو دنیا و آخرت کی مسادگی ضمانت باقی نہیں رہے گی اور وہ اس کا مستحق نہ ہو گا کہ انسانی عقلیں اس کے سامنے سرافکندہ ہوں اور دلوں کو وہ تسخیر کرے۔

دعوت و تجدید کا تسلسل

لیکن واضح رہے کہ جہاں تک اصل دین کا تعلق ہے وہ اس پوری مدت میں ہر قسم کی تحریف و تبدیلی سے محفوظ رہا، مسلمانوں نے راہِ راست سے جہاں جہاں انحراف کیا تھا، کتاب و سنت سے مقابلہ کر کے اس کا علم اور احساس ہو جاتا تھا، دین و شریعت نے مسلمانوں کی غلطی میں کبھی ساتھ نہیں دیا، بلکہ ان کے مطالعہ سے غیر اسلامی ماحولِ مشرکانہ اور مبتدعانہ اعمال و رسوم اور جاہلی اخلاق و عادات کے خلاف نیز طبقہٴ امراء اور گروہِ سلاطین کے تعیش اور استبداد کے خلاف ایک سخت احتجاج اور جذبہٴ جہاد پیدا ہوتا تھا، اسی کا نتیجہ تھا کہ اسلامی تاریخ کے ہر دور اور اسلامی دنیا کے ہر گوشہ میں ایسے عالی ہمت اور الوالعزم انفرادیت پیدا ہوتے رہے جنہوں نے اس امت میں انبیاء کی جانشینی کا حق ادا کیا مسلمانوں کے تیرے مردہ میں روحِ جہاد چھوئی اور برسوں کی ساکن سطح میں حرکت و متوجہ پیدا کیا، اور مسائل اور علوم میں

اپنی فکر تازہ اور متہجدانہ قابلیت سے کام لے کر مسلمانوں میں نئی علمی روح اور ذہنی بیداری پیدا کر دی، ایک مبصر مؤرخ کو جہاد اور تجدید کی تاریخ میں کوئی خلا اور وقفہ نظر نہیں آتا، اصلاح کی شعلیں اور چراغ مسلسل طریقہ پر ایک دوسرے سے روشن ہوتے رہے اور بڑی تیز رفتاری سے دوڑاؤں میں بھی عالم اسلامی میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک اندھیرا نہیں پھیلنے پایا۔ اسی کے ساتھ جب اسلام یا عالم اسلام کے لئے کوئی نیا خطرہ پیش آیا تو کوئی مرد مجاہد میدان میں آیا اور اس نے نہ صرف اس خطرہ کو دور کیا بلکہ عالم اسلام میں ایک نئی روح اور نئی زندگی پیدا کر دی اس کی واضح مثال نور الدین اور صلاح الدین کی شخصیتیں ہیں۔

صلیبی خطرہ اور زرنگی خاندان

مسیحی یورپ صدیوں سے اسلام سے خار کھائے بیٹھا تھا، مسلمان اس کی پوری مشرقی سلطنت پر قابض تھے اور اس کے تمام مقدس مقامات ان کے قبضہ اور تولیت میں تھے، لیکن طاقتور اسلامی سلطنتوں کی موجودگی اور ہمہ اسٹیجی سلطنت پران کی مسلسل پیش قدمیوں کی بنا پر اس کو حملہ کرنے کا حوصلہ نہیں ہوتا تھا، پانچویں صدی ہجری اور گیارہویں صدی عیسوی کے آخر میں ایسے حالات واساب پیش آئے کہ یورپ کے صلیبی مجاہدین نے شام و فلسطین کا رخ کیا اور ان کی فوجیں سیلاب اور طوفان کی طرح پھیل گئیں ۱۰۹۹ء میں صلیبیوں نے بیت المقدس کو فتح کر لیا اور چند سال کے اندر اندر ملک فلسطین کا بڑا حصہ ان کے تصرف میں آگیا، مشہور انگریز مؤرخ شینیلین پول (STANLEY LANE POEL) لکھتا ہے:-

صلیبی سپاہی ملک میں اس طرح گھسے جیسے کوئی پرانی لکڑی میں پتھر ٹھونکے تھوڑی دیر

لے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "تاریخ دعوت و عزیمت" حصہ اول

یہی معلوم ہونے لگا کہ درختِ اسلام کے تنے کو چیر کر اس کی چھٹیاں اڑا دیں گے ۱؎
 صلیبیوں نے داخلہ بیت المقدس کے موقع پر فتح کے نشہ میں سرشار ہو کر مجبور مسلمانوں
 کے ساتھ جو سلوک کیا ان کا ذکر ایک ذمہ دار مسیحی مؤرخ ان الفاظ میں کرتا ہے :-

بیت المقدس میں فاتحانہ داخلہ پر صلیبی مجاہدین نے ایسا قتل عام کیا کہ بیان کیا جاتا
 ہے کہ ان صلیبیوں کے گھوڑے جو مسجدِ عمر سوار ہو کر گئے گھٹنوں گھٹنوں خون کے حوض میں
 ڈوبے ہوئے تھے، بچوں کی ٹانگیں پکڑ کر ان کو دیوار سے دے مارا گیا، یا ان کو چکر دے کر
 فصیل سے پھینک دیا گیا ۲؎

بیت المقدس کی فتح اسلامی سلطنت کے ضعف اور زوال اور مسیحی دنیا کی بیداری
 اور اس کی نوخیز طاقت کی خبر دیتی تھی اور عالم اسلام میں خطرہ کی گھنٹی مچتی، مسیحیوں کے حوصلے
 اتنے بلند ہو چکے تھے کہ ریجنی نالڈوائی کرک نے مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ پر بھی چڑھائی کا ارادہ کیا تھا،
 واقعہ ارتداد کے بعد اسلام کی تاریخ میں اس سے زیادہ نازک وقت اور خطرہ کی گھنٹی نہیں آئی تھی۔
 عین اس کش مکش اور بڑھتی ہوئی مایوسی کے عالم میں عالم اسلام کے اُفق پر ایک نیا ستارہ
 طلوع ہوا جس کو شہ سے امید نہ تھی وہاں سے ایک نئی طاقت ابھری، یہ موصول کاری خانہ تھا،
 جس کے دو افراد امام الدین زنگی (م ۵۴۱ھ) اور اس کے فرزند نور الدین زنگی (م ۵۶۹ھ) نے
 صلیبیوں کو پے درپے شکستیں دیں اور بیت المقدس کے علاوہ (جس کی فتح صلاح الدین کے لئے
 مقدس تھی) تقریباً فلسطین کے پورے علاقہ کو صلیبیوں سے صاف کر دیا اور الدین اپنی شرافتِ نفس
 زہد و ریحِ جن انتظام، عدل و انصاف، انکسار و تواضع، شوقِ جہاد اور ایمان و یقین کے لحاظ سے

۱؎ سلطان صلاح الدین اراکین نے پونے مترجم مولوی محمد عنایت اللہ صاحب ص ۱۷۰

اسلامی تاریخ میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے مشہور مورخ ابن الاثیر جزیری جو ان کے خورد سال حاضر ہیں تاریخ اکال میں لکھتے ہیں :-

• میں نے گذشتہ سلاطین کی زندگی اور حالات کا مطالعہ کیا ہے خلفائے راشدین اور عمر بن عبد العزیز کے بعد نور الدین سے بہتر سیرت اور ان سے زیادہ عادل سلطان میری نظر سے نہیں گزرا۔

صلاح الدین کی قیادت

نور الدین کے بعد ان کے تربیت یافتہ سلطان صلاح الدین نے صلیبی دنیا کے مقابلہ میں عالم اسلام کی قیادت سنبھالی، بالآخر مختلف محروں کے بعد انھوں نے حطین (فلسطین) کے میدان میں ۴ اربیع الآخر ۵۸۳ھ (۴ جولائی ۱۱۸۷ء) کو صلیبیوں کو ایسی شکست دی جس سے ان کی کمر ٹوٹ گئی اور ان کی قسمت پتھر لگ گئی، لہذا پول اس کا نقشہ اس طرح کھینچتا ہے :-

• ایک ایک سلطان سپاہی تیس تیس عیسائیوں کو جھینے خود اس نے گرفتار کیا تھا جسے کی رسی میں باندھے جاتا دیکھا گیا، لوٹی ہوئی صلیبوں اور کٹے ہوئے ہاتھ پاؤں میں مردوں کے ڈھیر اس طرح لگے تھے جیسے پتھر پتھر پڑے ہوں اور کٹے ہوئے سر زمین پر اس طرح بکھرے پڑے تھے جیسے خربندوں کے کھیت میں خربوزے پڑے نظر آتے ہیں۔
تدوین تک جنگ کا میدان جس میں یہ خون ریزی ہوئی تھی اور جہاں بیان کیا جاتا تھا کہ تیس ہزار آدمی مارے گئے مشہور ہے۔

حطین کی فتح کے بعد سلطان صلاح الدین نے ۲۲ رجب ۵۸۳ھ کو بیت المقدس کو

دوبارہ حاصل کیا اور اس آرزو کی تکمیل کی جو ۹۰ برس سے مسلمانوں کے دلوں کو بے چین کئے ہوئے تھی، سلطان کے رفیق و معتد قاضی ابن شداد لکھتے ہیں :-

”ہر طرف دعا و تہلیل و تکبیر کا شور مچ رہا تھا، بیت المقدس میں (۹۰ برس کے بعد) جمعہ

کی نماز ہوئی، قبۃ صخرہ پر جو صلیب نصب تھی وہ اتار دی گئی، ایک عجیب منظر تھا اور اسلام

کی فتح مندی اور اللہ تعالیٰ کی مدد کھلی آنکھوں نظر آ رہی تھی“

سلطان صلاح الدین نے اس موقع پر جس عالی ظرفی، دریا دلی اور اسلامی اخلاق کا

مظاہرہ کیا اس کا ذکر کرتے ہوئے لین پول لکھتا ہے :-

”اگر صلاح الدین کے کاموں میں صرف یہی کام دنیا کو معلوم ہوتا کہ اس نے کس طرح

یروشلم کو بازیاب کیا تو صرف یہی کارنامہ اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کافی تھا کہ

وہ نہ صرف اپنے زمانہ کا بلکہ تمام زمانوں کا سب سے بڑا عالی حوصلہ انسان اور جلال

و شہادت میں کیا اور بے مثل شخص تھا“

بیت المقدس کی فتح اور حطین کی ذلت آمیز شکست سے یورپ میں غیظ و غضب کی آگ

پھر بھڑک اٹھی اور سارا یورپ شام کے چھوٹے سے ملک پر ابل پڑا، ان سب کے مقابلہ میں تنہا

سلطان صلاح الدین تھا اور اس کے اعزہ اور چند حلیف، جو پورے عالم اسلام کی طرف سے مدافعت کر رہے

تھے، آخر پانچ برس کی مسلسل خونریز خون آشام جنگوں کے بعد ۱۱۹۳ء میں رملہ پر دونوں حریفوں میں

جو تھک کر چور ہو گئے تھے، صلح ہوئی، بیت المقدس اور مسلمانوں کے مفتوحہ شہر اور قلعے بدستور ان کے

قبضہ میں رہے، ساحل پر عسکر کی مختصر سی ریاست عیسائیوں کے قبضہ میں تھی اور سارا ملک سلطان صلاح الدین

کے زیر نگین تھا، صلاح الدین نے جو خدمت اپنے ذمہ لی تھی اور صحیح تر الفاظ میں جو کام اللہ تعالیٰ

نے اس کے سپرد کیا تھا، اس کے ہاتھوں مکمل ہوا بین پول لکھتا ہے:-

• جنگ مقدس خانہ کو پہنچی، پانچ برس کی مسلسل لڑائیاں ختم ہوئیں جولائی ۱۱۸۷ء
میں حطین پر مسلمانوں کی فتح سے پہلے دریائے اردن کے مغرب میں مسلمانوں کے پاس
ایک پانچ زمین بھی نہ تھی، ستمبر ۱۱۹۲ء میں جب راکہ پر صلح ہوئی ہے تو صور سے لے کر یافا
تک ساحل پر بحر زین کی ایک پتلی سی پٹی کے سارا ملک مسلمانوں نے قبضہ میں تھا،
اس صلح نامہ پر صلاح الدین کو شرمندہ ہونے کی مطلق ضرورت نہ تھی!

سلطان صلاح الدین اعلیٰ انتظامی قابلیت اور قائدانہ خصوصیات کا مالک تھا، وہ نہ صرف
سہ سالارا اور فاتح تھا بلکہ محبوب قائد اور ہر دلعزیز سپاہی بھی تھا، اس نے صدیوں کے بعد منتشر
و پراگندہ اسلامی ریاستوں اور طاقتوں کو تفریق اور باہم مخالفت مسلمان قوموں اور قبائل کو
جہاد کے جھنڈے کے نیچے جمع کر دیا، عرصہ دراز کے بعد اس کی قیادت میں عالم اسلام نے ایک منظم
اور پُر خلوص جنگ کی جس کا مقصد اسلام کی حفاظت اور جہاد فی سبیل اللہ کے سوا کچھ نہ تھا،
بین پول نے صحیح لکھا ہے کہ:-

• تیسری جنگ صلیب میں تمام سچی دنیا کی مجموعی طاقت مقابلہ کرنے آئی مگر صلاح الدین
کی قوت کو ٹس سے مس نہ کر سکی، صلاح الدین کی پناہ پسینوں کی سخت محنت و جانفشانی
اور برسوں کی غدوش اور خطرناک خدمت کے بعد ٹھک کر چور چور ہو چکی تھی مگر کسی کی زبان
پر حرف شکایت نہ تھا، کبھی طلبی پر حاضر ہونے اور ایک ٹیک کام میں اپنی جانیں قربان
کرنے سے کسی نے انکار نہ کیا!

آگے چل کر لکھتا ہے:-

مکر، ترکمان، عرب، مصری، مسلمان اور سلطان کے خادم تھے اور طلبی پر خادموں ہی کی طرح سلطان کی خدمت میں حاضر ہوتے، باوجود اس کے کہ ان کی نسل و قوم جدا تھی اور باوجود قومی جنگوں اور قبائلی غرور و تفاخر کے سلطان نے ان کو ایسا شیر و خگر کر رکھا کہ تمام لشکر تین و احد نظر آتا تھا۔

صلاح الدین کے بعد

۲ صفر ۵۸۹ھ کو اسلام کا یہ فادار فرزند دنیا سے رخصت ہوا، اصلاح الدین کی مٹا ہلنے کوششوں اور اس کی بروقت قیادت عالم اسلام کو صلیبیوں کی غلامی کے خطرہ سے عرصہ تک کے لیے محفوظ کر دیا، عالم اسلام کا مطلع صاف ہو گیا، لیکن صلیبیوں نے ان جنگوں سے فائدہ اٹھایا، اپنی او عالم اسلام کی کمزوری کا مطالعہ اور تجربہ کرنے کے بعد وہ نئے صلیبی حملہ کی (جس کی نوبت انیسویں صدی میں آئی) تیاری میں مصروف ہو گئے، لیکن عالم اسلام پر پھر غفلت طاری ہو گئی اور باہمی اختلافات اور خانہ جنگیوں نے پھر سر اٹھایا، اصلاح الدین کے بعد عالم اسلام کو پھر ایسا مخلص قائد اور رہنما نصیب نہیں ہوا جو اسلام کی بے غرض خدمت کے لئے بنیاب ہو اور جس کا مقصد جہاد فی سبیل اللہ کے سوا کچھ نہ ہو اور جس پر عالم اسلام کو اس درجہ اعتماد اور اس کی ذات سے تعلق ہو جیسے صلاح الدین کے ساتھ تھا، عالم اسلام پھر ایک بار خود غرضیوں، خانہ جنگیوں اور سازش کا شکار ہو گیا، اور ایک سرے سے دوسرے سرے تک انحطاط اور منزل چھا گیا۔

جاہلیت کے لئے رکاوٹ

لیکن مسلمان اپنی ساری خرابیوں اور کوتاہیوں کے باوجود اور اپنے انحراف کے

باوصف اپنی تمام معاصر جاہلی قوموں کے مقابلہ میں نبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شاہ راہ سے قریب تر اور خدا کے زیادہ مطیع و فرمانبردار تھے، ان کا وجود اور ان کا رہا سہا اقتدار جاہلیت کے لئے پھیلنے اور زرقی کرنے میں بڑی زبردست رکاوٹ اور سدِ سکندر کی کامیابی رہا تھا، وہ اپنی ساری کمزوریوں کے باوجود دنیا کی ایک اہم طاقت تھے، جس سے حکومتیں خائف رہتی تھیں اور جس کی ان کی نگاہ میں بڑی اہمیت تھی، لیکن بغیر اس کے کہ باہر کے لوگوں کو محسوس ہوا اندرونی طور پر یہ طاقت کمزور ہوتی رہی یہاں تک کہ ساتویں صدی ہجری کے وسط میں ان کا سیاسی انتشار، اخلاقی کمزوری اور ضعف پورے طور پر نمایاں ہو گیا اور اسلامی طاقت کا وہ ہسیب سایہ جو دور سے نظر آتا تھا، اوجھل ہو گیا اور اس کے سہتے ہی مسلمانوں پر وحشی قوموں اور حریف طاقتوں کا زبردست ہوا اور اسلامی ممالک ایک لاوارثی مال کی طرح فاتحوں میں تقسیم ہونے لگے۔

ہنگامہ تاتار

ان وحشیانہ حملوں میں سب سے بڑا حملہ تاتاریوں کا حملہ تھا جو مورخ کی طرح مشرق سے بڑھے اور سارے عالم اسلام پر چھا گئے، تاتاری یورش عالم اسلام کے لئے ایک بلاءِ عظیم تھی جس سے دنیا کے اسلام کی چولیں ہل گئیں مسلمان مہیوت و ششدر تھے، ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک ہراس اور یاس کا عالم طاری تھا، ایک مرتبہ تقریباً سارا عالم اسلام (خصوصاً اس کا مشرقی حصہ) اس فتنہ مہیاں سوز کی لپیٹ میں آ گیا موخ ابن اثیر اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے اپنی قلبی کیفیت اور تاثر کو چھپا نہیں سکا وہ لکھتا ہے :-

”یہ حادثہ انتہا ہولناک اور ناگوار ہے کہ میں کئی برس تک اس پس و پیش میں رہا کہ اس کا

ذکر کروں یا نہ کروں اب بھی بڑے تردد و تکلف کے ساتھ اس کا ذکر رہا ہوں اور واقعہ بھی یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی خبر موت سنا کس کو آسان ہے اور کس کا جگر ہے کہ ان کی ذلت و رسوائی کی داستان سناے؟ کاش میں نہ پیدا ہوتا، کاش میں اس واقعہ سے پہلے مر چکا ہوتا اور بھولا بسر ہو جاتا لیکن مجھے بعض دوستوں نے اس واقعہ کے لکھنے پر آمادہ کیا پھر بھی مجھے تردد تھا لیکن میں نے دیکھا کہ لکھنے سے بھی کچھ فائدہ نہیں۔

یہ وہ حادثہ عظمیٰ اور مصیبت کبریٰ ہے کہ دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی اس واقعہ کا تعلق تمام انسانوں سے ہے لیکن خاص طور پر مسلمانوں سے ہے اگر کوئی شخص دعویٰ کرے کہ از آدم تا میں دم ایسا واقعہ دنیا میں نہیں پیش آیا تو وہ کچھ غلط دعویٰ نہ ہو گا اس لئے کہ تاریخ میں اس واقعہ کے پانچ بھی کوئی واقعہ نہیں ملتا اور شاید دنیا قیامت تک (یا جوج و با جوج کے سوا) کبھی ایسا واقعہ نہ دیکھے، ان وحشیوں کی پر رحم نہیں کھایا، انھوں نے عورتوں، مردوں اور بچوں کو قتل کیا عورتوں کے پیٹ چاک کر دیئے اور پیٹ کے بچوں کو مار ڈالا "إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ" وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ" یہ حادثہ عالم گیر و عالم آشوب تھا، ایک طوفان کی طرح اٹھا اور دیکھتے دیکھتے سارے عالم پر پھیل گیا!

۶۵۶ھ میں یہ تاری دارا غلامہ بغداد میں فاطمہ داخل ہوئے اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی، مؤرخ ابن کثیر بغداد کی تباہی اور تاتاریوں کی غارتگری و خون آشامی کا ذکر کرتے ہوئے اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:-

"بغداد میں چالیس دن تک قتل و غارت کا بازار گرم رہا چالیس دن کے بعد

یہ گزرا شہر جو دنیا کا پر رقت ترین شہر تھا، ایسا ایران و تاراج ہو گیا کہ تھوڑے سے آدمی دکھائی دیتے تھے، بازاروں اور راستوں پر لاشوں کے ڈھیر اس طرح لگے تھے کہ ٹیلی نظر آتے تھے، ان لاشوں پر بارش ہوئی تو صورتیں بگڑ گئیں اور سارے شہر میں قفن پھیل گیا جس سے شہر کی ہوا خراب ہوئی اور سخت وبا پھیلی جس کا اثر ملکِ شام تک پہنچا اس ہوا اور وبا بکثرت مخلوق مری گرائی، وبا اور فنانینوں کا دور دورہ تھا۔

مصری افواج کے مقابلے میں تاتاریوں کی شکست

عراق و شام کے قبضے کے بعد تاتاریوں کا رخ قدرتی طور پر مصر کی طرف تھا اور وہی تنہا اسلامی ملک تھا جو ان کی غارتگری سے بچا ہوا تھا، سلطان مصر الملک المظفر سیف الدین قطز کو معلوم تھا کہ اب مصر کی باری ہے اور تاتاریوں کی چڑھائی کے بعد ملک کی حفاظت مشکل ہے اس نے مناسب سمجھا کہ وہ مصر میں مدافعت کرنے کے بجائے آگے بڑھ کر شام میں تاتاریوں پر خود حملہ کرے، چنانچہ ۲۵ رمضان المبارک ۶۵۸ھ کو عین جاوت کے مقام پر تاتاریوں اور مصر کی اسلامی افواج کا مقابلہ ہوا اور سابق تجربوں کے بالکل خلاف تاتاریوں کو شکست فاش ہوئی، وہ بڑی طرح سے بھل گئے اور مصریوں نے ان کا تعاقب کیا اور کثرت سے ان کو قتل کیا، اور بڑی تعداد میں گرفتار۔

سیف الدین قطز کے بعد الملک النظار بیبرس نے متعدد بار تاتاریوں کو شکست دی اور سارے ملک شام سے ان کو بے دخل اور خارج کر دیا، اور اس طرح وہ کہاوت غلط ثابت ہوئی کہ تاتاریوں کی شکست ممکن نہیں۔

مسلمانوں کے فاتح اسلام کے مفتوح

بائیں ہمتا تاتاری عراق سے لے کر ایران و ترکستان تک قابض تھے اور خود دار اسلام بندگان ان کے قبضہ میں تھا، ایک نیم وحشی بُت پرست قوم کا عالم اسلام کے علمی و تہذیبی مرکز پر قابض رہنا ایک افسوس ناک واقعہ تھا جس کا پورے عالم اسلام اور پوری زندگی اور تمدن و اخلاق پر اثر پڑ رہا تھا، عالم اسلام میں کوئی طاقت ایسی نہ تھی جو ان کو عراق سے بے دخل کر سکے، اس وقت اسلام کی روحانی طاقت اور قوتِ تسخیر کا ایک معجزہ ظاہر ہوا اور چند گنا مخلص داعیوں اور مسلمان امراء و بابر کی توجہ اور کوشش سے تاتاری سلاطین و امراء میں اسلام کی اشاعت شروع ہو گئی، اور اس طرح اسلام نے اس ناقابلِ تسخیر قوم کو فتح کر لیا جس نے سارے عالم اسلام کو ایک بار فتح کر لیا تھا، ابن کثیرؒ ۶۹۴ھ کے واقعات میں لکھتے ہیں:-

”اس سال چنگیز خاں کا پڑپوتا قازان تاتاریوں کا بادشاہ ہوا اور امیر توردن رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر علانیہ مشرف باسلام ہوا اور تاتاری کل یا بیشتر اسلام میں داخل ہو گئے، جس روز بادشاہ نے اسلام قبول کیا اس روز سونا چاندی اور موتی لوگوں کے سروں پر بچھا ور کئے گئے، اس نے اپنا نام محمود رکھا اور جمعہ اور خطبہ میں شرکت کی، بہت سے بُت خانے گرا دیئے اور ان پر جزیہ مقرر کیا بندگان اور دوسرے شہروں اور ملکوں کی غصب کی ہوئی چیزیں واپس کی گئیں اور انصاف کیا گیا اور لوگوں نے تاتاریوں کے ہاتھ میں تسبیحیں دیکھیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کا شکر ادا کیا۔“

تاتاری حملے کا عالم اسلام پر اثر

تاتاری حملہ سے عالم اسلام کو ایسا دھچکا لگا تھا کہ اس کے سنبھلنے کے لئے مدت درکار تھی، تاتاری حملہ ہی سے مسلمانوں کے قوائے فکر یہ میں ضحلال و افسردگی اور طبیعتوں میں یاس انگیزی اور جمود پیدا ہو گیا، اس حملہ سے علوم دینیہ ادب و شاعری تصنیف و تالیف اور اخلاق و معاشرت سب پر اثر پڑا تھا، علمی و ادبی سرمایہ میں اضافہ و جدت و اصلاح اور تعمیر و ترقی کے بجائے اب اہل علم اور حاملین دین کو اس کی فکر تھی کہ وہ موجودہ سرمایہ کی حفاظت کا معقول انتظام کر سکیں اور کسی طرح اس فقہی علمی اور ادبی ذخیرہ کو تباہی سے بچا سکیں جو اب ان کی تولیت اور امانت میں تھا، انسانیت و تہذیب کی یہ بڑی قسمی تھی کہ دنیا کی زمام قیادت ان جاہلی اور وحشی قوموں کے ہاتھ میں نہ ہونے کوئی آسانی دین رکھتے تھے اور نہ کسی علم و تہذیب و تمدن کے سرمایہ کے مالک تھے ان کی قیادتیں کسی علمی و دینی ترقی کی امید نہیں کی جاسکتی تھیں ان کے اسلام قبول کر لینے کے بعد اگرچہ مسلمان ان کی غارتگری اور خوں شامی سے محفوظ ہو گئے تھے، اور ان کو دینی آزادی حاصل ہو گئی تھی اور اسلام حکمران طبقہ کا مذہب بن گیا تھا، مگر ان جدید اسلام تاتاریوں میں بہر حال دینی و علمی قیادت اور اسلامی امت کی صلاحیت نہ تھی اور اس صلاحیت کے پیدا ہونے کے لئے ایک طویل مدت درکار تھی اس وقت ایک ایسی تازہ دم عالی حوصلہ مجاہد سیرت قوم کی ضرورت تھی جو گرتے ہوئے عالم اسلامی کو سنبھال سکے اس میں نئی زندگی اور نئی روح پیدا کر دے اور عالم اسلامی کی قیادت کا فرض انجام دینے کی کوشش کرے۔

میلن قیادت میں عثمانی ترکوں کی آمد و عالم اسلامی کا ایک سنبھالا

کچھ ہی عرصہ کے بعد آٹھویں صدی میں عثمانی ترک تارکخ کے منظر عام پر آئے، انھوں نے

دنیا کو عام طور پر اور مسلمانوں کی نگاہوں کو خصوصیت کے ساتھ اپنی طرف اس وقت متوجہ کیا جب سلطان محمد فاتح نے ۸۵۳ھ مطابق ۱۴۵۳ء میں اپنی چوبیس برس کی عمر میں باطنی سلطنت کے ناقابل تسخیر دار السلطنت قسطنطنیہ کو فتح کر لیا، اس واقعہ سے مسلمانوں میں ایک نئی آنکھ اور نیا جوش پیدا ہو گیا ترک (جن کی قیادت آل عثمان کر رہے تھے) اس کے اہل تھے کہ ان پر اسلامی اقوام کی قیادت کے بارہ میں مسلمانوں کی طاقت کو از سر نو واپس لانے میں اور دنیا میں ان کے کھوئے ہوئے مرتبہ اور مقام کو بحال کرنے میں غنا دیا جائے ان کا قسطنطنیہ کو فتح کر لینا جس کا مسلمان آٹھ سو برس تک بار بار کی کوششوں کے باوجود فتح نہیں کر سکے تھے ان کی قابلیت و قوت اور فنون جنگ میں مرتبہ اجتہاد کو پہنچ جانے کی دلیل تھی، اور یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ جنگی طاقت اور سامان جنگ میں اپنی تمام معاصر قوموں سے فائق ہیں اور ان میں صلاحیت ہے کہ وہ اپنے مقصد کے لئے علم و عمل کی طاقت اور اجتہاد سے کام لے سکیں اور قائم قوم کے لئے یہ تمام صفات بمنزلہ شرائط کے ہیں۔

اپنی کتاب "مفکرین اسلام" کے پہلے حصہ میں BARON CARRA DE VAUX

محمد فاتح کے تذکرہ میں لکھتا ہے:-

"یہ فتح محمد فاتح کو محض بخت و اتفاق سے حاصل نہیں ہوئی تھی اور نہ اس کا سبب محض باطنی سلطنت کی کمزوری تھی اصل وجہ یہ تھی کہ سلطان بہت پہلے سے اس کے لئے ضروری انتظامات کر رہا تھا اور اس کے زمانہ میں علم کی جتنی طاقت تھی اس سے کام لے رہا تھا تو یہ اس وقت نئی نئی ایجاد ہوئی تھیں اس نے کوشش کی کہ جتنی زبردست اور بڑی توپ اس زمانہ میں بن سکتی ہے بنائی جائے اس نے اس کے لئے ہنگامی کے ایک انجینیر کی خدمات حاصل کیں جس نے اس کے لئے

ایک ایسی توپ بنائی جو تین سو کیلو کے وزن کا گولہ پھینکتی تھی اور اس کی مار ایک میل سے زیادہ کی تھی کہتے ہیں کہ اس توپ کو کھینچنے کے لئے سات سو آدمیوں کی ضرورت ہوتی تھی اور اس کے بھرنے کے لئے دو گھنٹے چاہئے تھے جب محمد فاتح قسطنطنیہ فتح کرنے چلا تو اس کی قیادت میں تین لاکھ سپاہی تھے اور زبردست توپخانہ اس کا بحری بیڑہ جو قسطنطنیہ کا سمندر کی جانب سے محاصرہ کئے ہوئے تھا ایک سو بیس جنگی کشتیوں پر مشتمل تھا، اس نے اپنی عقل و اجتہاد سے یہ تجویز کیا کہ جنگی بیڑہ کا ایک حصہ خشکی سے خلیج تک پہنچایا جائے اس نے لکڑیوں پر چربی مل کر شتر جہاز قائم پاشانگی سمت سے سمندر میں اتار دیئے۔

محمد فاتح سے یورپ اس قدر مرعوب اور خوف زدہ تھا کہ اس کے انتقال پر اپنے عظیم نے جشن مسرت منانے کا حکم دیا اور فرمان صادر کیا کہ تین روز تک مسلسل شکرانہ کی نمازیں پڑھی جائیں۔

ترکوں کی خصوصیات

مسلمان ترک قوم میں دو حقیقت کچھ ایسی خصوصیات ہیں جن سے وہ مسلمانوں کی عبادت کی مستحق تھی۔

۱۔ وہ ایک بلند حوصلہ پر جوش اور زندہ قوم تھی جس میں جہاد کی روح تھی اور جو بدویت کی زندگی اور سادگی سے قریب العہد ہونے کی وجہ سے ان اخلاقی اور اجتماعی امراض سے محفوظ تھی جن میں اسلامی قومیں مشرق میں مبتلا ہو کر کمزور ہو چکی تھیں۔

۲۔ اس کے پاس ایسی جنگی طاقت تھی جس سے وہ اسلام کے مادی اور روحانی تسلط کو پھیلنے

اور جلیق قوموں کی دست درازلیوں کو روک سکے اور دنیا کی قیادت کے منصب پر فائز ہو سکے، ایک وقت میں عثمانی سلاطین بین بر اعظم یورپ، ایشیا اور افریقہ میں حکومت کرتے تھے، اسلامی مشرق ایران سے مراکش تک ان کے زیر فرمان تھا، ایشیائے کوچک کو وہ زیر کر چکے تھے، اور یورپ میں آگے بڑھتے ہوئے وہ ویانا کی دیواروں تک پہنچ گئے تھے، بحر متوسط کے وہ تنہا مالک تھے جس پر کسی دوسری قوم یا سلطنت کا کوئی اثر نہ تھا، پطرس اعظم (PETER THE GREAT) کے معتمد نے ایک مرتبہ قسطنطنیہ سے قیصر کو لکھا تھا کہ سلطان بحر اسود کو اپنا گھر سمجھتے ہیں جس کی کسی غیر کو داخل ہونے کی اجازت نہیں، ترکوں کے بحری بیڑہ کا مقابلہ سارا یورپ ملکر بھی نہیں کر سکتا تھا، ۱۷۱۵ء میں پایپے اعظم، ونیس اسپین، پرتگال اور اطالیہ کی متحدہ بحری طاقت نے اس بیڑہ کو شکست دینی چاہی لیکن شکست کھائی، سلیمان اعظم کے زمانہ میں ترکوں کو بحری و بری، اور سیاسی اور روحانی اقتدار حاصل تھا، اس کے زمانہ میں عثمانی حکومت کے حدود شمال میں دریائے صاوا (SAVA) جنوب میں نیل کے دہانہ اور بحر ہند تک، مشرق میں قفقاز کے سلسلہ کوہ اور مغرب میں کوہ اطلس تک پہنچ گئے تھے، اور چار لاکھ مربع میل کا رقبہ اس کے زیر حکومت تھا، سلطنت عثمانیہ کا بحری بیڑہ تین ہزار فوجی جہازوں پر مشتمل تھا، روم کے علاوہ قدیم دنیا کا ہر مشہور شہر حکومت عثمانیہ کے زیر فرمان تھا۔

یورپ سارا ان سے ہیبت زدہ تھا، اس کے بڑے بڑے بادشاہ عثمانی سلاطین کی حفاظت اور پناہ میں داخل ہوتے تھے، ان کے احترام میں کلیساؤں کے گھنٹے بند ہو جاتے تھے۔ ۳۔ بین الاقوامی قیادت کے لئے ان کو بہترین جغرافیائی مرکز حاصل تھا، وہ جزیرہ مائے بلقان سے بیک وقت ایشیا اور یورپ کی نگرانی کر سکتے تھے، ان کا دار السلطنت بحر اسود اور بحر ابیض کے

درمیان واقع اور ایشیا اور یورپ کی خشکیوں کا نقطہ اتصال تھا، اس لئے ایک ایسی حکومت کا جس کو نینوں براعظم (یورپ، ایشیا اور افریقہ) کی بیک وقت نگرانی کرنی تھی وہ بہترین پائیدار تھا، نپولین نے ایک موقع پر کہا تھا کہ ”اگر کبھی ساری دنیا کی ایک متحدہ حکومت قائم ہوئی تو قسطنطنیہ ہی میں یہ صلاحیت ہے کہ اس کا دارالسلطنت بنے۔“

وہ یورپ میں تھے اور یورپ کو مستقبل قریب میں بڑی اہمیت اور حیثیت حاصل ہونے والی تھی، زندگی کی طاقتیں اور ترقی کے محرکات و عناصر اس کے سینہ میں ابل رہے تھے، اگر اسٹر تو قیق دیتا تو ترکوں کے لئے یہ ممکن تھا کہ علم و عقل کے میدان میں پیش قدمی کریں، اور یورپ کی عیسائی قوموں سے بازی لے جائیں اور دنیا کے پیشوا بن کر اس سے پہلے کہ یورپ دنیا کی عنان قیادت ہاتھ میں لے کر اس کو ہلاکت و تباہی کی طرف لے جائے، وہ اس کو حق و ہدایت کی منزل کی طرف جس کا نشان اُن کو اسلام کے طفیل میں مل چکا تھا لے چلیں۔

ترکوں کا تنزل

لیکن ترکوں کی قسمتی سے زیادہ مسلمانوں کی قسمتی ہے کہ عین ترقی و عروج کے زمانہ میں ترکوں میں تنزل و انحطاط شروع ہو گیا اور قوموں کے پرانے امراض ان میں پیدا ہو گئے، آپس میں حسد و بغض کا نشو و نما ہوا، بادشاہ مستبد اور جابر ہونے لگے، حکمرانوں کی تربیت کا نظام بگڑ گیا، اخلاق میں انحطاط شروع ہو گیا احکام اور سپہ سالار قوم و سلطنت سے خیانت اور غداری کرنے لگے، قوم میں راحت طلبی اور عافیت کو شہی پیدا ہو گئی، غرض زوال پذیر قوموں کی وہ کام صفا پیدا ہو گئیں جن کی تفصیل ترکوں کی تاریخ کی کتابوں میں ہے اور یہ اس کا موقع نہیں۔

ترکوں کا جمود اور پسماندگی

سب سے بڑا مرض جو ترکوں میں پیدا ہوا تھا وہ جمود تھا اور جو دیکھی دونوں طرح کا، علم و تعلیم میں بھی جمود اور فنون جنگ و عسکری تنظیم و ترقی میں بھی، قرآن مجید کی یہ آیت انھوں نے بالکل فراموش کر دی۔

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْغَيْلِ تُنْهَوْنَ

بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَحَدَّكُمْ وَالْآخِرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُوهُمْ

(الانفال - ۶۰)

مسلماںو! جہاں تک تمہارے بس ہیں ہے قوت پیدا کر کے اور گھوڑے تیار رکھ کر دشمنوں کے مقابلہ کے لئے اپنا ساز و ساماں بھی لائے

کہ اس طرح مستعد رہ کر تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھائے رکھو گے نیز ان لوگوں کے سوا اوروں پر بھی جن کی تمہیں خبر نہیں۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ان کے حافظہ سے گویا محو ہو گیا تھا "الحکمة صالۃ المؤمن حیث وجدھا فهو احقُّ بها" (دانائی کی بات مومن کا گم شدہ مال ہے جہاں اس کو مل جائے وہی اس کا زیادہ حقدار ہے) ایسی حالت میں کہ وہ یورپ کی حریف سلطنتوں اور قوموں کے درمیان گھرے ہوئے تھے ان کو فاتح مصر حضرت عمرو بن العاصؓ کی وہ وصیت ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہئے تھی جو انھوں نے مصر کے مسلمانوں کو کی تھی کہ:-

"اس بات کو کبھی نہ بھولنا کہ تم قیامت تک خطرہ کی حالت میں ہو اور ایک ہم نامہ کر پکڑے ہوئے ہمارے لئے تم کو ہمیشہ ہوشیار اور مستعد رہنا چاہئے کیوں کہ تمہارے چاروں طرف دشمن ہیں اور ان کی نگاہیں تم پر اور تمہارے ملک پر لگی ہوئی ہیں!"

لہذا تاریخ مصر از جرجی زیدان۔

لیکن افسوس ہے کہ ترکِ مطہن ہو کر بیٹھ گئے وہ اپنی جگہ پر رہے اور یورپین قومیں کہیں کہیں پہنچ گئیں۔ مشہور ترکی فاضلہ خالدہ ادیب خانم نے ترکوں کے اس علمی اور تعلیمی جمود کا بڑی وضاحت کے ساتھ ذکر کیا ہے، وہ کہتی ہیں:-

• جب تک دنیا پر شکلیں کے فلسفہ کی حکومت رہی ترکی کے علماء اپنا کام نہایت غولی سے کرتے رہے، مدرسہ سلیمانیہ اور مدرسہ فاتح اس زمانہ میں تمام مروجہ علوم و فنون کے مرکز تھے، مگر جب مغرب نے کلام کی زنجیروں کو توڑ کر نئے علم و حکمت کی بنیاد ڈالی جس نے دنیا کی زندگی میں ایک انقلاب پیدا کر دیا تو علماء کی جماعت مسکلی کے فرائض انجام دینے کے قابل نہیں رہی، یہ حضرات سمجھتے تھے کہ علم جس مقام پر تیرہویں صدی میں تھا وہاں سے اب تک آگے نہیں بڑھا، یہ طرز خیال انیسویں صدی کے وسط تک ان کے نظامِ تعلیم پر حاوی رہا، ترکی اور دوسرے اسلامی ممالک کے علماء کا یہ طرز خیال جذبہ اسلامی سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا تھا، فلسفہ کلام یا علم کلام خواہ وہ عیسائیوں کا ہو یا مسلمانوں کا یونانیوں کے فلسفہ پر مبنی ہے اس پر کم و بیش ارسطو کے خیالات کا رنگ غالب ہے جو ایک دشمنی فلسفی تھا، یہاں اس کی ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ ہم مختصر الفاظ میں عیسائی علماء اور مسلمان علماء کے طرز خیال کا مقابلہ کریں۔

قرآن کریم میں عالمِ طبیعی کی تخلیق کے مسئلہ کا کہیں تفصیل سے ذکر نہیں ہے اس کی تعلیم میں زیادہ اہمیت اخلاقی و معاشرتی زندگی کو دی گئی ہے اس کا خاص مقصد تہذیب و فتنہ، خیر و شر میں امتیاز کرنا ہے وہ دنیا کے لئے ایک قانونِ عمل لے کر آیا ہے، ابعدا الطبعی مسائل و روحانی معارف بھی جہاں کہیں بیان کئے گئے ہیں ان میں کوئی پیچیدگی یا اشکال نہیں اس کی بنیاد ہی تعلیم توحید ہے اسی وجہ سے اسلام ایک نہایت سہل و سادہ

مذہب اور اس میں اور مذاہب کے کہیں زیادہ اس کی گنجائش ہے کہ عالم طبیعی کے نئے نظریات کو قبول کر سکے مگر یہ سادگی اور وسعت نظر جو نئی علمی تحقیقات کے لئے اس قدر سازگار تھی کہ مسلمانوں میں زیادہ دن نہیں رہنے پائی نوں صدی میں علماء اور متکلمین نے نہ صرف فقہ بلکہ انہیات کو بھی اصول و ضوابط کی زنجیروں میں جکڑ دیا، یعنی تحقیق و اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا، اسی زمانہ میں اسلامی فلسفہ میں ارسطو کے خیالات دخل ہو گئے۔

بجائے اس کے دین عیسوی میں جسے مسیح کے مذہب کی جگہ سینٹ پال کا مذہب کہنا زیادہ موزوں ہے کتاب پیدائش کے اندر عالم طبیعی کی مفصل تفسیر موجود ہے، عیسائی اسے خدا کا کلام تسلیم کر چکے تھے اس لئے ان پر یہ فرض عائد ہوتا تھا کہ اس تفسیر عالم کی حقانیت کو ثابت کریں اس تاویل میں شاہدہ ان کا ساتھ نہیں دیتا تھا اس لئے استدلال سے مدد لینا پڑی ارسطو کا دامن انھوں نے اس لئے پکڑا کہ اس کی منطق سحر کی سی خاصیت رکھتی تھی۔

جب مغرب نے فطرت کا مطالعہ مشاہدہ اور تجربہ تحلیل اور تجزیہ کے ذریعہ سے کرنا شروع کیا تو آداب کلیسا کے ہوش اڑ گئے، ادھر نئے علمی طریقوں کی مدد سے بڑے بڑے انکشافات ہونے لگے اور ادھر عیسائی علماء کو یہ خوف پیدا ہوا کہ اب کلیسا کی حکومت کا خاتمہ ہے چنانچہ مغرب میں اس دور کا آغاز ہوا جس میں بڑے بڑے سائنسدان جو عالم طبیعی کے دائرہ کے اندر تحقیق میں مصروف تھے قتل کر دیئے جاتے تھے۔ سائنس اور مذہب کے خوریز معرکوں کے بعد آخر عیسوی کلیسا کو مصلحت شامی سے کام لینا پڑا اس نے اپنے مدرسوں اور مکتبوں کے نصاب میں سائنس کو داخل کر لیا اس کی یونیورسٹیاں جو پہلے بالکل اسلامی مدارس کی طرح تھیں سائنس اور علوم جدیدہ کا مرکز

برگشیں، مگر اسی کے ساتھ اس نے ابداً بطبعی فلسفہ کو بھی نہیں چھوڑا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کلیسا کا اثر تعلیم یافتہ طبقہ کے کم سے کم ایک حصہ پر بدستور باقی رہا، کیتھولک اور پروٹسٹنٹ پادری نئے علوم پر عبور رکھتے تھے، اور نئے زمانہ کے لو جانوں سے ہر موضوع پر بحث کر سکتے تھے۔

عثمانیوں کے یہاں علماء کی حالت اس کے بالکل برعکس تھی انھوں نے علوم جدیدہ کی تحصیل کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، بلکہ نئے خیالات کو اپنی قلمرو میں داخل ہی نہیں ہونے دیا، جب تک ملت اسلامیہ کی تعلیم کی باگ ان کے ہاتھ میں تھی کیا مجال کہ کوئی نئی چیز قریب آنے پائے یہ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے علم پر جمود طاری ہو کر رہ گیا، اور درود انحراف میں ان کی سیاسی مصروفیتیں اس قدر بڑھ گئی تھیں کہ شاہدہ اور تجربہ کے جھیلے میں پڑنے کی انھیں فرصت نہ تھی، پہل نسخہ یہی تھا کہ ارسطو کے فلسفہ پر قدم جمائے رہیں اور علم کی بنیاد استدلال پر رہنے دیں چنانچہ اسلامی مدارس کا انیسویں صدی میں بھی وہی رنگ رہا جو تیرھویں صدی میں تھا۔

عالم اسلام کا عام ذہنی و علمی انحطاط

علمی جمود اور ذہنی اضمحلال اس وقت صرف ترکی اور اس کے علمی اور دینی حلقوں کی خصوصیت نہیں تھی واقعہ یہ ہے کہ پورا عالم اسلامی مشرق سے مغرب تک ایک علمی انحطاط کا شکار تھا، داغ تھکے ٹھکے سے اور طبیعتیں کبھی کبھی سی نظر آتی تھیں اور ایک عالمگیر جمود اور افسردگی چھائی ہوئی تھی، اگر ہم احتیاطاً اٹھویں صدی سے اس ذہنی اضمحلال کی ابتدا نہ کریں تو اس میں شبہ نہیں کہ نویں صدی ہجری

لے ترکی میں مشرق و مغرب کی کشمکش، ازخالدہ ادیب خانم۔

وہ آخری صدی تھی جب جدت فکر، قوت اجتہاد اور ادب و شاعری، حکمت و فن میں زہدیت اور تخلیق کے آثار نظر آتے ہیں یہی وہ صدی ہے جس میں مقدمہ ابن خلدون جیسی مفکرانہ تصنیف عالم اسلام کو حاصل ہوئی، دسویں صدی سے بہت واضح طور پر افسردگی، شدت تقلید اور نقالی کے آثار نظر آنے لگتے ہیں یہ افسردگی اور اضمحلال کسی خاص شعبہ اور کسی خاص فن کے ساتھ مخصوص نہیں تھا، دینی علوم، شعر و ادب، انشا و تاریخ، تعلیمی نصاب، نظام سب کے سب کم و بیش اس سے متاثر نظر آتے ہیں پچھلی صدیوں کے علماء کے تذکرے اور کتب سوانح پڑھئے سیکڑوں ناموں میں ایک ایسے شخص کا نامنا مشکل ہوگا جس پر عبقری (GENIUS) کے لقب کا اطلاق درست ہو، جس نے کسی موضوع پر کوئی نئی چیز پیش کی ہو یا کسی خاص علم میں اس نے کوئی گراں قدر اضافہ کیا ہو پچھلی صدیوں میں ہم صرف چند افراد کا استثناء کر سکتے ہیں جو اپنے زمانہ کی عام علمی و ذہنی سطح سے بہت بلند تھے اور جنہوں نے دینی یا علمی دائرہ میں کوئی بڑا انقلابی کارنامہ یا علمی شاہکار پیش کیا ہے، خوش قسمتی سے ان نام مستثنیٰ افراد کا تعلق ہندوستان کی سرزمین سے ہے ان میں سے ایک حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی (م ۱۰۳۴ھ) ہیں جن کے مکتوبات اسلام کے علمی و دینی سرمایہ میں ایک بیش بہا اضافہ ہے اور جنہوں نے پورے عالم اسلام پر گہرا اثر ڈالا ہے، دوسرے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) ہیں جن کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ "ازالۃ الخفا" "الفوز الکبیر" اور رسالۃ الانصاف اپنے اپنے موضوع پر بالکل منفرد تصنیفات ہیں، تیسرے ان کے صاحبزادہ شاہ رفیع الدین دہلوی (م ۱۲۳۳ھ) جنہوں نے اپنی تصنیفات تکمیل الاذہان "اور رسالۃ اسرار المحبت" میں بعض نئے خیالات کا اظہار کیا جو تھے شاہ اسماعیل شہید دہلوی (ش ۱۲۴۶ھ) جن کی کتاب "منصب امامت" اور "عمققات" اجتہادی شان رکھتی ہے اور اپنے اپنے موضوع پر بے نظیر ہے، اسی طرح فرنگی محل کا خاندان اور یورپ کے بعض تعلیمی سلسلے اپنی دکاوت اور طباطبی

میں بہت ممتاز نظر آتے ہیں اور انھوں نے اپنے وقت کے تعلیمی حلقوں پر بڑا گہرا اثر ڈالا ہے۔
مگر ان کی ذہانت اور علمی کمالات درسیات کے دائرہ سے بہت کم تجاوز کرتے ہیں۔

صرف علم دین پر منحصر نہیں، ادب و شاعری بھی اپنی زندگی اور تازگی کھو چکی تھی اور
ان پر بھی تقلید و تبع کا غلبہ تھا، انشروانشا پر دازی کو تکلف و تصنع قافیہ سپاہی، لفظی صناعت اور
عبارت آرائی نے بے رونق اور بے روح بنا رکھا تھا، دو سنتوں کے خطوط، تالیف کی کتابیں اور دفتری
تحریریں اور فرامین بھی اس عیسے پاک نہیں تھے، کہیں کہیں ادب و انشاء کا کوئی ایسا نمونہ مل جاتا
ہے جو اس زمانہ کے مذاق عام سے الگ اور سب سے بلند نظر آتا ہے۔

تعلیمی حلقے اور مدارس سخت جمود و تقلید کا شکار اور ایک علمی و فکری انحطاط میں گرفتار
نظر آتے ہیں، متقدمین کی علم آموز اور ذوق آفرین کتابیں نصاب تعلیم سے رفتہ رفتہ خارج کر دی
گئیں، ان کی جگہ پرانے متاخرین کی کتابیں آگئیں جو اپنے فن میں درجہ اجہاد نہیں رکھتے تھے،
اور متقدمین کے صرف مقلد یا شایع تھے، متون کی جگہ شروح و حواشی نے لے لی جن کی تالیف میں
ان کے مصنفین نے کاغذ کے بارہ میں سخت کفایت شعاری سے کام لیا تھا، اور عام فہم اور
واضح زبان کے بجائے اشارات و رموز میں لکھا تھا، اس سب سے اس ذہنی و علمی انحطاط اور
پستی کا اندازہ ہو گا جو پورے عالم اسلام پر طاری تھی، اور جس سے اس کا کوئی گوشہ اور زندگی کا
کوئی شعبہ بچا ہوا نہیں تھا۔

ترکوں کے معاشرتی معاصر

دولت عثمانیہ کی ہمعصر و ہمسر و طاقتور مشرقی حکومتیں تھیں، ہندوستان میں بلیہ سلطنت
جس کی بنیاد ۹۳۳ھ میں بابر کے مضبوط ہاتھوں سے پڑی تھی جو سلطان سلیم اول کا معاصر تھا،

اور جس کے تحت پر یکے بعد دیگرے طاقتور بادشاہ آئے، ترکی کے بعد شرق کی سب سے بڑی
 با عظمت اور پر شکوہ سلطنت تھی، اسی خاندان کا آخری طاقتور بادشاہ سلطان اورنگ زیب عالمگیر
 تھا جو سلطنت کی وسعت، فتوحات کی کثرت، شہر، اور دینداری اور دینی علم اور انقیبیت میں ہندوستان
 کی پوری اسلامی تاریخ میں خاص امتیاز رکھتا ہے اورنگ زیب نے ۹۰ سال سے زائد عمر پائی اور مسلسل
 پینچاس برس حکومت کی اس کی وفات ۱۱۱۸ھ یعنی اٹھارویں صدی عیسوی کے اوائل میں ہوئی،
 یہ زمانہ یورپ کی بیداری اور تعمیر و ترقی کا خاص دور ہے لیکن قسمتی سے اورنگ زیب کے سب سے بڑے
 نااہل پست ہمت اور عیش پسند مکمل، وہ یورپ کے خطرات کا مقابلہ اور امت اسلامیہ کی حفاظت
 کرنے کے اہل نوکریا ثابت ہوئے، اپنے ملک سلطنت کی حفاظت بھی نہ کر سکے اور بالآخر اپنی مالاہلی
 کمزوری اور نا اتفاقی سے انگریزی حکومت کے قیام و استحکام انگلستان کی ترقی و نمو اور
 صنعتی انقلاب کا باعث ہوئے اور بالواسطہ اکثر اسلامی ممالک کی غلامی کا سبب بنے۔

۱۔ برک ایڈمز اپنی کتاب قانون تہذیب الخطا کے ۲۶۳-۲۶۴ پر لکھتا ہے: "جنگ پلاسی کے بعد بنگال کا
 مال غنیمت لندن میں آنا شروع ہوا اور اس کا نتیجہ بھی بہت جلد رونما ہوا، اتنا بڑا صنعتی انقلاب جس کے اثرات
 آج دنیا کے گوشہ گوشہ میں نمایاں ہیں شاید وجود ہی میں نہ آتا اگر پلاسی کی لڑائی نہ ہوئی ہوگی کیونکہ ہندوستان ہی کا
 خزانہ اس کا محرک و مدد معاون ہوا، (۲) جب ہندوستان کا خزانہ انگلستان پر لڑنا شروع ہوا اور مائیں لیا
 ہوا تو ایجا داک کی تحریک بہت جلد ایک روح پیدا ہو گئی (۳) جس سے دنیا وجود رکھتی ہے شاید بھی روپے سے اتنا
 منافع حاصل نہیں ہوا جتنا ہندوستان کے مال غنیمت سے ہو کیونکہ پچاس برس تک انگلستان کا کوئی بڑا مقابلہ نہ تھا،
 سروریم ڈگبی لکھتا ہے: "پلاسی کی لڑائی سے پہلے جب تک ہندوستان کے خزانے ڈھل ڈھل کر
 انگلستان نہیں آئے تھے ہمارے ملک کا ستارہ عروج پر نہیں تھا (حقیقت ہے) کہ انگلستان کی صنعتی
 ترقی بنگال کی بے شمار دولت اور کرناٹک کے خزانوں کی بدولت ہوئی" (عمود بنگلوری)

دوسری بڑی مشرقی حکومت ایران کی صفوی سلطنت ہے جو ایک بڑی تمدن اور ترقی یافتہ سلطنت تھی لیکن شیعیت کے غلو و تعصب اور وزیر کی حکومت نے آزادی نے اس کو کسی اور کام کی فرصت نہ دی اور وہ بہترین زمانہ (جو یورپ کی تعمیر و تنظیم کا تھا) بھی ترکی حکومت کے حدود پر حاکم کرنے اور بھی اپنی حفاظت و مدافعت میں گزر گیا۔

یہ دونوں سلطنتیں اپنے مسائل و معاملات میں ایسی الجھی ہوئی تھیں اور بیرونی دنیا سے اتنی بے تعلق و بے خبر تھیں کہ ان کو یورپ و رد و راز کے ممالک و الگ الگ ہے شرق اوسط اور اسلامی ممالک کے حالات و واقعات کی خبر نہ تھی را اسلامی سلطنتوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات اور معاہدے اور پورے اسلامی ممالک کا اتحاد قائم کرنے کا مسئلہ تو شاید ان حکومتوں کے ذمہ داروں کے کبھی خیال میں بھی یہ بات نہیں آتی تھی نہ مشرق کی شخصی حکومتوں سے امید ہو سکتی تھی یورپ کے تعلیمی اور جنگی حالات کا مطالعہ اور بیرونی ممالک سے علمی و صنعتی استفادہ تو بہت دور کی بات تھی جس کی طرف کسی کا خیال جانا بھی مشکل تھا۔

اولوالعزم افراد

اس دور خزاں میں بھی اسلام کا درخت برگ بار لاتا رہا اور خزاں میں اس نے بعض ایسے پھول اوپھل پیدا کئے جن کی مثال موسم بہار میں بھی بکثرت نہیں ملتی اور جن کی نظیر سے دوسری قوموں کی تاریخ خالی ہے یہ دور قومی انحطاط و اضمحلال لیکن انفرادی عزیمت اور شخصی جدوجہد کا دور نظر آتا ہے متعدد ممالک میں ایسے صاحب عزم، بلند حوصلہ اور بیدار مغز قائد اور مجاہد پیدا ہوئے جنہوں نے ان آمادہ زوال اور برسر انحطاط قوموں اور ملکوں میں کچھ عرصہ کے لئے نئی زندگی پیدا کر دی ہندوستان میں سلطان ٹیپو جیسا عالی ہمت، بلند نظر اور شہرل قائم پیدا ہوا جو قریب تھا کہ ہندوستان کو غیر ملکی خطر سے پاک کر دے دوسری طرف حضرت سید احمد شہید جیسا صاحب عزیمت اور صاحب تاثیر داعی

اور مجاہد پیدا ہوا جو خلافت راشدہ کے اصول و منہاج پر ایسی اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتا تھا جس کا حلقہ ہندوستان سے بخارا تک وسیع ہو اس کی دعوت و تربیت نے ہزاروں کی تعداد میں ایسے بلند سیرت مجاہد جو صلہ ایثار پیشہ داعی اور سپاہی پیدا کر دیئے جنہوں نے اپنے ایمان و یقین، اللہیت و خلوص اور دینی جوش و حمیت سے "قرونِ اولیٰ" کی یاد تازہ کر دی، لیکن قومی انحطاط اجتماعی پر گندگی اور بے نظمی اور سیاسی بے شعوری اس درجہ کہہ سوج چکی تھی کہ ایسی عظیم اور طاقتور شخصیتیں بھی مسلمانوں کے حالات اور ان کے تنزل و انحطاط کی رفتار میں کوئی بڑی تبدیلی نہ پیدا کر سکیں اور اُمت بحیثیت مجموعی ان مجاہدانہ اور تجدیدی کوششوں سے فائدہ نہ اٹھا سکی۔

یورپ کی صنعتی و طبیعیاتی ترقیاں

سولہویں اور سترھویں صدی عیسوی ہی سے ترک تنزل و انحطاط علمی پس ماندگی اور جمود کا شکار ہو چکے تھے تاہم انسانی کایہ وہ اہم ترین عہد ہے جس کا اثر بعد کی صدیوں پر نقش ہے یورپ اس میں اپنی لمبی غیند سے بیدار ہوا تھا اور ایک جوش و جنوں کی حالت میں اٹھ کر غفلت اور جہالت کے اس طویل زمانہ کی تلافی کرنا چاہتا تھا، وہ ہر شعبہ حیات میں گریز پارتی کر رہا تھا، طبعی قوتوں کو سمجھنا، کائنات کے اثرات کو منکشف اور نامعلوم سمندروں اور اقلیموں کو دریافت کر رہا تھا، ہر علم و فن میں اس کی فتوحات اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کے اکتشافات جاری تھے، اس مختصر سی مدت میں اس کے یہاں ہر علم میں بڑے بڑے محقق، موجد اور مجتہدین پیدا ہوئے، کوپرنیکس (COPERNICUS) بروٹو (BRUNO) گلیلیو (GALILIO) کیپلر (KEPLER) نیوٹن (NEWTON) اور

وہ عالم اور محقق تھے جنہوں نے ہیئت و طبیعیات کا ایک جدید نظام پیدا کر دیا، ایسا حوں اور جہاز رانوں

میرکولیس COLUMBUS واسکوڈی گاما (VASCO DA GAMA) اور مگین (MAGLIN)

جیسے عالی ہمت اولوالعزم پیدا ہوئے جنہوں نے نئی دنیا اور نامعلوم ممالک دریافت کئے۔ قوموں کی تاریخ اس دور میں نئے سرے سے ڈھل رہی تھی اس زمانہ کا ایک ایک لمحہ کئی کئی دن اور ایک ایک دن کئی کئی برس کے برابر تھا جس نے فرصت و تیاری کا ایک لمحہ کھو دیا اس نے ایک طویل زمانہ ضائع کر دیا افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اس وقت لمحات ضائع نہیں کئے بلکہ صدیاں ضائع کیں اور یورپین قوموں نے ایک ایک منٹ اور ایک ایک سکنڈ کی قدر کی اور اس سے فائدہ اٹھایا اور صدیوں کی مسافت برسوں میں طے کی۔

علم و صنعت کے میدان میں ترکوں کی پسماندگی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سولھویں صدی مسیحی سے پہلے ترکی میں جہاز سازی کی صنعت شروع نہیں ہوئی تھی اٹھارویں صدی عیسوی میں ترکی پریس و مطابع حفظانِ صحت کے مراکز اور فوجی تعلیم کے لئے طرز کے مدارس سے روشناس ہوا اٹھارویں صدی کے آخر تک ترکی نئی ایجادات اور ترقیوں سے اس قدر بیگانہ تھا کہ جب طنطنیہ کے باشندوں نے دارالسلطنت پر ایک غبارہ (BALOON) کو پرواز کرتے ہوئے دیکھا تو اس کو سحر یا کیمیا کی کرشمہ سازی سمجھے نہ صرف یورپ کی چھوٹی چھوٹی سلطنتیں ترکی سے اس میدان میں بازی لے جا چکی تھیں بلکہ مصر بھی بعض مفید چیزوں سے فائدہ اٹھانے میں پیش قدمی کر چکا تھا ترکی سے چار سال پہلے مصر میں ریلوے کا نظام قائم ہو چکا تھا، ڈاک کے ٹکٹ بھی ترکی سے چند مہینے پہلے مصر میں لےج ہو چکے تھے۔ جب ترکی کا یہ حال تھا جو عالم اسلام کا قائم تھا تو دوسرے عرب و اسلامی ممالک کا جو ترکی کے زیر اثر یا دست نگر تھے جو کچھ حال ہو گا اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے چھوٹی چھوٹی نئی صنعتیں بھی ابھی ان ملکوں میں رواج پذیر نہیں ہوئی تھیں ایک فرانسیسی تیلج موسیو والنی (VOLNEY) نے

لے نئی ایجادات کی تاریخ مطبوعہ دارالہلال مصر۔

(جس نے اٹھارویں صدی میں مصر کی سیر کی ہے اور شام میں چار سال تک مقیم رہا ہے) اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے کہ یہ ملک صنعت میں اس قدر پیچھے ہیں کہ اگر تمہاری گھڑی خراب ہو جائے تو غیر ملکی کے علاوہ کوئی درست کرنے والا نہیں ملے گا۔

پھر مسلمانوں کا تنزل صرف حکمت و علوم نظریہ اور صنعت و حرفت ہی میں نہ تھا بلکہ یہ ایک ہمہ گیر اور عمومی انحطاط تھا جو مسلمانوں پر پورے طور پر محیط تھا، حتیٰ کہ وہ اپنے فنون جنگ میں بھی یورپ سے پیچھے رہ گئے، جن میں ترکوں کو درجہ لامنت و اجتہاد حاصل تھا اور ان میں ان کی فوقیت کا دنیا کو اعتراف تھا، لیکن یورپ اپنی ایجاد و اجتہاد اور تنظیم کی بدولت فنون حربیہ میں بھی ترکوں سے بہت بڑھ گیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی فوجوں نے ۱۷۷۴ء میں عثمانی افواج کو شرمناک شکست دی اور دنیا پر ظاہر ہو گیا کہ ترک جنگی طاقت میں یورپ کی عیسائی قوموں سے پیچھے رہ گئے ہیں، اس واقعہ سے حکومت عثمانی کی کچھ آنکھیں کھلیں، اور اس نے چند یورپین ماہرین فن کی خدمات حاصل کر کے فوج کی از سر نو تنظیم و تربیت کا کام شروع کیا، لیکن اصلاح و ترقی کا اصل قدم سلطان سلیم ثالث نے (جس کی قصر شاہی باہر تعلیم و تربیت ہوئی تھی) انیسویں صدی کے آغاز میں اٹھایا، نئے طرز کے مدارس قائم کئے جن میں سے انجینئرنگ کالج میں وہ خود تعلیم دیتا تھا، نظام جدید کے نام سے ایک نئی فوج کی بنیاد بھی ڈالی اور سیاسی نظام میں بھی کچھ تبدیلیاں کیں، لیکن قوم اور سلطنت کے جمو کا یہ حال تھا کہ پرانی فوج نے بلوہ کر کے سلطان کو قتل کر ڈالا، اس صلاحی ٹہم میں محمود ثانی جس نے ۱۸۰۶ء سے ۱۸۳۹ء تک حکومت کی) اور اس کے بعد عبدالحمید اول (۱۸۳۹ء تا ۱۸۵۶ء) نے جانشینی کی اور ترکی نے ترقی کے کچھ قدم بڑھائے۔

ترقی کے میدان میں مسلمان ترقی کی جو فاصلہ طے کیا ذرا اس کا مقابلہ اس فاصلہ سے
 کیجئے جو یورپ کے اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں طے کیا، ترقی کے میدان میں ان دونوں
 کی دوڑ میں کچھوے اور خرگوش کا مقابلہ تھا، فرق اتنا ہے کہ خرگوش برابر بیدار اور مشغول
 تھا اور کچھو اپنی سست رفتاری کے باوجود کبھی کبھی سو بھی جاتا تھا۔
 اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں مراکش، الجزائر، مصر، ہندوستان اور ترکستان
 میں مشرق کی مسلمان اقوام اور مغربی قوموں اور طاقتوں کے درمیان جو معرکے پیش آئے
 ان کا فیصلہ دراصل سولھویں اور سترھویں صدی میں ہو گیا تھا، اور اسی وقت ان کے
 نتیجے کی پیشین گوئی کی جاسکتی تھی۔



باب پنجم

بین الاقوامی سیادتِ قیادت کا مغربی عہد اور اس کے اثرات

ترکوں کے تنزل و انحطاط سے عالمگیر طاقت و اقتدار اور ذہنی اور تہذیبی قیادت یورپ کی غیر مسلم قوموں کی طرف منتقل ہو گئی، جنہوں نے عرصہ دراز سے اس کی تیاری کی تھی اور جن کی کوئی حریف مساوی درجہ کی طاقت میدان میں نہ تھی، مغرب سے مشرق تک کوئی ملک ان کے اثر اور نفوذ سے خارج نہ رہا، قومیں یا نوادہ اور سیاسی حیثیت سے ان کی غلام اور زیر فرمان تھیں یا ذہنی علمی اور تہذیبی حیثیت سے زیر اثر اور زیر اقتدار تھیں۔

اس سے پہلے کہ ہم ان اثرات کا جائزہ لیں جو قیادت کے اس انتقال اور تبدیلی نے دنیا کی ذہنیت، قوموں کے اخلاق، تمدن و اجتماع، اور انسانی میلانات رجحانات میں پیدا کیا اور اس کا فیصلہ کریں کہ انسانیت کو اس انقلاب سے فائدہ پہونچا یا نقصان، یہ ضروری ہے کہ ہم مغربی تمدن کی فطرت، ساخت اور روح کو اور ان مؤثر قوموں کے فلسفہ زندگی کو سمجھنے کی کوشش کریں اور یہ دیکھیں کہ وہ کیسے پیدا ہوا اور اس نے کس طرح نشوونما حاصل کی۔

مغربی تہذیب کا شجرہ نسب

بیسویں صدی کی مغربی تہذیب (جیسا کہ بعض سطحی النظر سمجھتے ہیں) کوئی ایسی نوعمر تہذیب نہیں ہے جس کی پیدائش پچھلی صدیوں میں ہوئی ہے، دراصل اس کی تاریخ ہزاروں سال کی پرانی ہے، اس کا تعلق یونانی اور رومی تہذیب سے ہے، ان دونوں تہذیبوں نے اپنے ترکہ میں جو سیاسی نظام، اجتماعی فلسفہ، اور عقلی و علمی سرمایہ چھوڑا تھا، اس کے حصہ میں آیا اس کے سارے رجحانات اور خصوصیات اس کو نسلاً بعد نسل منتقل ہوئے۔

یونانی تہذیب مغربی ذہنیت کا سب سے پہلا واضح مظہر اور نمونہ تھی، یہ پہلا تمدن تھا جو خالص مغربی فلسفہ کی بنیاد پر قائم ہوا اور اس میں مغربی نفسیات کا پورے طور پر ظہور ہوا، یونانی تہذیب کے کھنڈر پر رومی تہذیب کی عمارت قائم ہوئی جس میں ایک ہی مغربی روح کام کر رہی تھی، مغربی قومیں صدیوں تک ان دونوں تہذیبوں کی خصوصیات اور مزاج، ان کے فلسفہ، علوم و ادب، افکار کو سینہ سے لگا کر رہیں، انیسویں صدی میں انھیں خصوصیت کے ساتھ انھوں نے ایک نئے لباس میں ظہور کیا، اس لباس کی چمک دک سے دھوکہ ہوتا ہے کہ وہ نیا ہے لیکن دراصل اس کا تانا بانا یونانیوں اور رومیوں کے ہاتھ کا کاٹا ہوا ہے۔

اس بنا پر ضروری ہے کہ ہم پہلے یونانی اور رومی تہذیب سے واقفیت پیدا کریں اور ان کے مزاج اور روح کو پہچان لیں تاکہ ہم بصیرت کے ساتھ بیسویں صدی کی مغربی تہذیب کی تنقید کر سکیں۔

یونانی تہذیب

یونانی تہذیب کی تحلیل و تنقید کرنے سے ان اجزاء کو نظر انداز کر دینے کے بعد جو ال ہیں

بلکہ فروعات اور مظاہر ہیں اور جو عام انسانی تہذیبوں کے درمیان مشترک ہیں اس کا ایک مخصوص مزاج معلوم ہوتا ہے، اس کی خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

- ۱۔ غیر محسوسات کی بے وقتی اور ان میں اشتباہ۔
- ۲۔ خشوع و خضوع اور روحانیت کی کمی۔
- ۳۔ دنیاوی زندگی کی پرستش اور دنیاوی فوائد و لذائذ کا اہتمام شدید۔
- ۴۔ حب وطن میں افراط و غلو۔

اہم ان متعدد اجزاء اور پہلوؤں کو اگر ایک مفرد لفظ میں ادا کرنا چاہیں تو اس کے لئے تنہا "مادیت" کا لفظ کافی ہے، پس یونانی تہذیب کا بابہ الامتیاز "مادیت" ہے یونانیوں کا علم فلسفہ شاعری حتیٰ کہ دین، سب ان کی مادی روح کی غمازی کرتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی قدرت کا تصور مختلف دیوتاؤں کی شکل کے بغیر نہ کر سکے، انھوں نے ان صفات کے بُت تراشے اور ان کے لئے معجزہ تعمیر کئے تاکہ محسوس طریقہ پر ان سے تعلق رکھیں، ان کے ہاں ایک روزی کا دیوتا تھا، ایک رحمت کا اور ایک قہر و عذاب کا، پھر ان کی طرف انھوں نے مادی جسم کے تمام خصوصیات اور تعلقات منسوب کئے اور ان کے گرد قصے کہانیوں کا ایک جال پھیلا دیا، انھوں نے معانی مجرّدہ کو بھی اجسام و اشکال کی شکل میں پیش کیا، چنانچہ ان کے نزدیک محبت کا ایک دیوتا تھا، اور ایک حس کا، ارسطو کے فلسفہ میں عقول عشرہ اور افلاک تسع کا جو شجرہ ملتا ہے وہ بھی اسی مادی غطیت کا کرشمہ ہے، جس کے اثر سے یونانی فطرت کبھی آزاد نہیں ہونے پائی۔

مغربی علماء نے بھی یونانی تہذیب میں مادیت کے غلبہ کو تسلیم کیا ہے اور اپنی تصنیف اور علمی مباحث میں اس کی طرف متوجہ کیا ہے، چند سال پہلے "اکثر آس" نے جنیوا میں "یورپی تمدن کیلئے" کے عنوان سے تین لکچر دیئے تھے، ان کا ایک اقتباس خالدہ ادیب خانم کے توسط سے پیش کیا جاتا ہے۔

”موجودہ مغربی تمدن کا مرکز قدیم یونانی تمدن تھا، اس کا اصل اصول انسان کی تمام قوتوں کا ہم آہنگ نشوونما اور سب سے بڑا معیار خوبصورتی اور سڈول جسم سمجھا جاتا تھا، ظاہر ہے کہ اس میں زیادہ زور محسوسات پر ہے جسمانی تربیت، ورزش کھیلوں اور رقص وغیرہ کو خاص اہمیت حاصل تھی، ذہنی تعلیم جو شاعری، موسیقی، ڈراما، فلسفہ، سائنس وغیرہ پر مشتمل تھی، ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھنے پائی تھی تاکہ ذہن کی ترقی سے جسم کو نقصان نہ پہنچنے پائے، یونان کے مذہب میں نہ روحانیت کا عنصر ہے نہ باطنیت کا، نہ علم دین ہے، نہ پیشوایانِ دین کا طبقہ“

متقدم مغربی علمائے یونانیوں کی دینی کمزوری اور اس کی بے اثری خشیت و خوف اور مذہبی اعمال و رسوم میں سنجیدگی کی کمی اور کھیلوں اور تفریحات کی کثرت کا ذکر کیا ہے، تاریخِ اخلاق یورپ کا مصنف ”لیکی“ لکھتا ہے کہ یونانی تخریک تمام تر عقلی اور دماغی ترقی، بحالات اس کے مصری تخریک کی سرروحانی و باطنی تھی، وہ رومی مصنف آپولیس کا یہ قول نقل کرتا ہے کہ ”مصری دیوتاؤں کی عزت آہ و زاری سے تھی اور یونانی دیوتاؤں کی رقص و سرود سے“ پھر خود کہتا ہے کہ اس میں شبہ نہیں کہ اس مقولہ کے آخری جزء کی تصدیق تاریخِ یونان میں قدم قدم پر ہوتی ہے، درحقیقت کسی مذہب کے مراسم میں جشن، کھیل اور تماشوں کی اتنی آمیزش نہیں پائی جاتی جتنی اس میں اور نہ کسی مذہب میں خوف و دہشت کا عنصر اس قدر قلیل پایا جاتا ہے، جتنا اس میں، اس مذہب میں خدا کا تقدس اسی درجہ کا تھا جتنا کسی بزرگ شخص کا ہوتا ہے، اور اسے چند معمولی مراسم کے ساتھ یاد کرنا اس کی عظمت و تجید کے لئے بالکل کافی تھا۔

لیکن حقیقت قطعاً قابلِ استعجاب نہیں، مغرب کی مادہ پرست اور غرور محسوسات

فطرت و مزاج کے علاوہ یونانیوں کا فلسفہ الہیات اور اس کے عقائد کی ساخت کچھ ایسی واقع ہوئی تھی کہ خشوع و خضوع انابت اور رجوع الی اللہ کی کیفیت اُن میں پیدا ہی نہیں ہو سکتی تھی ذات باری کے تمام صفاتِ قہر کے اختیار و فعل و تصرف اور خلق و امر کی نفی کرنے اور اس کو بالکل بے صفت اور معطل قرار دینے اور اس کائنات کی پیدائش و انتظام کو اپنے خود تراشیدہ اور مفروضہ عقلِ فعال کی طرف منسوب اور اس سے وابستہ کرنے کا طبعی اور منطقی نتیجہ ہی ہو سکتا ہے کہ زندگی میں خدا کی کوئی ضرورت اور اس سے کوئی تعلق اور کچھ پی باقی نہ رہ جائے، نہ اس سے کوئی امید ہو اور نہ اس کا کوئی خوف، نہ دل میں اس کی مصیبت ہو اور نہ محبت اور نہ ضرورت و مصیبت کے وقت اس سے دعا و التجا ہو، اس لئے کہ وہ اس فلسفہ کے مطابق ایک بالکل معزول و معطل ہستی ہے جس کو عالم میں تصرف کرنے کا نہ کوئی اختیار ہے نہ طاقت، وہ عقلِ اول پیدا کر کے عالم سے بالکل بے تعلق و کنارہ کش ہو گیا، اس لئے اس عقیدہ کے ماننے والوں کی زندگی عملاً ایسی گزرتی ہے اور گزرنی چاہئے کہ گویا خدا نہیں ہے اور منکرینِ خدا کی زندگی سے سوائے اس تاریخی بیان کے کہ خدا نے عقلی اول کو پیدا کیا ہے اور کبھی حقیقت سے ممتاز نہیں پس جب ہم یہ سنتے ہیں کہ یونانیوں میں خشوع اور خضوع کی کمی تھی اور ان کی عبادات اور مذہبی اعمال ایک قالب بے روح سے زیادہ نہ تھے اور وہ یہ کہ خدا کی بزرگوں سے زیادہ تعظیم نہیں کرتے تھے تو ہم کو ذرا بھی تعجب نہیں ہونا چاہئے اس لئے کہ تاریخ میں آدمی سیکڑوں صناعتوں اور موجدوں کا تذکرہ پڑھتا ہے لیکن کبھی ان کی طرف سے اس کے دل میں خشوع اور خضوع اور ان سے بندگی کا ربط نہیں پیدا ہوتا، بندگی کا تعلق تو اس وقت پیدا ہوتا جب خدا کو اس کائنات میں تصرف اور کار فرما اور اپنے کو اس کا محتاج سمجھتے۔

دنیوی زندگی کے انتہائی شوق و محبت اس کی قدر و قیمت میں افراط و غلو محبتوں اور

تصادیر کے شغف، سرود و موسیقی کے انہماک، فنون لطیفہ کی قدردانی، اور غیر محدود شخصی آزادی پر بالذات آمیز زور دینے سے یونانی اخلاق و معاشرت پر بڑا لاثر پڑا، اخلاقی استری اور ہر نظام کے خلاف بغاوت و احتجاج روزمرہ کا فیشن بن گیا، خواہشاتِ نفس کی پیروی زندگی سے زیادہ سے زیادہ متمتع اور لطیف اندوزی اور بوالہوسی، روشن خیالی اور آزادی کا نشان سمجھا جانے لگا، سقراط ایک جمہوری نوجوان کی سیرت اور طرز زندگی کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ بیسویں صدی کے روشن خیال اور زندہ دل نوجوان کا سراپا اس سے ذرا مختلف نہیں معلوم ہوتا۔

”اگر اس سے کہا جاتا ہے کہ انسان کے سارے شوق اور خواہشات یکساں قابلِ احترام اور تعمیل کے لائق نہیں، بعض خواہشات پسندیدہ اور لائقِ احترام ہیں اور ان کی تکمیل و تعمیل میں کوئی مضائقہ نہیں، بعض ناپسندیدہ، ان سے اجتناب ہی بہتر ہے اور ان پر پابندی اور بندش عائد کرنا ضروری ہے، وہ شخص اس صحیح قانون کو قبول نہیں کرتا اور اس کے سننے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتا جب اس کے سامنے یہ عقول باتیں پیش کی جاتی ہیں تو وہ تمسخر کے ساتھ اپنا سر ملاتا ہے اور بڑے زور کے ساتھ یہ تکرار کرتا ہے کہ انسان کی تمام خواہشات اور اس کے سارے شوق یکساں قابلِ احترام ہیں، اسی کے مطابق وہ اپنی زندگی بھی گزارتا ہے اور اپنے تمام خواہشاتِ نفس کی تسکین اور اپنے ہر شوق کی تکمیل کرتا رہتا ہے، اور جس وقت اس کا جس بات کا جی چاہتا ہے گزرتا ہے کبھی وہ مدہوش و بدستِ نعمہ و سرور میں مشغول ملے گا، اور کبھی اس کو خیال آجائے گا، تو برت رکھ کر صرف پانی پینے پر اکتفا کرے گا کبھی فوجی تربیت اور قواعد کی کتابوں کو نظر آئے گا، کبھی بالکل بیکار و دستِ دھائی دے گا اور ہر چیز کو بالائے طاق رکھ دے گا، کبھی فلسفیانہ زندگی بسر کرنے لگے گا، دوسرے وقت میں سیاسی زندگی میں شریک ہو جائے گا“

اور وقت کے تقاضہ کے مطابق تقریر کرتا ہوا سنا جائے گا، کبھی فوجی لوگوں کی تعریف کرنے لگے گا اور ان کی طرف اُس کا میلان پیدا ہو جائے گا کبھی کامیاب تاجر پر رشک کر کے تجارت شروع کرنے کا غرض اس کی زندگی کا کوئی نظام اور ضابطہ نہیں، لطف یہ ہے کہ وہ اس زندگی کو بہت پر لطف اور خوشگوار اور آزاد سمجھتا ہے، اور آخر تک اسی طرز پر زندگی گزارتا ہے۔

مغربی فطرت اور مزاج کا ایک خاصہ وطن پرستی ہے، ایشیا کے مقابلہ میں وطنیت کا جذبہ یورپ میں زیادہ قوی اور عام ہے، اس میں کچھ جغرافیائی حیثیت کا بھی دخل ہے، ایشیا میں طبعی علاقے زیادہ وسیع مختلف قسم کی آب و ہوا، پہاڑ اور انسانوں کی مختلف قسموں پر مشتمل ہیں، وہ زیادہ زرخیز ہیں، اور زندگی کے وسائل کی ان میں فراوانی ہے، اس بنا پر عظیم ایشیا میں مملکت کا میلان فطری طور پر وسعت اور عمومیت کی طرف ہے، اور اس کی سرزمین میں دنیا کی وسیع ترین سلطنتیں قائم ہوئیں، اس کے برخلاف یورپ میں زندگی کی کش مکش تنازع للبقا شدید اور مسلسل طریقہ پر پائی جاتی ہے، اس کی آبادی گنجان علاقے تنگ اور وسائل محبت محدود ہیں، پہاڑوں اور دریاؤں کی طبعی سرحدوں نے مغربی اقوام کو مستقل تنگ فطری دائروں میں محصور کر دیا ہے، خصوصاً یورپ کا وسطی مغربی اور جنوبی حصہ وسیع ریاستوں کے نشوونما کے لئے موزوں نہیں، اس لئے قدیم یورپ میں بھی سیاسی تصور شہری ریاستوں سے آگے نہیں بڑھ سکا، جن کا رقبہ چند میل سے زیادہ وسیع نہیں ہوتا تھا، لیکن وہ بالکل خود مختار ہوتی تھیں، اس کا سب سے بڑا نمونہ یونان میں ملتا ہے، جہاں قدیم ترین عہد سے بیسوں چھوٹے چھوٹے خود مختار شہروں کا تذکرہ ملتا ہے۔

اس بنا پر یہ بات قابل استغما نہیں کہ یونانی، وطنیت پر حکم ایمان رکھتے تھے، لیکن

تسلیم کرتا ہے کہ یونان میں وطنیت ہی کا غلبہ تھا، اور جہانیت یا آفاقیت جس کے متعلق کبھی سفرِ اطوار انکساغورس نے اظہارِ خیال کیا ہے کوئی مقبول خیال اور مذہب نہیں تھا اور اس کے حامی یونان میں نہیں تھے، ارسطو کا سارا نظامِ اخلاق یونانی اور غیر یونانی کی تفریق پر مبنی ہے، اجماعِ حکماء سے فضائلِ اخلاق کی جو فہرست تیار کی گئی تھی اس کا عنوان اولین جنسِ انسانی تھا، ارسطو اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ یونانیوں کے لئے غیر ملکوں کے ساتھ وہی برابر واجب ہے جو وہ حیوانات کے ساتھ کرتے ہیں اس طرزِ خیال کا یونانی حلقوں میں اتنا اثر اور غلبہ ہو گیا تھا کہ جب ایک فلاسفر نے یہ کہا کہ میری ہمدردیوں کا حلقہ صرف میرے ذاتی وطن تک محدود نہیں بلکہ سارے یونان پر محیط ہے تو لوگ حیرت و استعجاب کے ساتھ اس کی طرف دیکھنے لگے۔

رومی تہذیب

یونانیوں کے جانشین رومی ہوئے اور قوتِ مملکت کی تنظیم سلطنت کی وسعت اور عسکری صفائیں ان سے فوقیت لے گئے، لیکن علم و فلسفہ ادب شاعری، تہذیب و شائستگی اور تمدن میں وہ یونانیوں کے درجہ کو نہیں پہنچ سکے، ان چیزوں میں یونانیوں کا سکہ تمام دنیا پر اور خود فاتح رومیوں کے دلوں پر مٹھایا ہوا تھا، رومی ابھی اپنے عسکری دور میں تھے اس لئے انھوں نے طبعی طور پر ذہنی کمالات اور لطافت و نفاست کی باتوں میں یونانیوں ہی کو اپنا امام تسلیم کیا اور انھیں کے علوم فلسفہ اور خیالات کی خوشہ چینی کی، لیکن لکھتا ہے کہ یونانی اپنا گرانقدر علم و ادب صد ہا سال سے رکھتے آئے تھے، دریں حالیکہ رومادو عسکریت میں تھا، عوام کا ثابۃ تک نہیں رکھتا تھا، بلکہ جس کی زبان تک ادائے مطلب و خیالاتِ عالیہ کی ترجمانی میں قاصر تھی،

روما کی اس علمی ہستی کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ یونانی تمدن سے مغلوب ہو جائے اور ہر شعبہ علم میں اسے
 مرعوب رہے چنانچہ ہمیں معلوم ہے کہ قدیم ترین رومی مورخین یونانی ہی زبان میں تصنیف کرتے
 تھے اور یہ دستور عرصہ دراز تک قائم رہا اور اکیلی تصانیف اور تالیفات پر کیا موقوف ہے
 اطوار و اتصال، طرز معاشرت، جذبات و احساسات، غرض ہر شعبہ حیات میں یونانی تمدن رومی
 تمدن پر غالب آگیا رومی بلا تکلف یونانیوں کی تقلید کرتے تھے اور اس تقلید پر فخر کرتے تھے
 اس طرح علم و ادب اور عادات و اخلاق کے ذریعہ یونانی قوم کا فلسفہ اور کلچر بلکہ یونانی
 نفسیات رومیوں میں منتقل ہو گئی اور ان کے رگ و پے میں پیوست ہو گئی یوں بھی رومی اپنی
 مغربی فطرت و مزاج کی وجہ سے نصری خصوصیات میں کچھ زیادہ مختلف نہ تھے زندگی کے
 بہت سے پہلوؤں میں دونوں کے درمیان بڑی حد تک مشابہت تھی محو شہر و رومی بھی یقین
 کرنے کے عادی تھے زندگی کی قدر و قیمت میں یہاں بھی اتنا ہی غلو اور افراط تھا، دینی عقائد و
 حقائق کے بارے میں یہ بھی بہت ضعیف الایمان اور آزاد خیال تھے مذہبی نظام اور مذہبی اعمال
 و رسوم کا کوئی خاص احترام اور وفار نہ تھا، قومیت اور وطنیت میں یہاں بھی شدت اور مبالغہ
 پایا جاتا تھا مزید یہ کہ طاقت کا احترام عبادت اور تقدیس کے درجہ کو پہنچا ہوا تھا۔

رومی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ رومی اپنے مذہب و عقائد میں راسخ الایمان نہ تھے اور
 درحقیقت وہ اس بارے میں معذور بھی ہیں اس لئے کہ جو مشرکانہ اور وہم پرستانہ مذہب روم
 میں رائج تھا اس کا مقتضایہ تھا کہ رومی علم میں جس قدر ترقی کرتے جائیں اور ان کے دماغ
 روشن ہو جائیں اتنی ہی اس مذہب کی بے توقیری اور اس کی عظمت میں کمی واقع ہو جائے اور
 یہ تو گویا انھوں نے پہلے ہی دن سے طے کر لیا تھا کہ دیوتاؤں کو سیاست و امور دنیا سے کوئی تعلق

نہیں، سسرو (CICERO) بیان کرتا ہے کہ تھیٹر میں جب اس مضمون کے اشارے پڑھے جاتے تھے کہ دیوتاؤں کو دینیوی معاملات سے کوئی سروکار نہیں تو لوگ انھیں نہایت ذوق و شوق سے سنتے۔ سینٹ آگسٹائن (S. AUGUSTINE) وغیرہ حیرت کے ساتھ کہتے ہیں کہ یہ رومن بُت پرست مندروں میں تو دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے اور تھیٹروں میں ان کے ساتھ تسخو کرتے تھے۔ رومی مذہب کی گرفت اپنے پیروؤں پر اتنی ڈھیلی ہو گئی تھی اور جذبہ مذہبی اتنا سرد پڑ چکا تھا کہ لوگ بعض اوقات دیوتاؤں کے ساتھ بے ادبی اور اشتعال میں اگر گستاخی کرنے سے بھی نہیں چوکتے تھے، ایسی لکھتا ہے کہ مذہب کا اخلاقی اثر تقریباً بالکل فنا ہو گیا۔ جذبہ تقدس تقریباً مٹ گیا اور اس کے مظاہر شخص کو نظر آنے لگے چنانچہ جب غطس (AUGUSTUS) کا بیڑہ غرق ہو گیا تو اس نے غصہ میں گر نچوں (NEPTUNE) (سمندر کے دیوتا) کے بُت کو سہار کر دیا جب جرمیکس (JERMANICUS) کا انتقال ہوا تو لوگوں نے دیوتاؤں کے قربان گاہوں پر خوب پتھر اڑا دیا۔

رومی قوم کے اخلاق، سیاست اور معاشرت میں مذہب کا کوئی اثر اور ان کے احسا اور میلانات پر اس کا کوئی اقتدار و نگرانی باقی نہیں رہی تھی مذہب میں کوئی گہرائی اور قوت باقی نہیں رہی تھی کہ وہ دل کی گہرائی سے ابھرتا اور روح پر حکومت کرتا، وہ محض ایک رسم و رواج بن کر رہ گیا تھا، سیاست و صحت کا تقاضا تھا کہ خواہ وہ برائے نام ہی رہے لیکن کسی کسی شکل میں باقی رہے ایسی لکھتا ہے۔ رومی مذہب کی اصل بنا خود غرضی تھی اس کا مطمح نظر اس سے زیادہ کچھ نہ تھا کہ افراد مرقہ الحال رہیں اور مروتا اور مصائب محفوظ رہیں چنانچہ اسی کا اثر تھا کہ رومیوں کو صدامیر و جاننا زبید ہوئے لیکن نفس کش زاہد ایک بھی نہ اٹھا، یہاں ایثار کی جو بہتر سے بہتر مثالیں ملتی ہیں وہ بھی مذہب کے اثر سے

آزاد اور وطن پرستی پر مبنی تھیں۔

رومیوں کا ایک بڑا امتیاز و خصوصیت ان کی شاہنشاہیت پسندی اور استعماری روح اور زندگی کا خالص مادہ پرستانہ نقطہ نگاہ ہے، یہی وہ ترکہ ہے جو موجودہ یورپ کو اپنے روی و عمل سے ملے جو مبنی نو مسلم عالم محمد اسد صاحب نے اپنی کتاب (ISLAM AT THE CROSS ROADS) میں اس کا بڑی خوبی سے تذکرہ کیا ہے، وہ کہتے ہیں:-

• رومی شہنشاہی پر جو خاص خیال حاوی تھا وہ محض ملکہ گیری کا خیال اور مادری وطن کے لئے دوسری قوموں سے پورا پورا فائدہ اٹھانا اور لوٹ کھسوٹ کرنا تھا، رومی رؤساء و امراء اور اپنے طبقہ کے لوگ اپنے لئے فائز ابائی اور امارت کی زندگی کا سامان حاصل کرنے کے لئے کسی ظلم و بے دردی کو عیب نہیں سمجھتے تھے، باقی وہ رومی انصاف جس کا بڑا اثر ہے، وہ محض رومیوں کے لئے تھا، مخصوص سیرت اور کیرکٹر زندگی اور تمدن کے محض مادی تصویر ہی پر قائم ہو سکتا تھا، اگرچہ ان کی مادیت میں کچھ آراستگی اور لطافتِ ذوق پیدا ہو گئی تھی لیکن تمام روحانی قدروں سے وہ بالکل بیگانہ تھے، رومیوں نے کبھی بھی بخیرگی اور واقعیت کے ساتھ دینداری انبیاء نہیں کی تھی، ان کے تقلیدی دیوتا محض یونانی حکایات و خرافات کی پھسکی نقل تھے، انھوں نے محض اپنی اجتماعی شیرازہ بندی اور قومی وحدت کے خیال سے ان ارواح کو تسلیم کر لیا تھا، وہ ان دیوتاؤں کو اپنی علمی زندگی میں دخل دینے کی اجازت نہیں دیتے تھے، ان کا کام صرف اتنا تھا کہ جب ان سے فرمائش کی جائے تو اپنے مجاوروں کی زبانی پیشین گوئیاں کر دیں لیکن ان کو انھوں نے جتن کبھی نہیں دیا تھا کہ وہ لوگوں پر اخلاقی قوانین نافذ کریں۔

جمہوری دور کے آخر میں روم میں اخلاقی انحطاط اور حیوانی ہوس رانی اور تعیش کا ایسا سیلاب آیا کہ رومی اس میں بالکل ڈوب گئے اور وہ اخلاقی نظام و ضوابط جو رومی قوم کی ابتدائی خصوصیت تھی خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے، اجتماع اور معاشرت کی عمارت میں ایسا زلزل آیا کہ قریب تھا کہ وہ زمین پر آئے، ڈاکٹر ڈیر نے اپنی مشہور کتاب ”معرکہ مذہب سائمنس“ میں اس کی قلمی تصویر کھینچی ہے، وہ لکھتا ہے:-

”جب جنگی قوت اور سیاسی اثر کے لحاظ سے سلطنتِ وائٹھامے ترقی پر فائز ہو گئی تو مذہبی اور عمرانی پہلو سے اس کی اخلاقی حالت فساد کے درجہء اخیر کو پہنچ چکی تھی اہل روم کی عیش پرستی و عشرت پسندی کی کوئی انتہاء نہ رہی تھی ان کا اصول یہ تھا کہ انسان کو چاہئے کہ زندگی کو ایک سلسلہ العیش بنا دے پاک بازی حظِ نفس کے خوانِ نعمت پر بمنزلہ نمکدان ہے اور اعتدال سلسلہ حظِ نفس کی درازی کا محض ایک ذریعہ ہے ان کے دسترخوان سونے چاندی کے باسنوں سے جن پر جواہرات کی سچہ کاری ہوتی تھی جھلکتے ہوئے نظر آتے تھے ان کے ملازم نذوق پر پوشاکیں پہنے ان کی خدمت کے لئے مکربتہ کھڑے رہتے تھے ماہر ویانِ روم جو عام طور پر عصمت کی طلائی زنجیر کی قید سے آزاد تھیں ان کی مستی انگیز صحبتوں کا لطف دو بالا کرنے کے لئے عموماً زہریلی تھیں عالی شان حماموں، دل کشا تماشا گاہوں اور جوش آفریں دنگلوں سے جن میں پہلوان کبھی ایک دوسرے سے اور کبھی وحشی درندوں سے اس وقت تک صرف زور آزمائی رہتے تھے جب تک کہ حریفوں میں سے ایک ہمیشہ کے لئے خاکِ خون میں سوز جائے اہل روم کے سامانِ تعیش پر مزید اضافہ ہوتا تھا دنیا کے ان فاتحوں کو تجربہ کے بعد یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ عبادت اور سترش کے لائق

اگر کوئی شے ہے تو وہ قوت ہے اس لئے کہ اسی قوت کی بدولت تمام اس سرمایہ کا حاصل کرنا ممکن ہے جو محنت اور تجارت کی مسلسل جانکاہ میوں اور عرق ریز یوں سے پیدا ہوا ہے مال اور الماک کی ضبطی صوبہ جات کے محاصل کی تشخیص زور بازو کی بدولت جنگ میں کامیاب ہونے کا نتیجہ ہے اور فرماؤ گئے دولت روم اس زور و قوت کا نشان یا علامت ہے غرض روم کے نظام تمدن میں جاہ و جلال کی ایک جھلک تو نظر آتی تھی لیکن یہ جھلک اس نائنٹی ملٹس کی چمک کے مشابہ تھی جو یونان عہد قدیم کی تہذیب پر چڑھ گیا تھا۔

عیسائیوں کی آمد اور رومیوں کا قبول مسیحیت

ایک بڑا انقلاب انگیز واقعہ جس کی اہمیت کو کوئی ٹورخ نظر انداز نہیں کر سکتا، عیسائیت کا بُت پرست روم کے تخت سلطنت پر فائز ہو جانا ہے، یہ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ قسطنطین جس نے مسیحیت قبول کر لی تھی سترہ برس میں شہنشاہان روم کے تخت پر بیٹھا اور اس طرح سے مسیحیت نے قدیم بُت پرستی پر فتح پائی اور دفعۃً اس کو ایسی وسیع سلطنت اور غیر محدود اختیار و اقتدار حاصل ہو گیا جس کا وہ خواب نہیں دیکھ سکتی تھی، چونکہ قسطنطین کو عیسائیوں کی ہر فریاد فداکاری اور زبردست قربانیوں سے تخت سلطنت ہاتھ آیا تھا، اس لئے اس نے عیسائیوں کو اس کا پورا صلہ دیا اور سلطنت میں پورے طور پر شریک کیا۔

مسیحیت میں بت پرستی کی آمیزش

لیکن حقیقت مذہب عیسوی کے لئے یہ ایک بڑا نامبارک واقعہ تھا اس نے عظیم الشان

سلطنت تو حاصل کر لی لیکن بڑی قیمتی مذہبی متاع کھودی، عیسائی میدان جنگ میں تو فتحیاب ہوئے لیکن مذاہبِ ادیان کے معرکہ میں انھوں نے شکست کھائی رومی بُت پرستوں اور خود عیسائیوں نے حضرت یسوع کے دین کو مسخ کر کے رکھ دیا، اس میں سب سے بڑا ہاتھ خود مسیحیت کے محافظاناموس اور علم بردار اعظم قسطنطین کا ہے، ڈریپر لکھتا ہے:-

”فاتح اور کامیاب جماعت کے ساتھ جو کوئی شریک ہوا اسے بڑے بڑے عہدے اور مرتبے ملنے لگے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا دار لوگ جنھیں مذہب کی خس برابر بھی پروان تھی، مسیحیت کے سب سے زیادہ جو خلیے حامی ہو گئے چونکہ وہ بظاہر عیسائی لیکن باطن میں بُت پرست تھے لہذا ان کے اثر کی وجہ سے عیسائیت میں بت پرستی و شرک کے عناصر کی آمیزش شروع ہو گئی، قسطنطین نے کہ وہ بھی انھیں کاہن مشرب تھا کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جس سے ان کے اس منافقانہ طرز عمل کا سدباب ہو، قسطنطین کی ساری عمر سیاہ کاریوں میں گزری اور کہیں آخری وقت (۳۳۷ء) میں جا کر اس نے ان مذہبی مراسم کی پابندی کی جن پر عمل کرنے کی کلیسا ہدایت کرتا ہے۔

(اگرچہ عیسائی جماعت اس قدر قوی ہو چکی تھی کہ جس شخص کو اس نے اپنے گون کا سمجھا اسے تخت پر بٹھا دیا لیکن یہ قدرت اُسے پھر بھی غافل ہوئی تھی کہ اپنے حریف یعنی بُت پرستی کا استیصال کئی کر سکے، دونوں کی باہمی کش مکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں کے اصول شیر و فکر ہو گئے اور ایک نیا مذہب پیدا ہو گیا جس میں بُت پرستی و عیسائیت دونوں کی شانیں پہلو پہلو جلوہ گر تھیں، عیسائیت اور اسلام میں اس بارہ میں یہ بڑا فرق ہے کہ اسلام نے اپنے مد مقابل کو مطلقاً نیست و نابود کر دیا اور اپنے عقائد کو

بلا کسی آمیزش کے شائع کیا۔

اس شہنشاہ کو جو محض دنیا کا بندہ تھا، اور جس کے مذہبی اعتقادات جس سے بھی کم وقت رکھتے تھے، اپنا ذاتی فائدہ سلطنت کی یہودی اور دونوں مخالف جماعتوں یعنی عیسائیوں اور بت پرستوں کی بھلائی اس میں نظر آئی کہ جہاں تک ہو سکے ان میں یکجہلیت و ارتباط پیدا کیا جاتا اور تو اور اسخ الاعتقاد عیسائیوں تک کو اس حکمتِ علی سے چنداں اختلاف نہ تھا اس لئے کہ شاید یہ سمجھتے تھے کہ نئی تعلیم کی شاخ میں اگر پرانے عقائد کا پیوند لگا دیا گیا تو مذہب جدید کو بہت جلد ترقی ہو جائے گی اور آخر کار نیا سنوں کی آمیزش سے پاک ہو کر نیا مذہب باقی رہ جائے گا۔

بت پرستی اور سحیت کا یہ عجیب مرکب جس سے سچی مذہب کی روح اور اس کا حُسن نکل چکا تھا، اس لائق نہ تھا کہ رومیوں کی برسرِ انحطاط سیرت و اخلاق کو سنبھال سکے اور ان میں پاک مٹا مذہبی زندگی کی روح پھونک سکے اور رومیوں کی تاریخ میں اور بالواسطہ دنیا کی تاریخ میں ایک نئے تابناک عہد کا آغاز کر سکے، اس کے برخلاف اس نے رہبانیت کی بدعت نکالی جو شاید انسانیت و تمدن کے حق میں بت پرست روم کی حیوانیت سے زیادہ وبال جان تھی یورپ کی مادہ پرستی اور لادینیت میں اس مردم آزار اور آدم بیزار دشمن فطرت رہبانیت کو بہت کچھ دخل ہے اس لئے کچھ تفصیل کے ساتھ اس کے تذکرہ کی ضرورت ہے۔

جنون رہبانیت

رہبانیت میں اتنا غلو اور افراط پیدا ہو گیا تھا کہ اس زمانہ میں اس کا قیاس کربلا ہی

شکل ہے تاہم اخلاق یورپ سے اس کے چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔

راہبوں اور زاہدوں کی مجموعی تعداد مؤرخین کے اختلاف بیان کی وجہ سے قطعی طور پر نہیں بتائی جاسکتی تاہم ان کی کثرت اور تحریک رہبانیت کی اشاعت و مقبولیت کا اندازہ اعداد و ذیل سے ہو سکتا ہے سینٹ جروم کے زمانہ میں ایسٹری تقریباً پانچ سو ہزار راہبوں کا مجمع ہوتا تھا، پچھٹی صدی میں صرف ایک راہب کی ماتحتی میں پانچ ہزار راہب تھے، سینٹ سیراٹین کی ماتحتی میں دس ہزار راہب تھے اور پچھٹی صدی کے خاتمہ پر تو یہ حالت ہو گئی تھی کہ جتنی خود مصر کے شہریوں کی آبادی تھی تقریباً اسی قدر ان زاہدوں اور راہبوں کی تھی، دو چار سال نہیں کوئی پورے دو سو سال تک جسم کشی منہا اے اخلاق بھی جاتی رہی، مؤرخین نے امریکی رازہ خیز مثالیں پیش کی ہیں، سینٹ میکس اسکندریہ کی بابت مشہور ہے کہ وہ چھ ماہ تک برابر ایک دلدل میں سویا کئے تاکہ ان کے برہنہ جسم کو زہریلی مکھیاں ڈسیں، نیز یہ کہ یہ ہمیشہ ایک من لوہے کا وزن اپنے اوپر لادے رہتے تھے، ان کے مرید سینٹ یوسیس تقریباً دو من لوہے کا وزن لادے رہتے تھے، اور تین سال تک ایک خشک کنویں کے اندر مقیم رہے، ایک مشہور راہب یوحنا کے متعلق منقول ہے کہ وہ متصل تین سال تک کھڑے ہوئے عبادت کرتے رہے، ایک مدت میں ایک لمحہ کے لئے بھی نہ بیٹھے نہ لیٹے، جب بہت تھک جاتے تو چٹان پر اپنے جسم کو سہارا دے لیتے، بعض زاہد باس کسی قسم کا نہیں استعمال کرتے تھے، ستر پوشی کا کام اپنے جسم کے بڑے بالوں سے لیتے تھے اور چوپایوں کی طرح ہاتھ پیر کے بل چلتے تھے، راہبوں کے مسکن علی العموم اس وقت مکانات نہیں ہوتے تھے، بلکہ وحشی درندوں کے غار خشک کنویں یا قبرستان ہوتے تھے، اہل زہد کا ایک طائفہ صرف گھاس کھاتا تھا، جسم کی طہارت روح کی پاکیزگی کے منافی سمجھی جاتی تھی، اور جو زاہد مرتبہ زہد میں جتنی زیادہ ترقی کرتے جاتے تھے اسی قدر

وہ مجتہد عفو نہت و غلاظت ہوتے، سینٹ اٹھینس نہایت فخر سے بیان کرتا ہے کہ سینٹ انٹو
 یس کب سبکی بھی مدت العمر اپنے پیرو دھونے کے عصیاں کا ترک نہیں ہوا، سینٹ ابراہام نے
 پنجاہ سالہ سیسی زندگی میں اپنے چہرہ یا پیر پر پانی کی چھینٹ نہ پڑنے دی، راہب لگز نڈر
 بڑے ناسف اور تجسس سے فرماتے ہیں کہ ایک وہ زمانہ تھا جب ہم اے اسلاف منہ دھونا حرام
 جانتے تھے اور ایک ہم لوگ ہیں کہ حمام جایا کرتے ہیں، راہب معلموں کا بھیس بدلے ہوئے پھرتے
 تھے، اور بچوں کو پھل پھلا کر اپنے حلقہ میں شامل کرتے تھے، والدین کا اپنی اولاد پر کوئی اختیار
 نہیں رہ گیا تھا، اولاد انھیں چھوڑ کر تارک الدنیا ہو جاتی تھی، اس کے نام پر سلیک میں
 ہر طوت واہ واہ ہوتی تھی، پہلے جو اثر و اقتدار بزرگ خاندان یا والد کو حاصل ہوتا تھا،
 وہ اب پادریوں اور راہبوں کی طرف منتقل ہو گیا، پادری رہبانیت کے لئے لڑکوں کا
 اغوا کرتے تھے، سینٹ ایمر ویز میں اس قسم کے اغوا کی قوت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ اُسے
 دیکھ کر امیں اپنے اپنے بچوں کو گھر کے اندر بند کر دیتی تھیں، تحریک رہبانیت کا اخلاقی
 نتیجہ یہ ہوا کہ جتنے کمالات مردانگی و جوانمردی سے متعلق ہیں، وہ سب یکسر معیوب قرار پائے
 مثلاً زندہ دلی، خوش طبعی، صاف گوئی، فیاضی، شجاعت، جرات کہ عابدانِ مراض بھی
 ان کے قریب بھی ہو کر نہیں گزے تھے، دوسرا اہم نتیجہ رہبانی طرز معاشرت کا یہ ہوا کہ
 خانگی زندگی کی بنیادیں منزلزل ہو گئیں اور دلوں سے اعزاز کا احترام و ادب کا فور
 ہو گیا، اس زمانہ میں ماں باپ کے ساتھ احسان فراموشی اور ان کے ساتھ قساوت قلبی
 کی جس کثرت سے نظیریں ملتی ہیں اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے، یہ زاہدانِ صحرا اور عابدانِ مراض
 اپنی ماؤں کی دل شکنی کرتے تھے، بیویوں کے حقوق کی پامالی کرتے تھے اور اپنی اولاد کو یہ دغا دیتے
 تھے کہ انھیں بے دلی و وارث محض دوسروں کے لڑکوں کے رحم پر چھوڑ دیتے تھے، ان کا نفوذ زندگی

تمام تربیت ہوتا تھا کہ خود انھیں نجات اخروی حاصل ہو، انھیں اس سے کوئی غرض نہ تھی کہ ان کے متعلقین و متوسلین جن میں یا میں بیک نے اس سلسلہ میں جو واقعات لکھے ہیں ان کو پڑھ کر آج بھی آنسو نکل آتے ہیں عورتوں کے سایہ سے وہ بھاگتے تھے، ان کا سایہ پڑ جانے سے اور راستہ گلی میں اتفاقاً سامنا ہو جانے سے وہ سمجھتے تھے کہ ساری عمر کی زہد و ریاضت کی کمائی خاک میں مل جاتی ہے، اپنی ماؤں، بیویوں اور حقیقی بہنوں سے بات کرنا بھی وہ معصیتِ کبیرہ سمجھتے تھے، بیک نے اس سلسلہ کے جو واقعات لکھے ہیں ان کو پڑھ کر کبھی ہنسی آتی ہے کبھی رونا۔

فطرتِ دشمنی کا اثر اخلاق و تمدن پر

یہ خیال کرنا صحیح نہیں ہوگا کہ اس انتہا پسند رہبانیت نے رومیوں کی مادیت کے غلو اور شدت میں اور ان کی بہیمانہ خواہشات پرستی میں کچھ اعتدال و تخفیف پیدا کر دی ہوگی ایسا عموماً نہیں ہوتا، یہ بات فطرتِ انسانی کے خلاف ہے، اور مذاہبِ اخلاق کا تجربہ بھی اس کے برخلاف ہے، دراصل جو چیز سرکشِ مادیت میں اعتدال پیدا کر کے اس کو ایک معتدل زندگی میں تبدیل کر سکتی ہے، وہ صرف ایسا روحانی دینی و اخلاقی حکیمانہ نظام ہے جو انسان کی فطرتِ سلیم کے عین مطابق ہو اور اس بات کے درپے نہ ہو کہ وہ فطرت کو بالکل تبدیل کر دے، اس کا مقصد اس کا ازالہ (مٹا دینا) نہ ہو بلکہ امارہ (پھیر دینا) ہو، وہ اس کا رخ شر سے خیر کی طرف تبدیل کر دے، اسلام کا طرز عمل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ مبارک یہی ہے عرب بہادر و جنگجو تھے، آپ نے ان کی شجاعت کو سرد نہیں کیا بلکہ صرف قبائلی خانہ جنگی اور جاہلی جذبہ انتقام سے اس کو موڑ کر جہاد فی سبیل اللہ اور اعلاء کلمۃ اللہ کی طرف پھیر دیا، عرب فیاض اور عالی حوصلہ تھے، لیکن ان کی فیاضی اور عالی حوصلگی فخر و ناموری میں صرف ہوتی تھی،

آپ نے اس کو راہِ خدا میں خرچ کرنے پر لگا دیا، غرض یہ کہ آپ نے ان کے جاہلی خصائص و اخلاق کو اسلامی سانچہ میں ڈھال دیا اور ان کو مفید اور کارآمد بنادیا، آپ نے جاہلیت کے بجائے اسلام کا پورا نظام اور ہر چیز کا بدل (اور نعم البدل) عطا فرمایا، طبائٹ اور نفوس کو تازگی اور تفریح کے مواقع بھی عطا فرمائے، اس لئے کہ بقول ایک حلیلِ القدر عالم (شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ) کے: انسانی طبیعتیں ہمیشہ کسی چیز سے اسی وقت دست بردار ہوتی ہیں، جب ان کو اس کا بدل ملتا ہو، انسان فطرتاً کچھ کرنے کے لئے پیدا ہوا ہے، اور اس کی فطرت کا تقاضا صل اور مشغولیت ہے، ٹکڑے بیکار اور معطل ہو جانا اس کی فطرت کے خلاف ہے، انبیاء کرام تبدیلِ فطرت کے لئے نہیں بلکہ تکمیلِ فطرت کے لئے مبعوث ہوتے ہیں، حدیث و سیرت میں اس کی متعدد نظریں لیں گی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت اہل مدینہ کے دو تہو تھے جن میں وہ تفریح کرتے تھے، آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیسے دو دن میں لوگوں کو کہا کہ ہم ایامِ جاہلیت میں ان میں تفریح کرتے تھے، فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم کو اس سے بہتر دو دن عطا فرمائے ہیں، عید الاضحیٰ و عید الفطر، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عید کے دن ایک مرتبہ میرے پاس انصار کی دوڑاڑ کیاں وہ گیتیں گارہی تھیں جو بعاث کی جنگ میں کہی گئی تھیں اور وہ کچھ گانے لڑتھیں، اتنے میں حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے، فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں شیطان کی گیتیں بول رہی ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکرؓ ہر قوم کی ایک عید ہے اور یہ ہماری عید ہے، ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ابوبکرؓ جانے دو یہ عید کے دن ہیں۔

اس کے برخلاف رومی عیسائیت نے بیکار فطرت کو تبدیل اور فساد کرنے کا بیڑہ اٹھایا اور

۱۔ کتاب اقتضاء الصراط المستقیم ص ۱۳۲ ۲۔ کتاب النبوات از امام ابن تیمیہ ۳۔ البدو و داحمد و نائل

ایسا نظام پیش کیا جس کی فطرت متحمل نہیں ہو سکی، اس نے انسان کی طاقت سے زیادہ انسان پر بوجھ ڈالا، آدم کی سابقہ انتہائی مادیت کے خلاف ایک رد عمل کے طور پر لوگوں نے طوعاً و کرہاً اس کو برداشت کیا، لیکن جلد ہی اس سے چھٹکارا حاصل کر لیا اور دینی ہوئی مظلوم فطرت نے سخت انتقام لیا، اپنی اس غالی رہبانیت، فطرت کے حقائق سے چشم پوشی اور ناعاقبت اندیشی سے مسیحیت لوگوں کے اخلاق و عادات اور ہلاکت کے غایب کرتے ہوئے تمدن کا ہاتھ نہ پکڑ سکی، حالت یہ تھی کہ عیسائی ممالک میں بیک وقت معصیت و آزادی اور زہر و رہبانیت کی دو متقابل تحریکیں دوش بدوش چل رہی تھیں بلکہ شاید زیادہ صحیح یہ ہوگا کہ رہبانیت تو صحراؤں میں گوشہ نشین تھی اور شہری زندگی پر اس کا کوئی اقتدار نہ تھا، اور اس کے برخلاف فسق و فجور کی تحریک شہروں کے اندر اپنے پورے جوش و تلاطم پر تھی، لیکن ”مسیحی دنیا کے اخلاقی انحطاط کی تصویر ان الفاظ میں کھینچتا ہے :-

”اخلاق میں رکاکت و پستی حد درجہ سرایت کر گئی تھی، دربار کی عیش پرستیاں ارکان دربار کی غلام طینتی اور ملبوسات و زیورات کی تزئین و آرائش اپنے شباب پر تھی دنیا اس وقت انتہائی رہبانیت اور انتہائی بدکاری کے تھپڑوں کے درمیان جھونکے کھا رہی تھی، بلکہ بعض شہر جن میں سب سے زیادہ کثیر التعداد و زہاد و راہبین پیدا ہوئے تھے وہ وہی تھے، جن میں عیش پرستی اور بدچلنی کی سب سے زیادہ گرم بازاری تھی، غرض بدکاری اور توہم پرستی کا ایسا اجتماع ہو گیا تھا جو انسان کی شرافت و عظمت کا قطعی دشمن ہے، رائے جہور اس قدر ضعیف ہو گئی تھی کہ لوگوں کو بدنامی و دہائی کا مطلق خوف نہیں باقی رہا تھا، البتہ عنیمہ کو مذہب کا دھڑکا ہو سکتا تھا، لیکن اسے بھی اس اعتقاد نے مٹا دیا تھا کہ دعاؤں وغیرہ کے ذریعہ سے سارے گناہ مٹا

ہو سکتے ہیں، مکاری، دغا بازی، دروغ گوئی کی وہ گرم بازاری تھی، جو قیصرہ کے زمانہ میں بھی نہ تھی، البتہ ظلم و تشدد، شقاوت و بے حیائی اتنی نہ تھی لیکن اس کے ساتھ خربت فکر، آزاد خیالی و جوش قومیت میں بھی کمی تھی۔

اربابِ کلیسا کی عیش پرستی اور دنیا داری

رہبانیت اور مذہب کا یہ سبلی نظام خلافِ فطرت ضرورتاً ایک نئے مذہب کے اثرات اور اس کے روحانی اقتدار نے فطرت کو دبا رکھا تھا لیکن تھوڑے دنوں کے بعد خود مذہبی مرکزوں اور حلقوں میں وہ تمام عیوب اور عیش پرستی شروع ہو گئی جس کے خلاف رہبانیت کی تحریک شروع کی گئی تھی، یہاں تک کہ وہ اخلاقی انحطاط پستی اور اپنے تنعم و عیش پرستی میں خالص دنیا دار حلقوں سے بھی کہیں آگے بڑھ گئے، حکومت کو مجبوراً ان مذہبی دعوتوں کا سلسلہ بند کرنا پڑا جن کا مقصد مسیحیوں میں اخوت و محبت پیدا کرنا تھا، اسی طرح سے شہداء و ادبیاء کے عرس اور ان کی برسیاں ممنوع قرار دی گئیں کیونکہ یہ خالص مذہبی تقریبات فسق و بے حیائی کا اڈا بن گئی تھیں، بڑے بڑے پادریوں پر بڑے بڑے اخلاقی جرائم کا الزام تھا، سینٹ جروم کا مقولہ ہے کہ اہل کلیسا کے تعینات کے سامنے امراء اور دولتمندوں کی عیش و عشرت بھی شرماتی ہے، خود لوہا پلہ اخلاقی انحطاط میں مبتلا تھے اور دولت کی ہوس اور مال کا عشق تو ان پر اتنا غالب تھا کہ منصب اور عہدے معمولی سامانِ تجارت کی طرح بکتے تھے، اکو بھی کبھی ان کا بیلام ہوتا تھا، جنت کے قبالے جائیداد کی معمولی دستاویزوں کی طرح، مغفرت کے پروانے، نقص قانون کے اجازت نامے اور نجات کے سرٹیفکیٹ بے تکلف بکتے تھے، مذہبی عہدہ دار سخت راشی و سود خوار

فضول خرچی اور اسراف کا حال یہ تھا کہ پاپائے انوسینٹ ہشتم نے پاپائی کا تاج رہن رکھا اور پاپائے لیودہم کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے تین پاپاؤں کی آمدنی لاڈالی یعنی سابق پوپ نے جو دولت چھوڑی تھی پہلے وہ خرچ کی اس کے بعد اپنی دولت جب یہ بھی کافی نہ ہوئی تو اپنے جانشین کی آمدنی کو پہلے سے وصول کر کے صرف کر ڈالا بیان کیا جاتا ہے کہ مملکت فرانس کی پوری آمدنی بھی ان پاپاؤں کے اخراجات کے لئے کافی نہ ہوتی تھی۔
غرض یہ کہ کلیسا کی تاریخ اور ارباب کلیسا کی سیرت قرآن کی اس آیت کی پوری پوری تفسیر تھی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن كَثِيرًا مِّنَ
الْأَخْبَارِ وَاللَّهْبَانِ يَا كُفُوتَ
أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ
عَن سَبِيلِ اللَّهِ
مسلمانو! یہودیوں اور عیسائیوں کے
علماء اور مشائخ میں ایک بڑی تعداد
ایسے لوگوں کی ہے جو لوگوں کا مال ناحق
ذرا دکھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے انھیں
روکتے ہیں۔ (التوبہ - ۳۴)

حکومت و کلیسا کی کشمکش

گیارھویں صدی عیسوی میں حکومت و کلیسا کی کشمکش شروع ہوئی اور اس بڑی شدت اختیار کر لی، ابتدا میں پوپ کو اس جنگ میں فتح ہوئی اور پوپ کا اقتدار و اعزاز انا بڑھ گیا کہ شہنشاہ ہنری چہارم ۱۱۷۱ء میں اس بات پر مجبور ہوا کہ کانوسا کے قلعہ میں پوپ کے حضور میں حاضر ہو، چنانچہ وہ نہایت ذلت کے ساتھ حاضر ہوا، پوپ نے بڑی مشکل سے لوگوں کی اس حرکت کو مذہب سامنے۔

سفارش پر اپنے سامنے کھڑے ہونے کی اجازت دی اور شہنشاہ ننگے پاؤں اُون پہنے ہوئے آیا، پوپ کے ہاتھ پر زوبہ کی اور پوپ نے اس کی غلطی معاف کی، اس کے بعد حکومت و کلیسا کی آویزش میں کبھی پوپ کو فتح اور کبھی شکست ہوئی، یہاں تک کہ انجام کار حکومت کے مقابلہ میں کلیسا کو دینا پڑا، اس پوری مدت کشمکش میں لوگ مذہب ریاست اور کلیسا و ریاست کی دھری علامی میں گرفتار تھے۔

اقتدار کا غلط استعمال اور یورپ کے تمدن پر بُرا اثر

پوپ قرون وسطیٰ میں بڑے وسیع اقتدار اور ایسی عظیم اشان طاقت کے مالک تھے جو شاہِ روم کو بھی حاصل نہ تھی، ان کے لئے یہ بہت آسانی سے ممکن تھا کہ وہ دین کے زیر سایہ یورپ کو علم اور تمدن میں ترقی دیتے، ڈیرسپ رکھتا ہے کہ اگر پاپا بیان روم اپنی ہوس رانیوں اور دنیا پرستیوں میں مبتلا نہ ہوتے تو وہ اس بات پر قادر تھے کہ ان کے ایک اشارہ پر تمام عظیم بالاتفاق ایسی ترقی کرتا کہ دنیا دنگ رہ جاتی، ان کے نائب بے روک ٹوک ہر ملک میں جاسکتے تھے اور آئرلینڈ سے لے کر بوہیمیا اور اٹلی سے چل کر اسکاٹ لینڈ تک بلا تکلف آپس میں بات چیت کر سکتے تھے، ایک زبان ہونے کی وجہ سے وہ بین الاقوامی امور کے نظم نسق میں خیل ہو گئے اور ہر ملک میں انھیں ایسے ہوشیار اور معاملہ فہم حلیف ہاتھ آ گئے تھے جو ایک ہی زبان بولتے تھے، اور عام امور میں ان کا ہاتھ بٹانے کے لئے تیار تھے۔

لیکن سچیت اور سچی اقوام کی قسمتی تھی کہ ارباب کلیسا نے اس زبردست طاقت کا ناجائز استعمال کیا، انھوں نے اس سے اپنے شخصی اثر و اقتدار کے لئے فائدہ اٹھایا اور یورپ بدستور پستی، جہالت و خرافات کی تاریکیوں میں پڑا رہا، اور تمدن اور شہریت کو ترقی ہونے کے بجائے سخت تنزل ہوا، بڑا عظیم یورپ کی آبادی ہزار سال میں بھی اور ملک انگلستان کی آبادی پانچ سو سال میں بھی دو چندان ہوئی، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میں بڑا دخل اس بات کو ہے کہ پادری اور راہب تہجد کی زندگی کی بڑی

تسلیم کرتے تھے، اس کے ساتھ کلیسا نے ہمیشہ اس کا اہتمام کیا کہ جہاں تک ممکن ہو لوگوں کو طبیب یا اس کے پیشے سے مانوس نہ ہونے دیا جائے اس لئے کہ اس کا خائفانہ ہوں کی آمدنی پر جو عادت برکتا کے ذریعہ ہوتی تھی اثر پڑتا تھا اور طبیب اس منفعت میں کلیسا کے رقیب بن سکتے تھے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک زبردست وبائیں اور امراض پھیلے اور موت کی گرم بازاری ہوئی، انیس سوئس نے ۱۷۳۳ء میں جزائر برطانیہ کی جویتا کی ہے اور اپنے سفر کے حالات لکھے ہیں اس سے اس ملک کا تمدنی انحطاط افلاس اور فاقہ زدگی کا اندازہ ہوتا ہے۔

کتب مقدسہ میں الحاق و تحریف اور اس کے نتائج

لیکن اہل دین کی سب سے خطرناک غلطی جس سے انھوں نے اس مذہب کو جس کے وہ نمائندے تھے اور خود اپنے کو سخت ترین نقصان پہنچایا، یہ تھی کہ انھوں نے اپنی مقدس دینی کتابوں میں ان تاریخی، جغرافیائی اور طبی نظریات اور شہوات کو داخل کر دیا جو اس زمانہ کی تحقیقات اور کلمات تھے اور انسانی علم ان کے زمانہ تک اسی حد تک پہنچا تھا لیکن وہ انسانی علم کی حد نہ تھی اور اگر اس زمانہ میں وہ حد سمجھ لی گئی تھی تو وہ دراصل آخری حد نہ تھی اس لئے کہ انسان کا اندر کی ترقی پذیر اور مسافر ہے جس کا قیام عارضی ہے اس پر کوئی پائیدار عمارت نہیں قائم کی جاسکتی، وہ بعض اوقات ریت کی طرح کھسک جاتا ہے، اور عمارت منہدم ہو جاتی ہے، ارباب کلیسا نے غالباً خوش فہمی سے ایسا کیا تھا، ان کا مقصد شاید یہ تھا کہ اس سے ان آسمانی کتابوں کی عظمت و شان اور مقبولیت میں اضافہ ہوگا، لیکن آگے چل کر یہی چیز ان کے لئے وبال جان اور مذہب و عقلیت کے اس نامبارک معرکہ کا سبب ہوئی جس میں مذہب (وہ مذہب جس میں انسانی علم کی آمیزش تھی) نے شکست کھائی اور یورپ میں اہل مذہب کو ایسا زوال ہوا جس کے بعد پھر عروج نہ ہو سکا۔

اس سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہوئی کہ یورپ لادینی ہو گیا۔

اہل مذہب نے صرف اسی احقاق اور تحریف پر اکتفا نہیں کی بلکہ ان تمام جغرافیائی تاریخی اور طبی معلومات کو جو لوگوں میں زبان زد اور مشہور تھے یا کتب مقدسہ کے بعض شارحین و مفسرین نے ان کا تذکرہ کیا تھا، دینی تقدس کا جامہ پہنا دیا اور ان کو مذہبی رنگ دے کر ان سچی تعلیمات و اصول میں شامل کر دیا جن پر اعتقاد رکھنا ایک سچی کے لئے ضروری ہے اس موضوع پر انھوں نے کتابیں تصنیف کیں اور اس جغرافیہ کو جس کی کوئی آسمانی سند تھی جغرافیہ بھی TOPOGRAPHY CHRISTIAN کا نام دیا اور اس کے تسلیم کرنے پر اس قدر اصرار کیا کہ جن لوگوں نے اس کو تسلیم نہیں کیا ان کی تکفیر کی۔

مذہب و عقلیت کی کشمکش اور ارباب کلیسا کے مظالم

اتفاق سے یہ وہ زمانہ تھا کہ یورپ میں عقلیت کا کوہِ آتش فشاں پھٹ چکا تھا، علماء طبیعیات اور محققین تقلید کی زنجیریں توڑ چکے تھے انھوں نے ان بے اصل نظریات کی تردید کی جو جغرافیہ اور تاریخ اور طبیعیات سے متعلق ان مذہبی کتابوں میں پائے جاتے تھے اور بڑی جستار اور آزادی کے ساتھ ان کی علمی تنقید کی اور بے سمجھان پر ایمان لانے سے صفا انکار کر دیا اس کے ساتھ انھوں نے اپنے علمی اکتشافات اور تجزیوں کا بھی اعلان کر دیا، اب کیا تھا مذہبی حلقوں میں قیاساً برپا ہو گئی ارباب کلیسا نے (جو اقتدار اور طاقت کے مالک تھے) ان کی تکفیر کی اور دین سچی کے لئے ان کے خون بہانے اور ان کے مال و متاع ضبط کر لینے کی اجازت دی، احتساب کی عدالتیں قائم ہوئیں جو بقول پوپ کے ”ان ملحدہ اور مرتدین کو سزا دیں جو شہروں، گھروں، خانوں، جنگلوں، غاروں اور کھیتوں میں پھیلے ہوئے ہیں“ ان عدالتوں نے اپنا فریضہ پوری سرگرمی اور مستعدی سے

انجام دیا، اس کے جاسوس بڑا عظم کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے تھے اور اس بارہ میں محکمہ
 احتساب نے تفتیش اور پراسس میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا، ایک عیسائی عالم کہتا ہے کہ ناممکن ہے کہ
 کوئی شخص عیسائی بھی ہوا اور وہ بستر پر جان دے "اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس محکمہ نے جن لوگوں کو
 سزا دی ان کی تعداد تین لاکھ سے کم نہیں، جن میں تیس ہزار کو زندہ جلا یا گیا، انہیں زندہ
 جلائے جانے والوں میں ہیئت و طبیعیات کا مشہور عالم برونو BRUNOE بھی ہے جس کا سب سے
 بڑا جرم کلیسا کے نزدیک یہ تھا کہ وہ اس کرۂ ارض کے علاوہ دوسری دنیاؤں اور آبادیوں کا بھی
 قائل تھا، محکمہ احتساب کے حکام نے اسے اس سفارش کے ساتھ دنیوی حکام کے سپرد کیا کہ اسے
 نہایت نرمی سے سزا دی جائے اور یہ خیال رکھا جائے کہ اس کے خون کا ایک قطرہ بھی نہ گرنے
 پائے اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کو آگ پر زندہ جلا دیا جائے، اسی طرح مشہور طبیعی عالم گلیلیو
 (GALILIO) کو اس بنا پر موت کی سزا دی گئی کہ وہ آفتاب کے گرد زمین کے گھومنے کا قائل تھا۔

اہلِ تجدد کی مذہب کے خلاف بغاوت اور بیزاری

آخر کار روشن خیالوں اور ترقی پسندوں کا پیمانہ صبر سبز بڑھ گیا اور انھوں نے مذہب و قدرت
 کے نمائندوں کے خلاف علمِ جنگ بلند کر دیا، وہ مذہبی گروہ کے اس تشدد و جمود اور محکمہ احتساب
 کے ان مظالم سے ایسے بیزار و مشتعل ہوئے کہ ان تمام عقائد، علم، اخلاق و آداب سے نفرت ہو گئی
 جن کی نسبت اس گروہ کی طرف کی جاتی ہے یا اس سے ان کا تعلق ثابت ہوتا ہے، ان کے
 دل میں ابتداء ایسی مذہب کے خلاف اور رفتہ رفتہ مطلق مذہب کے خلاف عداوت کا جذبہ
 پیدا ہو گیا اور وہ جنگ جو ابتداء علوم و عقلیت کے علم برداروں اور مذہب مسیحی (در حقیقت
 سینٹ پال کے مذہب) کے نمائندوں کے درمیان تھی، بعد میں علم و دین کی باہمی جنگ کی صورت

اس نے اختیار کر لی، روشن خیالی اور عقلیت کے علم برداروں نے بطور خود یہ طے کر لیا کہ علم و مذہب ایک دوسرے کے ضد اور مقابل واقع ہوئے ہیں جو کبھی جمع نہیں ہو سکتے اور دونوں ایک دوسرے کے رقیب اور حریف ہیں جن میں کبھی صلح نہیں ہو سکتی، اس لئے علم و عقلیت کے ساتھ وفاداری کے لئے یہ ضروری ہے کہ مذہب سے منھ موڑ لیا جائے ان کے سامنے جب بین و مذہب کا نام آتا تو دفعتاً نمائندگانِ مذہب اور اربابِ کلیسا کے رزہ خیر مظالم کی یاد تازہ ہو جاتی اور ان بے گناہ علماء اور محققین کی صورتیں ان کی آنکھوں میں پھر جائیں جنہوں نے انتہائی مظلومیت اور بے بسی کی حالت میں ان جلاؤں کے ہاتھوں پر اذیت موت پائی مذہبی گروہ کے نام سے ان کی نگاہوں کے سامنے چرغِ غضب چہرے چڑھ گئی تھیں، شرفِ ثنائی آنکھیں تنگ سینے اور پادریوں کے بھدے داغ ہی آتے، چنانچہ مذہب سے وحشت اور نفرت کو انہوں نے ایک اصولِ زندگی کے طور پر طے کر لیا اور آنے والی نسلوں کے لئے بھی نفرت و کراہیت کا یہی ترکہ اور سرمایہ چھوڑا۔

روشن خیالوں کی عجلت پسندی اور جمود و تعصب

ان روشن خیالوں اور تجدید پسندوں میں ان اصرار و سکون مطالعہ اور غور کی قوت اور عقل و اجتہاد کی قابلیت نہ تھی کہ وہ اصل دین اور اس کی نمائندگی کا دعویٰ کرنے والوں کے درمیان امتیاز کر سکیں اور یہ سمجھ سکیں کہ ان واقعات میں دین کہاں تک ذمہ دار ہے اور کہاں تک ربا کھلیا کا جمود و جہالت، استبداد اور غلط نمائندگی اس کی ذمہ دار ہے اور اگر دوسری شکل ہے تو دین کو اس کی سزا دینا اور اس سے بے تعلقی اختیار کر لینا کہاں تک حق بجانب ہے لیکن غصہ اور اہل مذہب کی عداوت اور عجلت پسندی نے اس بارہ میں ان کو غور کرنے کا موقع نہ دیا اور جیسے کہ دنیا میں عموماً بغاوت اور احتجاج کے موقع پر ہوتا ہے، انہوں نے دین کے ساتھ کوئی رواداری اور مفاہمت پسند نہیں کی۔

ان میں اتنی طلبِ صادق اور اپنی قوم کی خیر خواہی اور اخراج و صلگی بھی نہ تھی کہ وہ دینِ اسلام کا مطالعہ کرتے جو ان کی بہت سی معاصر قوموں کا دین تھا اور جو نہایت آسانی کے ساتھ اس مخصوص مذہبِ عقلیت کی اس غیر ضروری کشمکش سے بچا دیتا جو معقول و سخیس امور کا مطالعہ کرتا، غیر معقول اور ناپسندیدہ چیزوں سے روکتا، دنیا کی بے ضرر اور پاک لذتوں اور فوائد کی ان کو اجازت دیتا، مضر اور قابلِ نفرت اشیاء کو ممنوع قرار دیتا اور ان بے جاز نجیروں اور بیڑیوں کو کاٹ دیتا جو تحریفِ شدہ مذاہب اور تشدد پسند اہل مذہب اور اہل حکومت نے ان کے جسم میں ڈال رکھی تھیں۔

يَا مَرْهُمُ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ	(محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ان کو
عَنِ الْمُنْكَرِ يُغِيْلُ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ	نیکی کا حکم دیتے ہیں برائی سے روکتے ہیں پائید
وَيُخْرِجُهُمُ مِنَ الظُّلُمَاتِ وَيَصْغُ	چیزیں حلال کرتے ہیں گندی چیزیں حرام
عَنْهُمْ اَصْرَهُمْ وَالْاَعْلَى الَّتِي	ٹھہراتے ہیں اس بوجھ سے نجات دلاتے ہیں
كَانَتْ عَلَيْهِمْ	جس کے تلے وہ دبے ہوئے ہیں ان پھندوں

(الأعراف - ۱۵۷) سے نکالتے ہیں جو ان پر پڑے ہوئے ہیں۔

لیکن قومی عصبیت اور ان دیواروں کی وجہ سے جو صلیبی جنگوں نے عیسوی مغرب اور اسلامی مشرق کے درمیان اور اربابِ کلیسا کی افراط پر دازیوں نے اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف کھڑی کر دی تھیں، نیز مطالعہ و تحقیق کی محنت برداشت نہ کرنے اور موت کے بعد کی زندگی اور نجاتِ اخروی سے آزاد دہے فکر ہونے کی وجہ سے انھوں نے اسلام کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔

اس میں کچھ دخل مسلمانوں کی تبلیغی کوتاہیوں کو بھی ہے کہ انھوں نے صدیوں یورپ جیسے اہم براعظم میں اسلام کی نشر و اشاعت اور اس کے تعارف کی طرف کوئی توجہ نہیں کی حالانکہ اسلامی حکومت کے عروج اور یورپ کی سلطنتوں سے محاصرہ اور مساویہ تعلقات ہونے کی

وجہ سے ان کو اس کے مواقع حاصل تھے۔

غرض اہل یورپ ایسے نازک موقع پر اسلام کی رہنمائی اور اس کی مسیحائی سے محروم ہے۔

یورپ کی مادیت

بہر حال جس کا خطرہ تھادہ پیش آگیا اور یورپ کا رخ ایک مکمل اور وسیع مادیت کی طرف ہو گیا، خیالات، نقطہ نظر، نسبتاً ذہنیت اخلاق و اجتماع، علم و ادب، حکومت و سیاست کی فرض زندگی کے تمام شعبوں میں مادیت غالب گئی، اگرچہ تدریجی طور پر ہوا اور ابتدا میں اس کی رفتار سست تھی لیکن قوت و عزم کے ساتھ یورپ نے مادیت کی طرف حرکت کرنی شروع کی، علماء فلسفہ و علوم طبیعیات نے کائنات میں اس طرز پر غور و بحث کرنی شروع کی کہ گویا نہ اس کا کوئی خالق ہے نہ منظم و حاکم اور طبعیات اور مادہ کے ماوراء کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جو اس عالم میں تصرف اور اس کا نظم و نسق کرتی ہے، وہ عالم طبعی اور اس کے ظواہر و آثار کی تشریح و توجیہ خالص میکانیکی طریقہ پر کرنے لگے اور اس کا نام علمی اور تحقیقی طرز قرار پایا، اور ہر ایسا بحث و نظر کا طریقہ جس کی بنیاد خدا کے وجود اور اس کے یقین پر ہو، تقلیدی اور غیر علمی طریقہ کہا جانے لگا، اور اس کا مذاق اڑایا جانے لگا، اس راستہ کی منزل یہ تھی کہ انھوں نے چلتے چلتے حرکت اور مادہ کے علاوہ ہر چیز کا انکار کر دیا اور ہر اس چیز کے ماننے سے عذر کیا جو جو اس اور تجربہ کے اندر نہ آ سکے، اور جس کا وزن شمار و پیمائش نہ ہو سکے، اس کا طبعی اور منطقی نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کا وجود اور تمام حقائق مابعد الطبیعیات ایسے مفروضات بن گئے جن کی گویا عقل و علم سے کوئی تائید نہیں ہوتی۔

ان لوگوں نے ایک زمانہ دراز تک خدا کا انکار نہیں کیا اور مذہب کے مٹاؤ اعلان جنگ بھی نہیں کیا اور فی الواقع سب کے سب اس کے منکر بھی نہ تھے لیکن جو طریق فکر اور بحث و نظریں جو پوزیشن

انہوں نے اختیار کی تھی وہ ایسے دین کے ساتھ جمع ہی نہیں ہو سکتی تھی جس کی پوری عمارت ایمان بالغیب اور وحی و نبوت کی بنیاد پر ہے اور جو حیات اخروی پر اس قدر زور دیتا ہے ان میں سے کوئی چیز بھی ہو اس و تجربہ کے تحت میں نہیں آتی اور وزن و شمار اور پیمائش سے اس کی تصدیق نہیں کی جاسکتی اس لئے روز بروز ان کو دینی عقائد میں اشتباہ اور ان کے ماننے میں تذبذب پیدا ہو گیا۔

یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے بعد کے لوگ مدت دراز تک مادی نقطہ نگاہ مادی زندگی اور مادی اعمال و رسوم کو جمع کرنے کی کوشش کرتے رہے مذہبی تقلید سے وہ ابھی پورے طور پر آزاد نہیں ہوئے تھے اور عیسوی دنیا میں مذہبی ماحول ابھی باقی تھا، اخلاقی اور اجتماعی مصالح کا بھی تقاضا تھا کہ خواہ برائے نام لیکن مذہبی نظام ضرور برقرار رہنا چاہئے جو قوم کے افراد کے درمیان ربط قائم رکھے اور ملک کو اجتماعی انتشار اور اخلاقی انزوی سے محفوظ رکھے، لیکن مادی تہذیب کی رفتار اتنی تیز تھی کہ مذہب اور اس کے رسوم اس کا ساتھ نہ دے سکے، مادیت اور روحانی مذہب کے جمع کرنے میں خاصی تکلیف و تکلف، تنسیع اوقات تھا، اس نے کچھ مدت کے بعد اس تکلف کو برطرف کیا اور صاف صاف لادینیت اور مادہ پرستی اختیار کر لی، اسی زمانہ میں یورپ کے ہر گوشہ میں بہت بڑی تعداد میں ایسے مصنف ادیب، معلم اجتماعی اور سیاسی پیدا ہوئے جنہوں نے مادیت کا صور پھونکا اور اہل ملک کے دل و دماغ میں مادہ پرستی کے بیج بو دیئے، علماء اخلاق، اخلاق کی مادی تشریح کرتے تھے، کبھی فلسفہ افادیت کی اشتعال کرتے اور کبھی لذتیت کی، میکا ویلی (MACHIAVELLI) (۱۴۶۹-۱۵۲۷ء) جیسے اہل سیاست نے دین و سیاست کی تفریق کی دعوت پہلے ہی دے دی تھی اور اخلاق کی دو قسمیں قرار دی تھیں پبلک اور پرائیویٹ اور طے کر دیا تھا کہ اگر مذہب کی ضرورت ہی ہے تو وہ محض انسان کا ایک پرائیویٹ معاملہ ہے جس کو امور سیاست میں دخل نہیں دینا چاہئے حکومت ہر چیز پر

مقدم اور ہر شے سے بیش قیمت ہے، مذہب عیسوی کا تعلق دوسری زندگی سے ہے، ہماری دنیا کی زندگی سے اس کو کوئی سروکار نہیں، مذہبی اور نیکی کار انسانوں کا وجود حکومت کے لئے کچھ مفید نہیں، اس لئے کہ وہ دین کے احکام کے پابند ہوتے ہیں اور ضرورت کے وقت اخلاقی اصول کے نظر انداز نہیں کر سکتے، بادشاہوں اور حکام کو یومڑیوں کے صفات اختیار کرنے چاہئیں، اور اگر حکومت کا فائدہ ہوتا ہوا اور کوئی سیاسی مصلحت مقتضی ہو تو وہ جھگڑی، دروغ گوئی، فریب دہی، خیانت اور نفاق میں پس و پیش نہیں کرنا چاہئے، یہ دعوت تبلیغ پورے طور پر پورے دکامیاب ہوئی اور وطنیت و قومیت (جو مذہب قدیم کی جگہ لے رہی تھی) نے بھی اس کی پوری الداد کی۔

مصنفین اہل قلم اور اہل دماغ نے اپنی جادو بیانی، سحر طرازی، اور خطابت و شاعری سے قدیم اخلاق اور اجتماعی نظامات کے خلاف سارے ملک میں ایک بناوٹ برپا کر دی انھوں نے معصیت کو خوش نما اور دلچسپ بنا کر پیش کیا، طبیعتوں کو ہر قید و بند نش، فرد کو ہر ذمہ داری و جواب دہی سے آزاد ہونے کی اور مطلق آزادی دے قیدی کی کھلی تبلیغ کی، زندگی سے پورے پورے تمسح مطالبات نفس کی پوری تکمیل، اور لذت پرستی کی علانیہ دعوت دی، اور اس زندگی کی قیمت میں بڑے غلو اور مبالغہ سے کام لیا، نقد لذت اور ظاہر و محسوس مادی نفع کے سوا ہر چیز کا انکار و تحقیر کیا۔

اس طرح سے انیسویں اور بیسویں صدی کی مغربی زندگی کی بُت پرست یونان اور روما کی جاہلی زندگی کا مرقع بن گئی، یہ گویا اس کا نیا ادیشن تھا جو انیسویں صدی میں نئے اہتمام کے ساتھ تیار کیا گیا، یونان اور روما کے جن نقوش کو مشرقی عیسویت نے مٹھ کر دیا تھا، انیسویں صدی کے نقاشوں نے ان کو پھر اُجاگر کر دیا، اس میں کوئی تعجب کی بات بھی نہیں ہے، آج کی مغربی قومیں انھیں یونانی، رومی اور مغربی اقوام کی جائز وارث اور خلف الرشید ہیں، موجودہ مغربی تہذیب

اور قدیم یونانی اور رومی تہذیب میں قریبی مماثلت پائی جاتی ہے یورپ کی موجودہ مذہبی زندگی بھی روحانیت اور باطنی کیفیت سے اسی طرح عاری ہے جیسے یونانیوں کی مذہبیت تھی، مذہبی محرومی، خشوع اور خضوع اور مذہبی سنجیدگی کی کمی زندگی میں ہو و لعب کی کثرت کا بھی وہی حال ہے جو یونان میں تھا، اور یہ نتیجہ ہے علماء طبیعتاً و حکمت کے ان نظریات اور تحقیقات کا جنہوں نے یورپ میں پوری مقبولیت حاصل کر لی اور دین و مذہب کی پوری پوری جگہ لے لی ہے، اسی طرح زندگی کی ہوس لذت طلبی اور ذوقی اور دنیا میں شوق گل چینی کی بھی بعینہ وہی کیفیت ہے جو سقراط نے اپنے زمانہ کے جمہوری نوجوان کی بیان کی ہے، نیز مذہبی شک و تذبذب دینی نظام اور مذہبی فرائض و رسوم کی بے وقعتی میں بھی یورپ یونان و روم سے پیچھے نہیں ہے۔

مسیحیت یا مادہ پرستی؟

حقیقت یہ ہے کہ یورپ کا موجودہ مذہب جس کی دلوں اور روح پر حکومت ہے وہ عیسائیت نہیں بلکہ مادہ پرستی ہے، مغربی نفیسا اور مغربی زندگی سے اس کی قدم قدم پر تصدیق ہوتی ہے۔

(ISLAM AT THE CROSS ROADS) کا مصنف لکھتا ہے:-

”اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یورپ میں اس وقت بھی ایسے اشخاص پائے جاتے ہیں جو دنیاوی طریق پر سوچتے ہیں اور مذہبی احساس رکھتے ہیں اور اپنے عقائد کو اپنی تہذیب کی روح کے ساتھ منطبق کرنے میں امکان کی کوشش کرتے ہیں لیکن متیشنی خالص میں یورپ کا عام اور متوسط آدمی وہ جمہوری ہو یا فاشسٹی، سرمایہ دار ہو یا اشتراکی ہاتھ سے کام لے گا، ہو یا دائمی محنت کرنے والا، وہ ایک ہی مذہب جانتا ہے، وہ کیا؟ مادی ترقی کی پرورش اور عقیدہ کہ اس زندگی کی غرض و غایت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اس کو

زیادہ سے زیادہ آسان اور پُر راحت اور آزاد اور بے قید بنائے، اس مذہب کے گرجے اور عبادت گاہیں زبردست کارخانے ہیں، تھیسٹر و تفریح گاہیں، کیمیاوی دارالصنعت، ناچ گھر اور بجلی کے مرکز، اس مذہب کے پروہت بینکوں کے افسران ہیں، انجینیرز، اکاؤنٹنٹس (ایکسپریس) فلم اشار اور تجارت و صنعت کی بڑی بڑی مرکزی شخصیتیں اور رکارڈ قائم کرنے والے ہوا باز ہیں، طاقت و لذت کی اس ہوس اور چڑچڑاہٹ کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ حریف گروہ سامانِ جنگ سے لیس اور جنگی تیاریوں سے مکمل تیار کھڑے ہیں، اور ایک دوسرے کو تباہ کر دینے کے لئے پرتوں بے ہیں اگر ان کی خواہشات اور مصالح میں تصادم ہو گیا، اور جہان تک تہذیب کا تعلق ہے انسانوں کا ایک ایسا ٹاپ پیدا ہوا ہے جس کا عقیدہ ہے کہ نیکی اور اخلاق نام ہے علی فائدہ کا اس کے نزدیک معیار محض مادی کامیابی ہے۔

مغربی تہذیب صاف صاف پُر زور طریقہ پر خدا کا انکار نہیں کرتی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے ذہنی نظام میں اللہ کی کوئی جگہ نہیں اور اس کے ماننے میں وہ کوئی فائدہ محسوس کرتی ہے اور نہ اس کی ضرورت سمجھتی ہے۔

پروفیسر جوڈ (JOAD) بولندن یونیورسٹی میں شعبہ فلسفہ و علم النفس کے صدر ہیں، نئی کتاب

(GUIDE TO MODERN WICKEDNESS) میں اپنا ذاتی تجربہ بیان کرتے ہیں:۔

”میں نے میں طلباء اور طالبات کی جو سب سے کچھ نوپر عمر کے تھے ایک عجبت

سے سوال کیا کہ ان میں سے کتنے کسی معنی میں عیسائی ہیں؟ صرف تین نے اس سوال کا

اثبات میں جواب دیا اور عیسائی ہونے کا اقرار کیا، سات نے کہا کہ انھوں نے اس مسئلہ

پر کبھی غور نہیں کیا، باقی دس نے صاف صاف کہا کہ وہ کھلے طور پر مسیحیت کے خلاف ہیں۔ میرا خیال ہے کہ مسیحیت کے اننے والوں اور نہ ماننے والوں کا یہ تناسب اس ملک میں کوئی استثنائی اور غیر معمولی مثال نہیں ہاں البتہ اگر یہ سوال پچاس سال یا بیس سال اُدھر کیا جاتا تو اس کے جوابات ان جوابات سے مختلف ہوتے اس بنا پر بہت تھوڑے لوگ ہوں گے جو کینن بیرری CANON BARRY کے اس بارہ میں ہم خیال ہوں کہ ایک بڑے پیمانہ پر مسیحی بیداری اور ترقی دنیا کو نجات دے سکتی ہے، میری رائے میں ان کے اس دعوے کو حق بجانب ثابت کرنے والی کوئی چیز نہیں ہاں یہ الگ بات ہے کہ یہ ان کی خواہش ہو، ایسا بہت ہوتا ہے کہ خواہشات خیالات پیدا کر دیتی ہیں لیکن وہ دلائل اور ثبوت نہیں پیدا کر سکتی، اس ملک کے حالات و آثار صاف بتا رہے ہیں کہ کسی کلیسا آئندہ صدی میں اپنی عمر پوری کر دے گا، ایک روزانہ اخبار کے اقتباس ذیل سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

ستتر برس کے ایک بوڑھے نے ایسا طریقہ ایجاد کیا ہے جس سے وہ کتاب مقدس کے پُرانے نسخوں کو بند و قوں کی ڈاٹ مصنوعی نشیم، گنا پارچہ اور نوٹوں میں تبدیل کر سکے گا، میشین کارڈز فیکٹری CARDIF FACTORY اور آٹھ دوسرے کارخانوں میں لگا دی گئی ہے اور کتاب مقدس کے نسخوں سے جنگی سامان تیار ہو رہا ہے۔
موجود نے اس مشین سے بڑی دولت پیدا کی ہے۔

پس سن لیں وہ لوگ جن کو اللہ نے کان دیئے ہیں!

زیر پرستی

یہی مصنف اپنی دوسری کتاب PHILOSOPHY FOR OUR TIMES میں لکھتا ہے :-

”صدیوں سے انگلستان کے تخیل پر دولت اندوزی کا اصول غالب ہے، حصولِ دولت کی خواہش پہلے دو سو سال سے دیگر جملہ محرکاتِ عمل سے زیادہ کام کرتی رہی ہے کیونکہ دولت حصولِ ملکیت کا ذریعہ ہے اور ذاتی ملکیت کی بہتات اور شان و عظمت ہی سے انسان کی قابلیت کا اندازہ کیا جاتا ہے، سیاسیات، ادب، ہنر، ریڈیو اور کبھی کبھی گرجاؤں کے منبروں سے سال بسال اپنے پڑھنے سننے والوں کو یہی تعلیم دی جاتی رہی ہے کہ بہت بڑا قوم وہی ہے جس میں جذبہ حصولِ انتہائی طور پر ترقی کر چکا ہے۔“

یہ دولت پرستی ہمارے مذہبی عقائد سے متصادم ہے کیونکہ مذہب یقین دلاتا ہے کہ غریبی اچھی اور دولت مندی بُری ہی نہیں بلکہ دولت مند کو نیک بننے کا اتنا ہی کم امکان ہے جتنا کہ غریب کو زیادہ ہے اگرچہ تقاضائے دانش و تعلیم مذہب متفقہ طور پر یہی سکھاتے ہیں کہ خدا پرستی اور حصولِ جنت غریبی کے ساتھ ہے تاہم لوگوں نے تعلیم مذہب کو سچا سمجھ کر اس پر عمل کرنے کا کوئی رجحان ظاہر نہیں کیا اور موجودہ حصولِ دولت کو مستقل حصولِ راحت آسانی پر بخوشی ترجیح دیتے رہے ہیں غالباً ان کا بیخیال رہا ہے کہ بسترِ مرگ پر توبہ کر کے وہ آخرت میں اتنا ہی فائدہ حاصل کر سکیں گے جتنا کہ یہاں اس دنیا کی محزونہ دولت سے ان کے اس تخیل کو (SAMUEL BUTLER)

نے اپنی کتابوں میں یوں ظاہر کیا ہے کہ بدشعار مصنفین کہتے ہیں کہ ہم خدا اور دولت کی ساتھ ساتھ پرستش نہیں کر سکتے ہم تسلیم کر سکتے ہیں کہ یہ آسان نہیں لیکن قابلِ حصول چیزیں

آسان ہوتی ہی کب ہیں؟

ہمارے اصول کچھ ہی کیوں نہ ہوں، واقعہ یہ ہے کہ علامہ شلر کے بے تقلد ہیں ہم دولت کے اتنے ہی دلدادہ ہیں اور ہمارا یہ اعتقاد کہ دولت ہی فرد و سلطنت کی عظمت کا باعث ہوتی ہے اس قدر راسخ ہے کہ اس سے دنیا کے دلوں کو اصول قائم کئے گئے ہیں جو کہ اعلیٰ تاریخی اہمیت رکھتے ہیں ان میں سے ایک عدم مداخلت کا معاشی اصول ہے جو کہ انیسویں صدی پر غالب رہا، اس اصول کا دعویٰ ہے کہ انسان ہمیشہ اپنے عمل کو زیادہ سے زیادہ مالی فائدہ پر منحصر رکھتا ہے گویا ان کا مذہب لذتیت یہ ہے کہ عمل کا محرک لذت جذبات دلی نہیں بلکہ لذت تقاضائے دولت ہے۔

دوسرا اصول جو کہ بیسویں صدی میں غالب نظر آتا ہے، مارکس کا اصول معاشی تھیوری و تنظیم ہے، یہ اصول بتلاتا ہے کہ انسان کا معاشی نظام ہمیشہ ان کی مالی ضروریات پر مبنی ہوتا ہے اور یہی نظام ان کے ادب اخلاقیات، مذہب، منطق، نیز نظام حکومت کا خالق ہوتا ہے ان دونوں اصولوں کی مقبولیت کا انحصار اسی قدر و منزلت پر ہے جو کہ ہمارے مرد و عورت نمایاں طور پر دولت کے انفرادی اور سیاسی معیار بن کر رکھتے ہیں؟ یہی مصنف اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتا ہے:-

”جو نظریہ حیات اس زمانہ پرستولی اور غالب ہے وہ اقتصادی نظریہ اور ہر مسئلہ اور معاملہ کو پیٹ اور جیب کے نقطہ نظر سے دیکھنا اور جانچنا ہے“

سر جان گنٹر متا نامر کی اخبار نویس نے اپنی کتاب INSIDE EUROPE میں اس زیر پرستی کا ان الفاظ میں تذکرہ کیا ہے:-

”انگریز ہفتے میں چھ روز پرنتش تو بینک آتے انگلینڈ میں کرتا رہتا ہے صرف
ساتویں روز کلیسائے انگلستان کا رخ کرتا ہے۔“

خدا فراموشی و خود فراموشی

ان لوگوں سے جو کسی دوسری زندگی پر ایمان اور لذت و تمتع یا غصی و قوی سر بلندی کے علاوہ
کسی مقصد عالی پر یقین نہیں رکھتے اور اللہ سے ان کو کچھ یوں ہی سا برائے نام تعلق ہے اس کی توقع کرنا
کہاں تک صحیح ہوگا کہ ان میں کسی مصیبت یا خطرہ کے موقع پر تضرع اور رجوع الی اللہ کی کیفیت پیدا ہوگی
قرآن شکرین کے متعلق کہتا ہے کہ ”وہ خطرہ اور مصیبت کے وقت خدا ہی کو پکارتے ہیں اور ان کو
ایسے موقع پر صرف خدا ہی یاد آتا ہے لیکن پورے مادہ پرست مادیات میں اتنے لگے بڑھ گئے ہیں اور
ظاہری اسباب و علل ان پر اتنے غالب آگئے ہیں ان کی زندگی میں خدا سے اتنا استغنا اور دلوں میں
اتنی سختی اور بے حسی پیدا ہو گئی ہے کہ وہ قرآن مجید کی ان آیتوں کا مصداق بن گئے ہیں:-

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ
فَاَخَذْنَاهُم بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَآءِ
لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ ۚ فَلَوْلَا
اِذْجَاءَهُمْ بِأُمْنَانًا تَضَرَّعُوا وَلٰكِنْ
قَتَلُوهُمْ وَمِنْ ذٰلِكَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ
مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (الانعام ۴۲-۴۳)

اور ہم تم سے پہلے بہت سی امتوں پر رسول
بھیجتے تھے پھر ہم نے ان کو سختی اور تکلیف میں
گرفتار کیا تاکہ وہ (خدا کے حضور میں) گڑ گڑائیں
پھر کیوں نہ گڑ گڑائیں جب ان پر بھاری عذاب آیا
لیکن (اللہ) ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان
نے ان کے کام کو آراستہ کر کے دکھایا۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَا هُم بِالْعَذَابِ فَمَا
اسْتَنَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ
(الزمر ۷۶-۷۷)

اور ہم نے پکڑا تھا ان کو آفت میں پھر نہ عاجز
کی اپنے رب کے آگے اور نہ گڑ گڑائیں۔

چنانچہ آپ کو جنگ کے سخت ترین مواقع اور نازک ترین گھڑیوں میں بھی خدا کی طرف توجہ، انابت کی کیفیت، دل کی شکستگی اور شانِ عجز و بندگی نظر نہ آئے گی، اور نہ قوم کے اخلاق و اعمال اور تفریحات و تہذیبوں میں کوئی فرق نظر آئے گا، مغرب کے مفکرین اہل قلم اور رہنما اسی پر فخر کرتے ہیں اور اس کا نام ان کے یہاں استقلالِ نفس، قوتِ قلب اور قومی عزتِ نفس و خوداری ہے، مشرقی خدا پرست اور مسلمان کے نقطہ نظر سے یہی قسوتِ قلب، غفلت، لہو و لعب میں انہماک اور مدہوشی و خود فراموشی ہے۔

”لندن کی ایک رات“ کے عنوان کے تحت لندن میں بسنے والے ایک ہندوستانی مسلمان کے ہوائی حلقوں کے زمانہ کی آپ مہتی سناتے ہیں :-

”اس رات ہم سب دوست احباب کئی دن اور کئی رات کے متواتر حلقوں سے تنگ آکر ایک نہایت پر تکلف بیٹھی ہندوستانی، انگریزی دعوت کے انتظام میں مصروف تھے، اللہ مکانے اپنا باورچی خانہ اور اس کا سببان ہمارے حوالہ کر دیا تھا اور اوپر کا بڑا کمرہ بھی ناچ کے لئے خالی کر دیا تھا، کوئی پچیس عورتیں اور مرد سنبے مل کر اپنے ہاتھ سے کھانا پکایا، کھاپا کر ہم لوگ ناچ رہے تھے کہ یکایک خطرہ کا ساؤن بجا، پہلے تو ایک دم سب خاموش ہو گئے، مگر ناچ بند کئے بغیر ایک بولا، کیا صلاح ہے؟ ایک لڑکی نے جواب دیا ناچتے رہیں گے چنانچہ ہم سب ناچتے رہے، اور گانوں اور قہقہوں کا سارا مکان تو کیا سارا محلہ گونجنے لگا۔ اس اقتباس سے کچھ اور پرکی سطر ہیں :-

”تھوڑے دن کے بعد یہ معمول ہو گیا کہ روز شام کے وقت سات آٹھ بجے ساؤن بجتا، دشمن کے ہوائی جہاز کی گھر گھر سنائی دینے لگتی، سرچ لائٹ کا جلتا ہوا جال

لے ہوائی حملہ، مصنفہ آغا اشرف دہلوی ایم، اے۔

آسمان پر چبھ جاتا تو میں دغے لگتیں اور زمین و آسمان ہل جاتے اس وقت اگر سینما ہوتا تو تصویر کا سلسلہ تھوڑی دیر کے لئے بند ہو جانا، اور پردہ پر یہ لفظ آجاتے ابھی ہوائی حملہ شروع ہوا ہے مگر یہ تصویر جاری ہے گی جو لوگ پناہ خانہ میں جانا چاہیں ان کا راستہ نیچے بائیں طرف کو ہے مگر سب بیٹھے رہتے اور تصویر پھر جاری ہو جاتی۔

اس تفریحی انہماک اور خود فراموشی کی مثال قدیم یونان دروما ہی میں مل سکتی ہے، تاریخ کی روایت ہے کہ پامپی آئی، کا کوہ آتش فشاں جب پھٹا ہے اور آسمان سے آگ کے شعلے اور انگارے زمین سے زلزلہ آیا ہے تو دن کا وقت تھا، اور لوگ ایسی تھیں (اس عظیم الشان منڈوے میں جو بیک وقت بیس ہزار انسانوں کا جلسہ گاہ تھا) بیٹھے ہوئے درندوں کو زندہ انسانی جسموں کو اپنے پنجوں اور دانتوں سے نوچتے اور جیرتے پھاڑتے دیکھ رہے تھے اس ظالمانہ لہو و لعب کی عین مشغولیت میں زلزلہ آیا اور آگ آسمان سے برسا شروع ہوئی کچھ جہاں بیٹھے لیٹے تھے وہیں جل کر اور جسم ہو کر رہ گئے، کچھ باہر نکلے تو اندھیرا گھپ جسم سے جسم، سر سے سر ٹکرائے، کتنے یون ختم ہوئے کچھ خوش نصیب تھے جنہوں نے کشتیوں اور چاروں میں بھاگ بھاگ کر جان بچائی، شہر اٹھارہ سو برس تک دنیا کے نقشہ سے غائب ہو گیا، انیسویں صدی کے وسط میں پتہ چلا کہ معدوم نہیں ہوا ہے صرف گرد و خاک تر سے پٹ گیا ہے کھدائی شروع ہوئی اور برسوں کے بعد شہر عبرت کا عجائب خانہ بنا ہوا اسی طرح جوں کا توں نکل آیا :-

اَدَا مَیْ اَہْلُ الْقُرْیٰ اَنْ یَّآتِہُمْ
بَاْسًا صَاحِیْ دَہْمٌ یَّلْعَبُوْنَ ۝
کیا بستیوں والے اس بات سے مدد ملی کہ ان پر
ہمارا عذاب آپہنچے دن چڑھے جب وہ
کھیل میں مشغول ہوں۔ (الاعراف - ۹۸)

لے ہوائی حملہ منہ

خدا شناس خدا پرست انسانوں کا طرز عمل اور سیر و اخلاق جنگوں اور خطرات کے موقع پر اس طرز عمل سے جس قدر مختلف اور مبائن ہے اس کا اندازہ کچھ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید میں ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ
فِتْنَةً فَاقْبَلُوا بِكُفْرٍ كَثِيرٍ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (الأنفال-۳۵)

اے ایمان والو! جب تمہارا دشمن سے سامنا ہو تو ثابت قدم رہو اور اس موقع پر اللہ کو تعسکم تفلحون سے زیادہ سے زیادہ یاد کرو کہ تم کا میاب ہو۔ صحابہ کرام بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی پریشان کن امر پیش آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوراً نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے، بدر کے معرکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیں برابر کیں اور عربیہ میں تشریف لاکر اللہ سے مناجات اور گریہ و زاری شروع کر دی، آپ فرماتے جاتے تھے کہ: ”اے اللہ اگر یہ جماعت آج ہلاک ہو گئی تو تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہ جائے گا“ یہیں تفاوت رہ از کجا ست تا بہ کجا

مغربی مزاج ایک مشرقی کی نظر میں

پس مادیت طبعی تاریخی اور علمی اسباب کی بنا پر تاریخ کے قدیم ترین عہد سے مغربی تہذیب اور مغربی زندگی کی روح اور اس کا مزاج بن گئی ہے، مغرب کے اس نیاز کی طرف مغرب مشرق کے متعدد علماء نے توجہ دلائی ہے، علماء مشرق میں سے صاحب نظر اور صاحب فراست سیاح عبدالرحمن کو اکبی (م ۱۳۲۰ھ) نے اس صدی کی ابتدائیل ہی کتاب ”طبائع الاستبداد“ میں اس حقیقت کا ذکر کیا ہے:-

”مغربی اپنی زندگی میں مادہ پرست، طبیعت کا مضبوط اور معاملہ کا سخت ہوتا ہے“

اس کی طبیعت خود غرض، کینہ و راد اور انتقامی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان بلند اصولوں

اور شریفانہ جذبات میں سے ایسا اس کے پاس کچھ باقی نہیں رہا، جو مشرق کی سمیٹنے
 اس کو عطا کئے تھے، ایک جرمن ہی کو، لو، مزاج کا خشک، اور طبیعت کا اکٹھا، اس کے
 نزدیک ایک کمزور انسان زندہ رہنے کا مستحق ہی نہیں، اس کے نزدیک ہر قسم کی بڑی
 قوت ہی میں پائی جاتی ہے اور قوتوں کا مرکز مال ہے، وہ علم کا ضرور قدردان ہے،
 لیکن مال ہی کے خاطر وہ عزت کا بھی شائق ہے لیکن مال ہی کی غرض سے لاطینی
 اور اطالوی کی فطرت میں خود پسندی اور تکبر عقلی ہے، اس کے نزدیک عقل نام ہے
 آزادی اور بے قیدی کا، زندگی کہتے ہیں بے حیائی کو، عزت نام ہے زینت و بکرا
 اور لوگوں پر غالب آجانے کا۔

مغربی فطرت و نفسیات کی یہ صحیح تفسیر و تحلیل ہے، مرحوم کو اکبری نے ان دونوں قوتوں
 کو محض نمونے کے طور پر انتخاب کیا، ورنہ جڑی، قومی خصائص کے علاوہ مادہ پرستی، دولت
 کے عشق، خود غرضی اور معاملہ کی شدت میں مغرب کی ساری قومیں شریک ہیں۔

روحانیت میں مادیت

یہ مادہ پرستانہ روح یورپ کے تمام سیاسی اجتماعی اور اخلاقی قدیم و جدید نظامات میں
 جاری و ساری نظر آئے گی، حتیٰ کہ اس روحانی تحریک کی جس سے یورپ کو بڑی دلچسپی پیدا ہو گئی ہے،
 روح بھی مادیت ہی ہے، وہ بھی دوسری صنعتوں اور فنون کی طرح ایک سائنس اور آرٹ ہے جس کا
 مقصد یہ ہے کہ عالم روحانیت کے عجائبات کی سیر کی جائے اس کے اسرار معلوم کئے جائیں، مردوں
 کی روحوں سے بات چیت کی جائے اور تفریح و تسکین نفس کا سامان بہم پہنچایا جائے، مشرق کی اسلامی
 روحانیت و تصوف کے برخلاف اس کو تزکیہ نفس، اصلاحِ قلب، خشیتِ الہی، عملِ صالح، مجاہدہ نفس

اور موت کے بعد کی زندگی اور اس کی تیاری سے کوئی تعلق نہیں۔

اسی طرح سے وہ کام جس میں یورپ میں لوگ اپنی جانیں دیتے ہیں محض مادی اغراض کے لئے ہوتے ہیں، اگر ان کا تجزیہ کیا جائے تو کسی نہ کسی مادی غرض و غایت پر وہ مبنی اور مبنی ہوتے ہیں، مثلاً شہرت، تائید میں ذکر، جذبہ مسابقت، قومی و وطنی اعزاز و فخر، ان میں کہیں خدا کی رضا مطلوب نہیں ہوتی، اس کے برخلاف مسلمان ہر کام میں خدا کی خوشنودی کا طالب ہوتا ہے اور خالص اس کی رضا کے لئے عمل کرنا چاہتا ہے جو چیزیں مغرب میں عین مقصود ہیں وہ یہاں قابلِ احترام اور لائقِ اجتناب ہیں جو چیزیں مغرب میں فخر و تازی ہے، مسلمان کے لئے ننگ و عار ہے۔

انچہ فخر تست آں ننگ من است

قرآن مجید کی آیت ہے:-

مَنْ مِّنكُمْ بِالْآخِرِينَ أَغْمَلَهُ	کہو ہم تمہیں خبر دیں کون لوگ اپنے کاموں
الَّذِينَ سَلَّ سَفَهُمْ فِي الْحَيَاةِ	میں سے زیادہ نادراد ہوئے وہ جن کی ساری
الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُّقْتَدُونَ	موشیش دنیا کی زندگی یہ کہتی گئیں اور وہ
مُتَّبِعُونَ الْآيَاتِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ	اس دھوکہ میں پڑے ہیں کہ وہ غیب کا م انجام دے
رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِمْ فَبُطِطُ لَعْمَالُهُمْ	یہ ہیں وہی ہیں جو اپنے پروردگار کی آیتوں سے
فَلَا يُقِيمُونَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَدْرَهُ	اور اس کے حصوں میں حاضر ہونے سے منکر ہوئے
(الکہف - ۱۰۳-۱۰۵)	پس ان کے سامنے کام آکارت گئے اور اس لئے

قیامت کے دن ہم ان کا کوئی وزن تسلیم
نہ کریں گے۔

قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ

اور دنیا میں جو یہ لوگ عمل کر گئے ہیں ان کا

فَجَعَلْنَاهُ مَبَاءً آمِنًا وَرَأَاهُ
طرف ہم توجہ ہوں گے اور ان کی اس طرح راہنمائی

(الفراق - ۲۳) کر دیں گے جیسے کبھری ہوئی دھول۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص بہادری کی بنا پر لڑتا ہے ایک شخص غیرت و جوش میں آکر اور ایک شخص لوگوں کو دکھانے کے لئے، ان میں سے کون سا اللہ کے راستہ میں شمار ہوگا، آپ نے فرمایا صرف وہ جنگ جو اس غرض سے کی جائے کہ اللہ کی بات ادا ہو وہی سبیل اللہ ہے اس اصول و حقیقت کے جو لوگ قائل تھے ان کو اپنے کاموں اور نیکیوں کے چھپانے کا بڑا اہتمام رہتا تھا اور اس پر بھی ہر وقت ریا کا کھٹکا لگا رہتا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک خاص دعا کے الفاظ ہیں اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ عَمَلِيْ كُلَّهُ صَالِحًا وَّاجْعَلْهُ كُلَّهُ لِرُحْمَتِكَ خَالِصًا وَلَا تَجْعَلْ لِّغَيْرِكَ فِيْهِ شَيْئًا یعنی اے اللہ میرے تمام اعمال کو صالح بنا اور ان کو خالص اپنی ذات ہی کے لئے رکھ اور اپنے سوا کسی کا اس میں حصہ نہ بنا۔

اقتصادی وحدۃ الوجود

مادی نقطہ نظر اور مادی طریق فکر یورپ میں استغراق و فنا کے ایسے درجہ کو پہنچ گیا ہے کہ مغربی اشخاص اور اہل فکر اس کو بالکل بھول گئے، فلسفۂ اشتراکیت کا امام کارل مارکس (KARL MARX) (۱۸۱۸ء - ۱۸۸۳ء) اس مادی استغراق اور فنا کی بہترین مثال ہے اس کے نزدیک پوری انسانی تاریخ (سوائے اس زمانہ کے جب زندگی عالم طفولیت میں تھی) معاشرتی طبقات کی باہمی جنگ کی داستان ہے وہ اقتصادی پہلو کے علاوہ انسانی زندگی کے تمام دوسرے پہلوؤں کی اہمیت اور اثر کا منکر ہے وہ دین اخلاق روح قلب حتیٰ کہ عقل کو کوئی وزن نہیں دیتا اور اس کے نزدیک ان میں سے کسی کو بھی انسان کی تاریخ میں کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں تاریخ کی تمام جنگیں بغاوتیں

وانقلابات محض ایک انتقام تھا جو چھوٹا اور خالی پیٹ ایک بڑے اور بھرے ہوئے پیٹ سے لینا چاہتا تھا، وہ محض ایک جدوجہد تھی جو اقتصادی نظام کی تشکیل جدید اور نئی پیداوار کے طریقوں کی تنظیم جدید کے سلسلے میں پیش آئی، اور اس بنا پر نتیجہ بیکان غلط نہ ہوگا کہ مذہبی جنگیں بھی اس کے نزدیک اقتصادی طبقات کی باہمی کشمکش کا نتیجہ تھیں ایک جماعت دولت کے ذرائع اور پیداوار کے طریقوں پر قابض ہو گئی تھی، اور دوسری اس میں شرکت کرنا اور اپنا واجبی حصہ لینا چاہتی تھی یا ان کی از سر نو تشکیل و تنظیم کرنا چاہتی تھی، پہلی جماعت کے مدافعت کرنے پر وہ جنگیں شورشیں اور انقلابات اُتے ہوئے جن کو تاریخ مختلف ناموں سے یاد کرتی ہے، یہ ایک طرف فلسفہ کی مذہبی جہاد کسی دینی اصلاح کسی روحانی جدوجہد کو اس کلیہ سے مستثنیٰ کرنے کے لئے تیار نہیں، یہ ہے مغرب کا مادی تصوف اور یورپ کا اقتصادی فلسفہ وحدۃ الوجود۔

یورپ کا نعرہ "لا موجود الا البطن والمعدہ"

چونکہ مشرقیوں پر روحانیت اور خدا شناسی اور خدا طلبی کا غلبہ تھا، اس لئے اس سلسلہ میں جن لوگوں پر استغراق طاری ہوا اور مغلوبہ حال ہوئے انھوں نے اللہ کے سوا ہر شے کے وجود کی نفی کی اور غلبہ حال میں لا موجود الا اللہ کا نعرہ بلند کیا اور پکے مفکرین پر چونکہ مادیت کا غلبہ تھا، اور اس میں ان کو درجہ استغراق و فنا حاصل تھا، اس لئے اپنے غلبہ حال میں انھوں نے اقتصادی پہلو کے علاوہ ہر چیز کی نفی کی اور لا موجود الا البطن والمعدہ کی آواز بلند کی، مشرق کے صوفی انسان کو سایہ ربانی سمجھتے تھے اور بعض مغلوبہ حال "اننا الحق" پکاراٹھتے تھے مغرب کے مادہ (یا معدہ) پرست انسان کو صرف ایک وجود حیوانی سمجھتے ہیں اور آج ہر طرف سے "اننا حیوان" کی صداؤں میں آہی ہیں۔

ڈارون کے نظریہ ارتقا کا اثر

یہ محض خیال آرائی نہیں ہے انیسویں صدی عیسوی سے یورپ میں ایسے نظریات اور علمی تحقیقات پیش آئے جن سے انسان اور اس کے مسائل زندگی کے متعلق حیوانی نقطہ نگاہ کی اُمید اور تقویت ہوئی ڈارون نے ۱۸۵۹ء میں اپنی کتاب اصل الانواع (ORIGIN OF SPECIES) میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ انسان دراصل ایک ترقی یافتہ جانور ہے جو اپنے ہزاروں سال کے نوعی سفر میں منزل بہ منزل درجہ بدرجہ AMOEBA سے بندر اور بندر سے انسانی شکل کو پہنچا اس کتاب نے سارے یورپ کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اور وقت کا سب سے بڑا موضوع بحث اور موضوعِ سخن بن گیا، اس نظریہ ارتقا نے انسانی مسائل پر غور کرنے کا نئے بل دیا، اور حیوانات کی تاریخِ نشأ و ارتقا اور ان کے عادات و اطوار و خصائص سے خاص دلچسپی پیدا کر دی، اس نظریہ نے یہ اعتقاد پیدا کر دیا کہ کائنات بغیر کسی غیر طبیعی طاقت کی مداخلت کے چل رہی ہے اور طبیعی قوانین کے علاوہ اس کی کوئی علت نہیں۔

مبادی اور نتائج اور ذہنی و اخلاقی اور عملی اثرات میں یہ نظریہ دین سے تناقض رکھتا ہے بلکہ یہ ایک مستقل دین ہے جو کسی اور دین کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑتا، اہل مذہب کی مخالفت اور ان کے خطرات اس بارہ میں حق بجانب تھے، پروفیسر جوڈ لکھتا ہے :-

”اس پریشانی اور استغاب کا اندازہ لگانا ہمارے لئے اس وقت مشکل ہے جو ہمارے

اسلاف کو ڈارون کی کتاب کے شائع ہونے پر پیش آیا، ان شہادتوں سے جن پر اس کے

نتائج تحقیق مبنی تھے ڈارون نے ثابت کیا (یا خیال کیا جاتا ہے کہ ثابت کیا) کہ کرۂ ارض

پر زندگی کا ارتقا اموبا AMOEBA اور جلی فش (JELLYFISH) کے ابتدائی طور سے

اس کی انتہائی شکون تک مسلسل رہا ہے، ہم زندگی کے ترقی یافتہ ترین اور آخروی شکل ہیں۔
 اس کے برعکس وکٹوریہ کے زمانہ کے لوگوں کو بتایا گیا تھا کہ انسان بجائے خود ایک خاص
 مخلوق ہے اور اس نے حقیقت فرشتہ کے درجہ سے منزل کیا ہے لیکن ڈارون کے نزدیک انسان
 ایک ترقی یافتہ بندہ ہے اس زمانہ کے لوگوں کو یہ بڑا شاق گزر کہ انسان ایک وال پذیر
 فرشتہ کے بجائے ایک ترقی یافتہ بندہ ثابت ہوا ان کو نظریہ بالکل پسند نہیں آیا اور انھوں نے
 انسان کو اس مخصوص نجات دینے اور اس عار کو دور کرنے کی مختلف کوششیں کیں۔

علمی اور تحقیقی طور پر مختلف ثقافتوں اور خلا موجود ہونے کے باوجود عوام اور لوگوں کی اکثریت نے
 سمجھے اور بے سمجھے اس نظریہ کو قبول کر لیا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ذہن پہلے سے اس کے لئے
 تیار تھے لوگوں کو اس میں ایک خوبی بھی نظر آئی کہ وہ مذہب اور اہل مذہب کا حریف تھا،
 اہل مذہب کے لئے معیالات اور ذوق کے اس بہتے ہوئے دھانے اور رسائل و مطبوعات کے
 اس سیلاب کا مقابلہ ناممکن ہو گیا اور بالآخر کلیسا نے اس جنگ میں ہتھیار ڈال دیئے۔

خیالات تہذیب ادب و سیاست، غرض زندگی کے تمام شعبوں میں اس نظریہ نے بڑا گہرا
 اور وسیع اثر ڈالا عہد فطرت کی طرف بازگشت کا خیال عربانی کا ذوق اور ہیبت اعمال اخلاق
 اسی خیال کا نتیجہ ہیں کہ انسان دراصل ایک ترقی یافتہ بندہ ہے اسی ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ
 بقول سٹرنشپرڈ انگلستان میں ایک نئی نسل پیدا ہو رہی ہے جو انسانوں کی خانگی زندگی کے
 مفہوم ہی سے نا آشنا ہے، وہ صرف حیوانات کے گلہ کی زندگی ہی سے واقف ہے۔

وطنیت و قومیت کا نشو و نما

اوپر گزر چکا ہے کہ وطنیت و قومیت کا جذبہ قومی فخر اور جغرافیائی تقسیم کا زیادہ کماٹ

مغربی فطرت کا خاصہ ہے جو مغربی نسل میں برابر منتقل ہوتا رہا ہے مسیحیت جب یورپ میں پہنچی تو اگرچہ وہ اپنی اصل شکل میں نہ تھی اور اس میں کمزوری پیدا ہو چکی تھی لیکن اس میں بہر حال حضرت مسیح کی تعلیمات کا اثر اور آسمانی مذاہب کی خصوصیات تھیں مذہب خواہ کتنا بگڑ جائے نسل و وطن کی بنیاد انسانوں کے درمیان تفریق کا قائل نہیں ہو سکتا، اس لئے اس نے یورپ کی منتشر قوموں کو رومی کلیسا کے ماتحت دین کے جھنڈے کے نیچے جمع کر دیا اور عیسوی دنیا کو ایک خانہ دار بنا دیا تاریخ اخلاقیات کے مصنف کے بقول حب وطن اور قومی عصبیت عام خلافتِ دوتی میں منتقل ہو گئی اور اس ذہنی تبدیلی کا اندازہ سچی علماء کے اقوال سے ہوتا ہے مثلاً ٹوٹلین کہتا ہے کہ ہم ایک جمہوریت کو جانتے ہیں اور وہ عالم ہے اور یمن کہتا ہے کہ ہمارا ایک وطن ہے جس کی بنا لفظ خدا سے پڑی ہے۔

لیکن جب لو تھر (MARTIN LUTHER) (۱۴۸۳ء تا ۱۵۲۶ء) نے اپنی مشہور دینی اصلاحی تحریک کا علم بلند کیا اور رومی کلیسا کی مخالفت میں جرمن قوم سے مدد لی اور بالآخر رومی کلیسا کو اس مقابلہ میں شکست ہوئی، تو قومیں جس ہار میں گندھی ہوئی تھیں اس کی لڑی ٹوٹ گئی اور وہ منتشر و متفرق ہو گئیں وہ روز بروز اندرونی طور پر خود مختار ہوئی گئیں یورپ میں مسیحیت کے زوال کے ساتھ ساتھ قومیت و وطنیت کا عروج ہوتا گیا گویا کہ دین و مذہب اور قومیت و وطنیت ترازو کے دو پلے تھے کہ جس قدر ایک نیچا ہوتا تھا، اسی قدر دوسرا اونچا ہوتا تھا اور یہ معلوم ہی ہے کہ دین کا پلر اہلکاب ہی ہوتا چلا گیا، اس لئے اس کے حریف یعنی قومیت و وطنیت کا پلر ابھاری ہوتا گیا، مشہور انگریز فیاض لارڈ لو تھیر (LORD LOTHIAN) نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا:-

”جب لو تھر کی تحریک نے (جس کو دینی اصلاح کی تحریک کہا جاتا ہے) یورپ کی

ثقافتی (کلچرل) اور دینی وحدت کا خاتمہ کر دیا تو براعظم مختلف قومی حکومتوں میں منقسم ہو گیا جن کے جھگڑے اور مقابلے دنیا کے امن کے لئے ایک انہمی اور مستقل خطرہ بن گئے۔
 دینی انحطاط اور دینی اصول و اخلاق کے زوال کی وجہ سے قومیت اور وطنیت کے طرز خیال کو جو فروغ ہوا اس کی طرف بھی فاضل موصوف نے متوجہ کیا ہے۔

”دین جو انسان کا ضروری رہنما، اخلاقی مقصد کے حصول اور انسانی زندگی کی عزت اور معنویت کا واحد ذریعہ ہے اس کے اقتدار کے زوال کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغربی دنیا ایسے سیاسی مذاہب و خیالات کی گرویدہ ہو گئی جن کی بنیاد نسل اور طبقات کے اختلاف پر ہے علوم طبعی کے اثر سے اس نے تسلیم کر لیا کہ مادی ترقی ہی اعلیٰ مقصد ہے اس وجہ سے زندگی کی مشکلات اور اس کی الجھنیں بڑھتی جا رہی ہیں اس کا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ یورپ کے لئے اپنی روح اور زندگی کے درمیان ایسی تطبیق دینا مشکل ہو گیا جو اس کو اس عصر کی سب سے بڑی مصیبت قومیت سے نجات دے سکے۔“

مغرب کا تکبر اور مشرق کے خلاف تعصب

مذہبی نظام کی شکست اور جذبہ قومیت کے فروغ کا پہلا اثر تو یہ ہوا کہ پورا یورپ یورپ کے مشرق کے مقابلے میں ایک حریف کیمپ بن گیا اس نے مغرب مشرق آریں نسل اور دوسری نسلوں کے درمیان ایک خط فاصل کھینچ لیا اور یہ طے کر لیا کہ اس خط کے اندر جتنی قومیں تہذیبیں اور مسلم و ادب اترتے ہیں ان کو دنیا کی تمام قوموں، تہذیبوں اور علم و ادب پر برتری اور فوقیت حاصل ہے ان کو حکومت کرنا، باقی رہنا اور بچھونا پھلنا چاہئے اس کے علاوہ جو کچھ ہے اس کو مغلوب و محکوم رہنا چاہئے اور زندگی و ترقی کا کوئی حق نہیں بعینہ یہی طرز خیال اپنے زمانہ میں یونانیوں اور

رومیوں کا تھا، وہ دنیا میں صرف اپنے کو مہذب شمار کرتے تھے، اور باہر کی ہر چیز کو خصوصاً جو چیز بحر اطلانتک کے مشرق میں واقع ہو بربری کے نام سے پکارتے تھے۔

قومیت کی حد بندیاں

یورپ کی قوموں اور سلطنتوں نے اپنے کو ایک مستقل دنیا فرض کر لیا ہے، قدرت نے پہاڑوں اور دریاؤں کے طبعی حدود قائم کر دیئے ہیں اور خود انھوں نے اپنے گرد سیاسی مقصد اور استعمار کے جو چھوٹے چھوٹے دائرے کھینچ لئے ہیں، ان کے نزدیک ان کے باہر دنیا اور انسان کا وجود نہیں پایا جاتا، ان کو ان گھروندوں کے باہر کسی چیز کا احترام اور قدر نہیں انھوں نے خود اپنے کو ایک مستقل معبود بنا لیا ہے، اور عبادت و تقدیس کا جتنا تعلق عبد و معبود کے درمیان ہونا چاہئے انھوں نے اس خود ساختہ معبود کے ساتھ قائم کر لیا، اسی کے لئے ان کی قربانیاں ہیں اسی کے راستہ میں جنگ ہے، اسی کی خاطر جینا اور مرنے کا اس پر چڑھاوے کے لئے بے تکلف صد ہا انسانوں کا خون بہایا جاتا ہے، اس دین قومیت کا عقیدہ اولین یہ ہے کہ قوم ہر چیز پر مقدم اور ہر چیز سے بالا و برتر ہے، اس قوم سے افضل زیادہ شریف زیادہ ذکی، زیادہ طاقتور، حکومت و بیاد، قوموں کی نگرانی و اتالیقی اور دنیا کی حفاظت کی اہل، سطح زمین پر کوئی دوسری قوم نہیں پائی جاتی، اس کے دریاؤں کا پانی امرت اس کی مٹی سونا، اور اس کے کانٹے پھول ہیں، یہ دین قومیت کسی انسان کو کسی ملک میں رہنے کی اس وقت تک اجازت نہیں دیتا جب تک وہ اس پر ایمان نہ لائے۔

قوم پرستی کا تخم ایک ہی طرح کے برگ و بار لاتا ہے یہ ممکن نہیں کہ کوئی قوم قوم پرستی پر ایمان رکھتی ہو اور دست درازی نہ کرتی ہو یا نہ کرنا چاہتی ہو، اور اپنے سواد و سروں کی تحقیر و تنقیص سے پاک ہو، جیسے کہ یہ ممکن نہیں کہ انسان شرا کے جام پر جام چڑھائے اور نہ وہ بہکے نہ اُسے نشہ آئے۔

درمیان قمر دریا تختہ بندم کردہ
بازی گوئی کہ دامن ترکمن ہیشارباش

خصوصاً جب کہ علم، ادب، شعر، فلسفہ، تاریخ، یہاں تک کہ علوم طبعیہ اس نشہ قومیت کو
اور تیز اور اس شراب کو دو آتشہ بناتے رہتے ہیں اور ہر طرح سے قوم میں سیل غرور و تعالیٰ اور اپنے ماضی
پر فخر و تکبر کی پرورش ہوتی رہتی ہے اور کسی قسم کی اخلاقی اور مذہبی رکاوٹ نہیں ہوتی اور رہنمائی گئی
ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہوتی ہے، جو قومی شوکت و عظمت کے سوا کوئی مقصد نہیں رکھتے۔

قوم پرستی کے عناصر نفرت اور خوف

نفرت اور خوف قوم پرستانہ زندگی کے ضروری عناصر ہیں جن کے بغیر اس میں جان نہیں آتی،
قوم پرستی کا جوش اس وقت تک پیدا نہیں ہوتا اور اگر پیدا ہو جائے تو باقی نہیں رہتا جب تک کہ
قوم کے لئے کوئی چیز نفرت کرنے کے لئے اور کچھ ڈرنے کے لئے نہ ہو، چنانچہ قومی رہنما، نفرت اور خوف
کے ذریعہ سے اس کے جذبات برانگیختہ کرتے رہتے ہیں اور اس کی اس دھننی رنگ کو دبا کر اس میں ہیجان
و اشتعال اور جوش و خروش پیدا کر دیتے ہیں وہ نفرت اور خوف کی آگ بجھنے نہیں دیتے بلکہ رال کا پہاڑ
بنا کر چھوٹے چھوٹے اختلافات کو بڑھا کر اور کسی نہ کسی حقیقی یا فرضی حریف کو سامنے لا کر قوم کے
جذبہ نفرت و خوف کو زندہ اور متحرک رکھتے ہیں اور اسی میں اپنی حکومت یا قیادت کی زندگی اور اپنی بقا
سمجھتے ہیں اور فیسر ہو جانے اس کی جو فلسفیانہ اور نفسیاتی تحلیل و توجیہ کی ہے۔ وہ حسبِ قیل ہے۔

وہ مشترک جذبات جن کو آسانی سے برانگیختہ کیا جاسکتا ہے اور جو جہود کی بڑی بڑی
جماعتوں کو حرکت میں لاسکتے ہیں وہ 'حرم'، 'نیاضی' اور 'محبت' کے جذبات نہیں بلکہ نفرت اور
خوف کے جذبات ہیں جو لوگ کسی قوم پر کسی مقصد کے لئے حکمرانی کرنا چاہتے ہیں،

وہ اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکے جب تک اس کے لئے کوئی ایسی چیز تلاش نہ کر لیں جس سے وہ نفرت کرے اور اس کے لئے کوئی ایسی شخصیت یا قوم نہ پیدا کر لیں جس سے وہ ڈرے میں ہی اگر قوموں کو متحد کرنا چاہوں تو مجھے چاہئے کہ میں ان کے لئے کسی اور سیارہ پر کوئی دشمن ایجاد کروں مثلاً چاند جس سے یہ سب قومیں ڈریں اس بنا پر قطعاً حیرت کی بات نہیں کہ اس زمانہ کی قومی حکومتیں اپنی ہمسایہ قوموں کے ساتھ معاملہ کرنے میں نفرت اور خوف ہی کے جذبات کے زیر اثر ہیں انھیں جذبات پر ان سلطنتوں پر حکمرانی کرنے والوں کی زندگی موقوف ہے اور انھیں جذبات پر قومی اتحاد کی بنیاد ملے۔

واقعہ یہ ہے کہ خالص قوم پرستانہ ذہن اور اس کا طریقہ کار (TECHNIQUE) یہی ہے کہ نفرت اور خوف کو قائم رکھا جائے انھیں دو جذبات پر گزشتہ موجودہ قوم پرست حکومتوں کی بنیاد رہی ہے اور انھیں دونوں جذبات نے اُن بڑی بڑی جنگوں کو پیدا کیا ہے جن کی داستان تاریخ میں نظر آتی ہے اور جن کے آثار دنیا میں ابھی موجود ہیں اسلام اس قوم پرستی کو (جو اپنی قوم کی جاوے جاپااسداری اور دوسروں سے نفرت اور خوف کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی اور جس میں اصول و صداقت کا سوال نہیں) "عصبیت" اور "حمیت" قرار دیتا ہے اور ہر ایسی امداد و حمایت و جوش و حمیت اور جنگ بھڑال کو حرام قرار دیتا ہے جس کی بنیاد محض قومی یا جماعتی عصبیت پر ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف ارشاد فرمایا:۔

لیس منامی دعا الی عصبیۃ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو کسی جتھہ بندی

ولیس منامی قاتل علی عصبیۃ کی دعوت دے، وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے

ولیس منامی مات علی عصبیۃ جو کسی جتھہ بندی اور پاسداری کے لئے

جنگ کرے، وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے
جو جتھ بندی کی حالت میں مرے۔

جو شخص اس قوم پرستی اور جاہلی عصبیت کی جنگ میں مارا جائے اس کی موت "جاہلی" (غیر اسلامی) قرار دی گئی ہے اور ایک حدیث میں اس کو امت سے خارج بتلایا گیا ہے۔

من قاتل تحت راية عمية جو شخص کسی اندھا دھند جھنڈے کے
یغضب بعصبية اوبد عوالی نیچے کسی جتھ بندی کے جوش حمایت میں یکسا
عصبية اوينصر عصبية فقتل جتھ بندی کی دعوت میں یا کسی جتھ بندی
فقتلته جاهلية کی امداد میں جنگ کرے گا اور ارا جائے گا تو
اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔

ومن قتل تحت راية عمية جو کسی اندھا دھند جھنڈے کے نیچے کسی
یغضب للعصبية ويقاقل پاسداری کے جوش میں پاسداری کی جنگ میں
للعصبية فليس من امتي مارا جائے گا تو وہ میری امت میں سے نہیں ہے۔

اسلام نے عالم انسانی کو دو ہی حصوں میں تقسیم کیا ہے خدا کے پیڑ اور حق کے حامی شیطان کے پیرو اور باطل کے حامی اس نے صرف شیطان کے پیروؤں، باطل کے حامیوں زمین میں فساد کرنے والوں اور ظلم و سرکشی اور فسق و فجور پھیلانے والوں سے نفرت رکھنے اور ان کے خلاف جنگ کرنے کا حکم دیا ہے خواہ وہ کسی نسل اور وطن سے تعلق رکھتے ہوں، نفرت اور جنگ کے لئے اس کے یہاں تقسیم قومی و نسلی بنیادوں اور ملکوں اور شہروں کے حدود پر نہیں ہے بلکہ اصول عقائد و اعمال اور خدا سے وفاداری اور بغاوت اور انسانیت کے لئے نفع و مضرت کی بنیاد پر ہے۔

لہ مسلم و نسائی رحمہما

قومی عظمت و تکبر

قوم پرستوں کا قاعدہ ہے کہ وہ چھوٹی چھوٹی کمزور قوموں میں بھی قوم پرستی کی تبلیغ کرتے رہتے ہیں اس کے ادب زبان اور تہذیب کے حق میں قصیدہ خوانی اور اس کے عہد ماضی کی عظمت و شوکت میں مبالغہ آرائی کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ قومیں قوم پرستی کے جذبات سے مغلوب اور نشہ قومیت سے سرشار ہو جاتی ہیں ان میں اپنے اور غلط اعتماد اور فخر و تکبر پیدا ہو جاتا ہے اور وہ بیرونی دنیا سے قطع تعلق کر کے قومیت کے چھوٹے چھوٹے دائروں میں محدود و محصور ہو جاتی ہیں ان کو کسی بین الاقوامی طاقت کسی عالمگیر رشتہ کی پروا نہیں ہوتی اور وہ اپنے وسائل اور طاقت پر پورا اعتماد کرتی ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ چند گھنٹوں میں کسی بڑی طاقت کا لقمہ بن جاتی ہیں اور دنیا دور سے اس کا نشانہ دیکھتی رہتی ہے اور سوائے زبانی ہمدردی کے ان کو وقت پر کوئی مدد نہیں ملتی قومیت کے حصار کو قائم کر کے اور اپنے کو دنیا سے علیحدہ اور متنازع قرار دے کر وہ گویا بڑی طاقتوں کو شکار کی دعوت دیتی ہیں، وسطیورپ کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا اس جنگ میں جو کچھ انجام ہوا وہ دنیا کو معلوم ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ وہ اسلامی ممالک جو عالمگیر دعوت و تحریک رکھتے ہیں اور جن کے پاس ایسی طاقت ہے جو اگر ان پر اس سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت ہو یورپ کے قومی و وطنی اور سیاسی فلسفوں اور دعوتوں سے زیادہ طاقتور وسیع اور عمومی دعوت و تحریک ہے ان کا رجحان بھی محدود قومیتوں کی طرف ہے حالانکہ وہ اپنے وسائل سامان جنگ اور تعداد کے لحاظ سے یورپ کی ریاستوں سے کچھ زیادہ بہتر حالت میں نہیں ہیں اس لئے یہ توقع کرنا خوش فہمی سے خالی نہ ہوگا کہ وہ اپنے ان محدود وسائل اور قومیت و وطنیت کے حدود کے اندر کسی خطرہ کا زیادہ دنوں تک مقابلہ

قوم پرست حکومتوں کا معیارِ عزت و عظمت

قوم پرست حکومتوں کا معیارِ عزت و عظمت یہ ہے کہ زمین کے بڑے بڑے رقبہ پر ان کا تسلط و اقتدار ہو، ملک کے حدود وسیع اور ذرائع آمدنی وافر ہوں، اپنی مرضی کو دوسروں پر مسلط کرنے اور ہمسایہ قوموں یا خلیفہ سلطنتوں کو خوف زدہ کرنے کا ان کے پاس پورا سامان، ملک کے افراد میں قومی برتری، نسلی تفوق، اپنی قدیم تہذیب اور ادب و زبان اور تاریخ ماضی پر فخر و مباہات کا جذبہ پایا جاتا ہو اور دوسری معاصر قوموں کی کمزوری اور تہذیبی و ادبی بے مائیگی پر ایمان راسخ ہو، وہ ملک و سلطنت کی عزت و عظمت کی خاطر بڑے بڑے مجرمانہ و وحشیانہ اعمال کا بے تکلف ارتکاب کر سکتے ہوں، اور اپنی قوم اور اس کے افراد کو حقیر سے حقیر فائدہ پہنچانے کے لئے بڑی سے بڑی حق تلفی اور نا انصافی میں ان کو باک نہ ہو ایسی حکومت کا اخلاقی معیار خواہ کتنا پست ہو اس کے شہری، اخلاقی شعور، انسانیت کے احترام اصول کی پابندی سے خواہ کتنے ہی بیگانہ ہوں، اور وہ حکومت اور اس کے ذمہ دار اخلاقی حدود و قیود سے کتنے ہی آزاد ہوں وہ حکومت عزت و عظمت کے بلند معیار پر فائز اور دنیا کی ایک خاص قابل احترام اور لائق تقدیس حکومت ہے، پروفیسر جوڈ نے صحیح لکھا ہے کہ:-

”قومی عظمت کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ قوم کے پاس ایسی طاقت ہو جس سے

وہ بوقت ضرورت اپنی خواہش و ارادہ کو دوسروں پر مسلط کر سکے، یہ قومی عظمت ان

قوموں کے نزدیک ٹیڈیل کا درجہ رکھتی ہے، اس کی نامعقولیت اسی سے ظاہر ہے کہ یہ

اخلاقی صفات کے بالکل ضد ہے، اگر کوئی ملک ایسا ہے جو صرف سچ ہی بولتا ہے،

وعدے وفا کرتا ہے اور کمزوروں کے ساتھ انسانیت کا سلوک کرتا ہے تو ان قوموں کے نزدیک اس کی عزت کی سطح پست ہے ہسٹریڈون کے بقول عزت نام ہے اس قوت کا جس سے قوم خاص شرف و اعتبار کی مالک ہو اور نگاہوں کو اپنی طرف متوجہ کرے اور ظاہر ہے کہ ایسی قوت جس سے قوم کو ایسا اعزاز و امتیاز حاصل ہو موقوف ہے آتش فشاں گولوں اور بموں پر ان نوجوانوں کی وفاداری اور وطن دوستی چرن کا شہروں پر ان گولوں اور بموں کو پھینکنا محبوب مشغلہ ہے پس جس عزت کے لئے کسی قوم کی تعریف کی جاتی ہے وہ ان صفات و اخلاق کے بالکل ضد واقع ہوئی ہے جن کی بنیاد پر فرد کی تعریف کی جاتی ہے میرے نزدیک تو قوم کو اسی قدر وحشی اور غیر مہذب سمجھنا چاہئے جس قدر وہ ایسی عزت کی مالک ہو، فریبے ہی ادغا بازی اور ظلم سے عزت حاصل کرنا کسی انسان اور قوم کے لئے قطعاً باعث عزت نہیں ہے۔

ہدایت یا تجارت

لادینی حکومتیں دراصل ایک ترقی یافتہ منظم اور محفوظ تجارتی ادارے ہیں، یہ حکومتیں بنیادی و اصولی طور پر نفع پہونچانے کے لئے نہیں بلکہ نفع اٹھانے کے لئے قائم ہوتی ہیں، وہ سرے سے کوئی اخلاقی پیغام اور اصلاحی مقصد نہیں رکھتیں، نہ ان کے پیش نظر ملک یا قوم کی اخلاقی و روحانی ترقی، انسانوں کی ہدایت اور انسانیت کی حقیقی خدمت و بہبود ہوتی ہے، قدرتی طور پر ان کی اصل توجہ آمدنی کے ابواب، نفع اٹھانے کی تدابیر اور سرکاری محاصل و مطالبات کی طرف ہوتی ہے، اس غرض کے لئے وہ بے تکلف اخلاق و شرافت کے اصول کو نظر انداز کر دیتی اور

اخلاقی تعلیمات و مصالح کو پس پشت ڈال دیتی ہیں، جہاں کہیں اخلاقیات و مایات کا تصادم ہوتا ہے وہاں وہ ہمیشہ مایات کو ترجیح دیتی ہیں ہر ملکہ میں ان کا نقطہ نظر معاشی و اقتصادی ہوتا ہے اس طرز کی حکومتیں بد اخلاقی و بے حیائی کی بہت سی قسموں کو کچھ قانونی قیود کے ساتھ (جو جرائم کا سد باب نہیں کرتی بلکہ ان کو صرف نظم و ضابط میں لے آتے ہیں) جائز قرار دیتی ہیں، عصمت فروشی کا پیشہ ان کی حکومت میں قانوناً جائز ہوتا ہے، وہ خود وسیع پیمانہ پر اور منظم طریقہ پر سودی کاروبار کرتی ہیں، ہند ب ناموں سے جوئے کی اجازت ہوتی ہے، ناموں کی تبدیلی اور بعض ایسے قیود کے ساتھ جو حکومت کے مفاد کو محفوظ رکھتے ہیں، بہت سی اخلاقی جرائم جائز ہوتے ہیں شراب کی نہ صرف اجازت ہوتی ہے بلکہ حکومت بعض اوقات اس کی تجارت اپنے ہاتھ میں رکھتی ہے اور اس کے خلاف جدوجہد کرنے والے کو سزا دیتی ہے، سینما اور فلم سازی کی صنعت جو اپنی موجودہ روح اور شکل میں اُمّ الجرائم اور قوم میں بد اخلاقی کا رجحان اور شہوانی میلان پیدا کرنے کی سب سے بڑھ کر ذمہ دار ہے، حکومت کی آمدنی کا بہت بڑا ذریعہ سمجھی جاتی ہے اور اس کے اخلاقی نقصانات کو جانتے اور دیکھتے ہوئے بھی حکومت اس کو روک نہیں سکتی، ریڈیو کا سرکاری محکمہ قوم کی اخلاقی رہنمائی اور تربیت کے بجائے داروغہء ارباب نشاۃ کی خدمت انجام دیتا ہے اور قوم میں سنجیدگی اور صحیح ذوق پیدا کرنے کے بجائے اس کے فاسد ذوق اور سطحی رجحانات کا ساتھ دیتا ہے بلکہ اپنے پروگرام سے تفریحی رجحان پیدا کرتا ہے، اور تعلیم و تربیت کا ذریعہ بننے کے بجائے آراء تفریح بن کر رہ جاتا ہے، قانون مطالبہ اور حکومت کا محکمہ احتساب جہاں سیاسیات و انتظامیات میں نہایت ذکی افسر خود مدین اور سخت گیر ہوتا ہے، اور کسی ادنیٰ تنقید کو بھی بعض اوقات گوارا نہیں کرتا، وہاں اخلاقیات کے بارہ میں نہایت فراخ دل، قیاس اور بے نیاز واقع ہوتا ہے، غیر ذمہ دار اخبار نویس اور خوش نگار ادیب اور افسانہ نگار اپنے حقیر مادی فوائد کے لئے قوم میں اخلاقی طاعون

پھیلاتے ہیں لیکن جب تک پانی سر سے نہ گزر جائے حکومت کی مشین متحرک نہیں ہوتی، اس طرز حکومت میں خلاق کے ساتھ قوم کی صحت بھی محفوظ نہیں رہتی، بعض تجارتی ادارے اپنے مضر صحت مصنوعات اہل ملک کی صحت کو مسلسل نقصان پہنچاتے رہتے ہیں اور لوگوں کو کمزور و بیمار بناتے رہتے ہیں لیکن حکام کو رشوت دے کر یا حکومتی و قومی اداروں کو گراں قدر مالی ابداد پہنچا کر حکومت کے غائب احتساب سے بچتے رہتے ہیں یہ سب اس لئے ہوتا ہے کہ حکومت کا نقطہ نظر اور اس کا فکری محور اصول و اخلاق، ہدایت و اصلاح نہیں بلکہ مالی منفعت اور ظاہری خوشحالی ہے۔

اس طرز سیاست کا لازمی نتیجہ ہے کہ اہل ملک کے اخلاق روز بروز پست ہوتے چلے جائیں اور ایک خطرناک اخلاقی انحطاط اور اخلاقی امراض رونما ہوں، اور پوری قوم میں اور اس کے ہر طبقہ میں تاجرانہ ذہنیت اور نفس اندوزی اور موقع پرستی کی ذہنیت پیدا ہو جائے اور ایک عام لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہو، ہر شخص دوسرے کو زیادہ سے زیادہ لوٹنے کی کوشش کرے اور اصول و اخلاق کا مسئلہ بالکل نگاہوں سے اوجھل ہو جائے۔ اس کے برخلاف جو حکومتیں منہاج نبوت پر قائم ہوتی ہیں ان کی بنیاد تجارت کے بجائے ہدایت پر ہوتی ہے، خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے ایک عامل سے جس نے ان کے طرز حکومت کی وجہ سے آمدنی کی تخفیف اور حکومت کے مالی نقصان کی شکایت کی تھی فرمایا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے تحصیلدار اور محصل بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے اس ایک مختصر جملہ میں دینی حکومت کا پورا اصول سیاست اور طرز حکمرانی آگیا۔ دینی حکومت کی بڑی توجہ جمہور کے مذہب و اخلاق اور ان کے اخروی نفع و ضرر کی طرف ہوتی ہے اس کا اصل کام خراج اور محاصل کی تحصیل وصول اور آمدنی کا اخلاف

نہیں ہے یہ سب چیزیں بالکل ضمنی اور ثانوی ہیں اور محض اصلاحی و دینی مقاصد تکمیل اور انتظام حکومت کے آراء کار کے طور پر ہیں، وہ تمام سیاسی و مالی امور میں دینی نقطہ نظر سے غور کرتی ہے، دینی اور اخلاقی اصول و مبادی کو مادی فوائد و مصالح پر مقدم رکھتی ہے اس کے حدود حکومت میں سود، جوا، شراب، زنا، فسق و فجور بے حیائی کی قسمیں اور اس کے تمام محرکات و ترغیبات اور ایسے مالی معاملات جن سے انفرادی نفع اور اجتماعی ضرر تمام ممنوع اور خلاف قانون ہوتے ہیں، اگرچہ اس کی وجہ عظیم الشان مالی خسارہ برداشت کرنا پڑے اور حکومت کو وسیع آمدنی سے محروم ہونا پڑے، وہ مختلف قسم کی اصلاحات نافذ کرتی ہے، اس کو صرف قوم کے افعال و اعمال ہی سے تعلق نہیں ہوتا بلکہ اس کے رجحانات اور ذہنیت پر بھی اس کی نگاہ ہوتی ہے، اس لئے کہ اخلاقی رجحانات ہی افعال و اعمال کو وجود میں لاتے ہیں، اگر اخلاقی رجحان درست نہ ہو تو اعمال و افعال کی اصلاح اور جرائم اور بد اخلاقیوں کا سد باب کسی طرح ممکن نہیں اس لئے وہ ان تمام چیزوں پر پابندی عائد کرتی ہے جو قوم میں بد اخلاقی قانون شکنی اور نفس پرستی اور عشرت پسندی کا رجحان پیدا کرتی ہیں اور ان تمام اشخاص کو مجرم اور ملک کا دشمن گردانتی ہے جو لوگوں میں بے حیائی اور موصیت پسندی پیدا کرتے ہیں، خواہ وہ اہل فن ہو یا تاجر یا اہل حرفہ، اس کو قیام امن و انتظام سلطنت کے ساتھ ساتھ اخلاقی نگرانی اور تہذیب نفس کا بھی پورا پورا اہتمام ہوتا ہے اس لئے کہ اس کی حیثیت صرف پولیس اور چوکیدار کی نہیں ہوتی بلکہ ایک شفیق مٹری اور امانت دار کی بھی ہوتی ہے۔

اس نوع کی حکومت کا طبعی نتیجہ وہی ہے جو قرآن مجید میں مہاجرین اولین کے تذکرہ میں ایک پیشین گوئی کے طور پر ذکر کیا گیا ہے:-

الَّذِينَ آمَنُوا مَلَأُوا قُلُوبَهُمْ فِي الْأَرْضِ حَيْثُ

یہ (مظلوم) مسلمان وہ ہیں کہ اگر ہم نے

أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ
 قَامُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا
 عَنِ الْمُنْكَرِ وَحِلَّتْ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ
 زمین میں انھیں صاحبِ اقتدار کر دیا یعنی
 ان کا حکم چلنے لگا تو وہ نماز کا نظم قائم کریں گے
 زکوٰۃ کی ادائیگی میں سرگرم ہوں گے نیکوئیاں
 حکم دیں گے اور برائیاں روکیں گے اور تمام
 باتوں کا انجام کارِ شری کے ہاتھ ہے۔ (الحج - ۴۱)

تجارت و صنعت کا اخلاق کے ساتھ عدم تعاون

افرائش دولت کے شجرانی عہد میں یالارڈ میکالے کے پُر معنی الفاظ میں کم سے کم وقت
 میں زیادہ سے زیادہ دولت مند بن جانے کا شوق رکھنے والے لوگوں کے اقتدار میں ایک زبردست
 تجارتی مقابلہ جاری ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ تفریحی صنعتوں آرائش کے سامان اور لباسِ زینت
 کے انواع و اقسام کا ایک سیلاب ہر روز کارخانوں اور صنعت گاہوں سے شہروں پر اُمڈ اُٹا رہا ہے
 بازار نشی تراش خراش کے لباس، نئی نئی قطع کے جوتوں اور جوتیوں سے اور دوسرے سامانِ آرائش
 سے جگمگاتے رہتے ہیں پھر فوراً یہ چیزیں پُرانی اور فرسودہ قرار پا جاتی ہیں اور برائے نام ترمیم کے ساتھ
 نیا سامان ان کی جگہ لیتا ہے زینت جن و ترقی کا معیار روزانہ بدلتا ہے اور برابر بڑھ رہا ہے
 اس میں بڑا دخل کارخانوں کی اس بے ضرورت تفریحی پیداوار اور اس مبالغہ و رقابت کا
 ہے جو تجارتی مرکزوں اور صنعت گاہوں میں کام کر رہی ہے اور جو لوگوں کے اخلاق و معاشرت
 نیز قوتِ خرید سے بالکل بے نیاز ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ زندگی روز بروز گراں، معیارِ زندگی
 ہرگز بڑھنے سے ہوئے دن سے بلند زندگی کے مطالبات اور فرضی لوازمِ زندگی روز افزوں اور
 ان کی تکمیل کے لئے بڑی سی بڑی آمدنی نا کافی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ قناعت ایک لفظ

بے مسمیٰ بنتا جا رہا ہے، سکون و اطمینان قلب خواب و خیال ہو گیا ہے، ہر شخص اپنے سامنے اپنے سے بلند معیار زندگی رکھتا ہے، اور وہاں تک پہنچنا اپنا سب سے بڑا فرض سمجھتا ہے، ماحول بھی اس کی اسی کا مطالبہ اور اسی کی توقع کرتا ہے، اور اس کے بغیر اس کو ذلیل سمجھتا ہے، ایک مدت اسی جدوجہد میں گزرتی ہے، جب وہ بام مقصود تک پہنچنے لگتا ہے تو وہ اور بلند ہو جاتا ہے اور ایک دوسرا بلند معیار زندگی سامنے آ جاتا ہے، اس طرح زندگی ایک غیر ختم شدہ جدوجہد اور ایک ایسا ریس کا میدان ہے جس کا سر اور کوئی انتہا نہیں، اس کا نفسیاتی اثر یہ ہے کہ زندگی میں تلخی اور کوفت بہت بڑھ گئی ہے، اور جو گھر آسانی کے ساتھ جنت کا نمونہ ہو سکتے تھے، اور جن میں زندگی کے فطری حقیقی لوازم سب پائے جاتے ہیں کسی نہ کسی موہوم اور خیالی چیز کی کمی کی وجہ سے دوزخ کا نمونہ ہیں، جہاں حقیقی عیش اور قلبی سکون غنقا ہے۔

ایک مسلمان عالم نے رومی و ایرانی تمدن کا جو نقشہ کھینچا ہے اور جو کتاب کے ابتدائی صفحات میں گزر چکا ہے، اس کو سامنے رکھ کر دیکھئے موجودہ تمدن کا نقشہ اس سے ذرا بھی مختلف ہے، اس کا اخلاقی اثر یہ ہے کہ اخلاقی حدود و ضوابط برقرار نہیں رہے، محدود آمدنی میں غیر محدود مطالبات و تقاضوں اور فرمائشوں کی تکمیل رشوت اور غیر قانونی وسائل آمدنی کے بغیر ممکن نہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ رشوت (مختلف ناموں کے ساتھ) مہربانہ داد و ستد اور مخفی ذرائع آمدنی کا بازار گرم ہے، اور ان سے زندگی میں جو مشکلات اور نظام میں جو ابتری پیدا ہو سکتی ہے، وہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

نتیجہ عموماً زندگی کے فطری اور حقیقی ضروریات کے تقاضے کا نہیں بلکہ فرضی اور غیر حقیقی ضروریات کے مطالبہ کا ہے، اس کی بندش محض قانونی گرفت اور استیصال رشوت کی کوششوں سے ممکن نہیں، اس کا ذمہ دار وہ نظام زندگی ہے جو ایک مدت سے اخلاقی ہدایات سے محروم

اُخروی جزا و سزا کے تصور سے عاری اور وہ نظام تعلیم ہے جو اپنی کیسراہہ پرتازہ ساخت کی وجہ سے اخلاقی جس اور ضمیر پیدا کرنے میں انتہائی ناکام ہے، جتنا تجارتی یا تجارتی کا پیشہ یا مصوری اور موسیقی کا فن ہو سکتا ہے اس کا ذمہ دار وہ نظام حکومت ہے جو آمدنی اور پیداوار کے وسائل پر قابو رکھنا تو اپنا فرض سمجھتا ہے لیکن تجارت و صنعت اور اخلاق کے باہمی تعاون و توازن کو ضروری نہیں سمجھتا۔

سائنٹفک ترقی اور عہد جدید کے اکتشافات

عہد حاضر اپنے طبعی تحقیقات اور علمی و صنعتی اکتشافات و اختراعات کے لحاظ سے انسانی تاریخ کا ممتاز ترین عہد ہے اور اپنے اس امتیاز کی وجہ سے بجا طور پر اس کا مستحق ہے کہ اس کو اکتشاف و ایجاد اور برق و فولاد کے عہد کا لقب دیا جائے، یورپ کی امت اس باب میں مسلم ہے اور اس کے محققین و موجدین کی ذہانت اور صفائی قطعاً محل بحث نہیں۔ لیکن ہم کو اس موقع پر ایک مخصوص تنقیدی نقطہ نظر سے اُن صنعتی کامیابیوں اور اکتشافات و ایجادات کا جائزہ لینا ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ ان ایجادات کا مقصد کیا ہے انھوں نے کس حد تک اپنے مقصد کو پورا کیا اور دنیا کے لئے یہ ایجادات خیر و برکت اور باعث راحت ثابت ہوئیں یا انھوں نے دنیا کی مشکلات و مصائب میں کچھ اضافہ ہی کیا۔

صنعتی اکتشافات کا مقصد اور اسلامی تعلیمات

ہمارے نزدیک ان علمی تحقیقات اور صنعتی اکتشافات کا صحیح مقصد یہ ہے کہ انسان کو زندگی کے فطری سفر میں اپنی لاعلمی اور کمزوری کی بنا پر جو رکاوٹیں اور موانع پیش آتے ہیں ان پر قابو حاصل کیا جائے اور صحیح مقاصد کے ماتحت (جن میں زمین میں سر بلندی اور

فقد و فساد شامل نہیں) قدرت کی ان قوتوں اور دولتوں سے فائدہ اٹھایا جائے جو اس عالم میں کبھری ہوئی ہیں۔

مثال کے طور پر انسان زمانہ قدیم میں پیدل چلتا تھا، پھر یہ بات اس کی سمجھ میں آئی کہ وہ جانوروں سے فائدہ اٹھائے، اس نے بیل گاڑیوں سے کام لیا، پھر اس نے اور سرعت پیدا کرنی چاہی تو اس نے صبارتار گھوڑوں کے ذریعہ دنوں کی مسافت گھنٹوں میں طے کی، انسان کی فطرت میں قناعت اور سکون نہیں اور جذبہ مسابقت بھی اس کو کسی ایک منزل پر ٹھہرنے نہیں دیتا اس کی ضروریات بھی بڑھتی گئیں اور راحت و سرعت کا معیار بھی بلند ہوتا گیا اور تدریج وہ سواریاں وجود میں آتی رہیں جن میں سے ہر ایک پہلے کے مقابلہ میں زیادہ تیز ہے بحری سفر میں اس نے بادبانی کشتیوں سے دخانی جہازوں تک ترقی کی، حمل و نقل کے بری و فضائی آلات و وسائل بھی اس نقطہ تک پہنچ گئے جو زمانہ مسابقت کے لوگوں کے خواب خیال میں بھی نہ تھے اگر صحیح مقاصد کے ماتحت ان سہولتوں سے فائدہ اٹھایا جائے غیر ضروری مشقت اور وقت اور قوت کے غیر ضروری استعمال سے بچ کر ان کو اور کسی بہتر مصرت میں صرف کیا جائے تو یہ خدا کی نعمت ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سفر کی اس راحت و سہولت اور سرعت کو بطور انعام کے ذکر کیا ہے اور انسانوں پر اپنا ایک یہ احسان بتلایا ہے کہ وہ خدا کی دوسری مخلوقات کے ذریعہ سفر اور بار برداری کی بڑی بڑی مشقتوں سے بچ جاتے ہیں اور اس کو اپنی راحت و رحمت کی ایک نشانی اور دلیل کے طور پر پیش کیا ہے فرمایا:-

وَالْأَنْعَامَ خَلَقْنَا لَكُمْ فِيهَا نِصًّا
وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَكُونُونَ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرْجَعُونَ وَحِينَ
اس نے چار پائے پیدا کئے، ان میں تمہارا
لے گرم کرنے والی پوشش ہے نیز طرح طرح
کے فائدے اور بھی ہیں ایسے جانور بھی ہیں

تَسْرُخُونَ ۝ وَتَحْمِلُ أَنْثَاكُمْ إِلَىٰ
بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بِالْغِيَا إِلَّا يَشْتَقِ
الْأَنْفُسُ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَوْفٌ رَّحِيمٌ
وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ
لَتَرْكَبُنَّهَا وَزِينَةً يُحْيِي لِقُ
مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

(النحل ۵-۸)

جن کا تم گوشت کھاتے ہو اور ان میں تمہاری
نگاہوں کے لئے خوشنالی ہے جب تم شام
کے وقت انھیں اُپس لاتے ہو اور جب صبح کو
چھوڑ دیتے ہو اور یہی جانور میں ہو تمہارا
بوجھ اٹھا کر ایسے شہروں تک لے جاتے ہیں کہ
تم وہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے مگر بڑی کامیابی
جانکا ہی کے ساتھ بلاشبہ تمہارا پروردگار
بڑا ہی شفقت رکھنے والا اور بڑا ہی رحمت
رکھنے والا ہے اور گھوڑے، اونچے اور گدھے
پیدا کر دیتے ہیں کہ تم ان سے سواری کا کام لو
اور ویسے ان میں خوشنالی اور رونق بھی ہے
وہ اور بہت سی چیزیں پیدا کرتے ہیں جن کی
تمہیں خبر نہیں۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ
فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ
الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ
مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا
(بنی اسرائیل ۷۰)

اور البتہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور شرفی
اور تری دونوں کی قومیں اس کا مالک کر دیں کہ
اسے اٹھائے پھرتی ہیں اور اچھی چیزیں مل سکیں
روزی کے لئے تہیہ کر دیں نیز جو مخلوقات
ہم نے پیدا کی ہیں ان میں سے اکثر پر لے
بزرگی دی پوری بزرگی۔

وَالَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا ۖ
وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْفُلُكِ وَالْأَنْعَامِ
مَا تَرْكَبُونَ ۝ لَّسْتُمْ عَلَىٰ ظُهُورِهِ
تُمْرَدُونَ كَرُودًا ۖ إِنَّهُ يَرْكَبُهَا
عَلَيْهِ وَتَقُولُوا سُبْحَانَ الَّذِي
سَمِعَ لَنَا هَذَا ۖ وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ
وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ ۝
(الزخرف: ۱۲-۱۴)

اور جس نے سب چیز کے جوڑے بنائے اور
تہا ہے واسطے کشتیاں اور چمائے بنائے
جن پر تم سوار ہوتے ہو تاکہ چڑھ کر بیٹھو
ان کی پیٹھ پر پھر اپنے رب کا احسان
یاد کرو جب اس پر بیٹھ چکو اور کہو پاک
ذات ہے وہ جس نے اس کو ہم کے برابر
کر دیا اور ہم اس کو قابو میں نہ لاسکتے تھے
اور ہم کو اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے۔

حضرت سلیمانؑ پر اپنے احسانات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:-

وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحُ عِندُ ذُنُوبِهِ
شَهْرٌ وَرَاحَتُهَا شَهْرٌ ۖ
(سورة سبا: ۱۲)

اور سلیمان کے لئے ہوا کو سحر کیا ہر صبح کی
منزل اس کی ایک مہینہ کی راہ اور شام کی
منزل ایک مہینہ کی۔

فَتَحْنَزُلْهُ الرِّيحُ بَنَجْرِي بِأَمْرِهِ
رُحَاءَ حَيْثُ أَصَابَ ۝ (سورة ص: ۳۶)

پھر ہم نے ہوا ان کے تابع کی ان کے حکم
سے چلتی نرم نرم جہاں پہنچنا چاہتے۔

لیکن ان نعمتوں اور پہلوئوں سے فائدہ اٹھانے میں ایک خدا شناس اور نا خدا شناس
کی نفسیات میں بڑا فرق ہے، مومن کو اس کی ہدایت ہے اور اس سے اس کی توقع کی گئی
ہے کہ وہ ان نعمتوں سے مستفید ہونے کے وقت اس بات کو ملحوظ و متحضر رکھے کہ یہ محض اللہ کا
انعام اور اس کی بخشش ہے اس نے اس آزاد اور بے ہمار جانور (یا بے حس و حرکت لیے اے
لکڑی کو) اس طرح اس کا تابع فرمان اور آلہ کار بنادیا کہ وہ اس کے حکم و ارادہ سے بے جبری

بِأَمْرِ رَحْمَةٍ حَيْثُ أَصَابَ "رواں دواں ہے اگر اس کی بخشی ہوئی عقل و تدبیر اور قوت
 و طاقت نہ ہوئی تو یہ اس کے بس کی بات نہ تھی" لَيْسَتْوَاعَلَى ظُهُورِهِ شَيْءٌ تَذَكَّرُوا نِعْمَةً
 رَبِّكُمْ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَىٰ سُرُرِكُمْ أَوْ تَقُولُوا لِمَنْ يُعَذِّبُكُمُ اللَّهُ سُبْحَانَ اللَّهِ الْوَعْدُ لَا نُنْفِیْهِ
 اور عین اس حالتِ استفادہ میں یہ پیش نظر ہے کہ وہ قوت و قدرت کے باوجود اشیاء کے
 اصل خالق اور عالم کے فرمانروا کے حضور میں حاضر ہونے پر مجبور ہے اور اس کو ایک ن اس کا
 حساب دینا ہے کہ اس نے ان نعمتوں سے کیا فائدہ اٹھایا ان کو کہاں استعمال کیا اور ان کا
 کیا حق ادا کیا، چنانچہ آیت کے آخر میں فرمایا: "وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ" مومن ان نعمتوں
 کو محض الشکر کا فضل و انعام اور شکر و ناشکری کا امتحان سمجھتا ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام
 کے الفاظ ہیں هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لَتَبْلُوَنِي ۖ أَشْكُرْ أَمْ أَكْفُرُ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّا
 نَكْثُرْ لَهُ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ یہ میرے رب کا احسان ہے تاکہ مجھے آزمائے
 کہ میں شکر کرنا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں جو کوئی شکر کرے گا، تو اپنے واسطے اور اگر کسی نے
 ناشکری کی تو میرا رب تو بے نیاز و کریم ہے) مومن اور غیر مومن کا ایک فرق یہ ہے کہ مومن
 ان آلات اور قوتوں کو ان کے محل پر استعمال کرتا ہے اور ان سے الشکر کے دین اور نفاذ حق
 کی اعانت و نصرت کا کام لیتا ہے، جو ان اشیاء کی پیدائش کا اصل مقصد ہے فرمایا: وَآتَيْنَا
 الْحَدِيدَ فَبِعِزَّتِهِ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَنْصُرُهُ وَرَسُولَهُ بِالْقَبِيضِ
 إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ (اور ہم نے لوہا پیدا کیا جس میں بڑی قوت اور لوگوں کے لئے فوائد ہیں
) اور اس کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اللہ ان لوگوں کو جان لے جو (اس کے ذریعہ) اللہ کی اور اس کے
 پیغمبروں کی بن دیکھے مدد کرتے ہیں اور بے شک اللہ (خود) قوی اور غالب ہے) خدا شاں خدا تر
 انسان خدا کی بخشی ہوئی طاقت اور انعام کو مجرموں کی مدد کا ذریعہ نہیں بنانا، حضرت موسیٰ نے فرمایا:

رَبِّ بِمَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِلْمُجْرِمِينَ^۱ (اے رب جیسا تو نے مجھ پر فضل کیا پھر میں کبھی مجرموں کا مددگار نہ بنوں گا) پس صحیح دین ہی ہے جو خدا کی شناخت اور خدا کا خوف پیدا کرتا ہے جو تمام مخلوقات کے اصل خالق اور عالم کے اصل فرمانروا کی معرفت پیدا کرتا ہے اور بتلاتا ہے کہ انسان محض ان قوتوں اور دولتوں کا امین ہے اس کو اس کے حضور میں پیش ہونا ہے اور ان قوتوں اور دولتوں کے مصرف و استعمال کا جواب دینا ہے دین ہی ہے جو انسان کو طاقت کے نشہ میں متوالا اپنے اختیارات اور تصرف کی قوت دیکھ کر بے خود اور مدہوش ہونے نہیں دیتا، دین ہی ہے جو ان چیزوں کا جائز و صحیح محل استعمال اور مفید مصرف بتلاتا ہے وہی ان چیزوں کو کارآمد بنی نوع کے لئے مفید اور دنیا کے حق میں باعث خیر و برکت بناتا ہے دین ہی ہے جو انسان کی عقل اس کی قوت اور اس کے اخلاق کے درمیان توازن و تناسب قائم رکھتا ہے دین ہی ہے جو انسان کے ذاتی فوائد و مصالح کو اجتماعی فوائد و مصالح کے ساتھ مربوط و متناسب رکھتا ہے، دین ہی ہے جو انسان میں اپنی قوت و اختیارات کے مشاہد و احساس کے وقت ضبط و اعتدال اور فخر و استکبار کے بجائے عجز و نیاز اور بندگی کی شان پیدا کرتا ہے قرآن مجید نے دونوں طرح کے نمونے پیش کئے ہیں حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے عین جاہ و جلال میں فرمایا:-

لَبَّيْكَ قَدْ أَتَيْتَنِي مِنَ الْمَلِكِ وَعَلَيْتَنِي
مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ فَاهْلُ السَّمَا
وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَلِيّ الدُّنْيَا
وَالْآخِرَةِ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحَقْنِي
بِالصَّالِحِينَ ۝

(یوسف - ۱۰۱) میں جاؤں اور ان لوگوں میں داخل ہو جاؤں جو تیرے نیک بندے ہیں۔

حضرت سلیمان نے جب اپنی قوت و حشمت اور رعب و دبیدہ ملاحظہ فرمایا تو بے ساختہ ان کی زبان مبارک پر یہ الفاظ آئے :-

لے میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں تیرے
نَبِّ اَوْزِعْنِي اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ
احسان کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے
الَّتِي اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَتِي
ماں باپ پر کیا اور یہ کہ ایسے نیک کام کروں
فَلَنْ اَعْمَلَ مَالًا يَّتَرَفَعُ وَاَذِلُّنِي
جو تجھے پسند ہوں اور مجھ کو اپنی ہر مالی سے
بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادَةِ الْمُتَّقِينَ
(النمل - ۱۹)

اپنے نیک بندوں میں ملائے۔
اس کے برخلاف جو لوگ دین کی دولت سے محروم اور خدا کو بھولے ہوئے تھے ان کو اپنی طاقت اور دولت پر ناز تھا، اور وہ اپنے سے بلند و بالا کسی ہستی کو نہیں سمجھتے تھے :-

فَاَمَّا عَادُ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْاَرْضِ
اور قوم عاد کا قصہ یہ ہے کہ انھوں نے
يَغْيُرُ الْحَقَّ وَقَالُوا مَن اَشَدُّ
ملک میں ناحق مگر کیا اور کہنے لگے کون ہے
مِنَّا قُوَّةً اَوْ لَمْ يَرْزُقْنَا اِنَّ اللَّهَ
ہم سے زیادہ طاقت میں کیا دیکھتے نہیں کہ
الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ
الشر جس نے ان کو بنایا وہ ان سے زیادہ
قُوَّةً وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ
ہے طاقت میں اور وہ ہماری نشانیوں
(الحج السجدہ - ۱۵)
کے منکر تھے۔

زمانہ ماضی کے ایک بڑے دولتمند کا واقعہ سنایا ہے کہ اُس سے کچھ معقول لوگوں نے کہا کہ اپنی دولت پر زیادہ ناز نہ کرو اپنے مال و دولت سے آخرت کا سامان کرو اور اللہ کے احسان کا بدلہ احسان سے دو اور زمین میں فتنہ و فساد برپا نہ کرو :-

اِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللَّهَ

لَا يُخِيبُ الْفَرِحِينَ ۝ وَابْتَغِ فِيمَا
 آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسِ
 نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ
 كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْخُ
 الْمَسَادِنِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ
 الْمُسْرِفِينَ ۝ (انقص ۷۶، ۷۷)

اترے والے نہیں بھالتے اور جو تجھ کو اللہ
 نے دیا ہے اس سے پھلا گھر کلمے اور اپنا
 حصہ دنیا سے نہ بھول (یعنی حصہ موافق
 کھا، پہن اور برت) اور بھلائی کر جیسے
 اللہ نے بھلائی کی تجھ سے اور ملک میں خرابی
 ڈالنا نہ چاہ اللہ کو فساد کرنے والے پسند نہیں۔

قارون نے اس کا جواب دیا کہ اس مال و دولت کے سلسلے میں کسی کا شرمندہ احسان
 و ممنون منت نہیں محض میری عقل و دانائی اور علم و ہنر مندی کا ثمرہ ہے۔ قَالَ اِنَّمَا اَوْتَيْنَاكَ
 عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي ۚ (کہا یہ تو مجھے اپنے ایک خاص علم کی بنا پر ملا ہے۔)

اپنی طاقت کے زعم و احساس اور اپنے اوپر کسی اور ہستی..... اور بالاتر
 طاقت کے انکار کا نتیجہ وہ نشہ قوت ہے جو انسان کو مجنوں بنا دیتا ہے اور جس کو کوئی
 اخلاقی ہدایت و تعلیم، کوئی جذبہ انسانیت اور کوئی مصلحت قابو میں نہیں رکھ سکتی، افراد اس کے
 آہنی پنجہ میں مجبور و بلا اختیار رہتے ہیں اور کمزور قومیں اس کے پاؤں کے نیچے سبزہ کھج پامال
 ہوتی رہتی ہیں قوم عادیہ اس کے پیغمبر نے کہا: ^{تیمم} وَاِذَا بَطِشْتُمْ بَطِشْتُمْ جَبَّارِیْنَ (اور جب تم کسی پر
 ہاتھ ڈالتے ہو تو اس کو بڑی سختی سے پکڑتے ہو) سرکشی اور تکبر فتنہ و فساد، مردم آزادی اور آدم کشی
 اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيْعًا يَسْتَضِعُّ

طَائِفَةً مِنْهُمْ يَتَّبِعُوْنَ اِبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَفِیْ نِسَاءَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسْرِفِیْنَ (بے شک
 فرعون نے ملک میں سر اٹھایا اور اس کے رہنے والوں کو کئی گروہوں میں بانٹ دیا، ایک گروہ کو
 بالکل کمزور کرنا چلا جا رہا تھا ان کے لڑکوں کو ذبح کر ڈالتا تھا اور عورتوں کو زندہ رکھتا تھا)

بے شک وہ مفسدوں میں تھا۔

صحیح دین کے گہرے اثرات اور اخلاقی تربیت کے بغیر جب قوت، علم اور صنعت ترقی کرتی ہے تو اس کے طبعی نتائج وہی ہوتے ہیں جو اوپر بیان کئے گئے۔

یورپ میں قوت و اخلاق اور علم و دین کا عدم توازن

بدقسمتی سے یورپ میں قوت و اخلاق اور علم و دین کا توازن صدیوں سے بگڑا ہوا ہے۔ نشأتِ جدیدہ کے بعد سے مادی قوت اور ظاہری علم بڑی سرعت سے ترقی کرتے رہے اور دین و اخلاق میں تنزل و انحطاط واقع ہوتا گیا، کچھ مدت کے بعد ان دونوں میں کوئی تناسب باقی نہیں رہا اور ایک ایسی نسل پیدا ہوئی جس کے ترازو کا ایک کپڑا آسمان سے باتیں کرتا ہے اور دوسرا تختِ الشریٰ میں ہے یہ نسل ایک طرف اپنے صنعتی کمالات و عجائبات اور اپنے خوارقِ عادات کے لحاظ سے نیز مادہ اور طبعی قوتوں کی تسخیر میں مافوق البشر معلوم ہوتی ہے اور دوسری طرف اپنے اخلاق و اعمال، اپنے حرص و طمع، سنگدلی اور بے دردی میں اس کی سطح چو پایوں اور درندوں کی سطح سے بلند نہیں اس کے پاس زندگی کے تمام وسائل ہیں لیکن اس کو جینا نہیں آتا، اس کو زندگی کے انتہائی تکنیکی علوم و مسائل معلوم ہیں لیکن وہ انسانی زندگی اور تمدن و اخلاق کے بالکل ابتدائی اصول و مبادی سے ناواقف ہے اس کی علمی و صنعتی بلند پروازیوں اور اخلاقی پستیوں میں قطعاً کوئی تناسب نہیں ہے، طبعی علوم نے جو زبردست طاقت اس کو بخشی ہے اس کے استعمال کا وہ سلیقہ نہیں رکھتی، پروفیسر جوڈن نے خوب کہا ہے کہ علوم طبعی نے ہم کو وہ قوت بخشی جو دیوتاؤں کے شایانِ شان تھی، لیکن ہم اس کی بچوں اور حیوانوں کے دماغ سے استعمال کر رہے ہیں ایک دوسرے موقع پر لکھتا ہے :-

”ہماری حیرت انگیز صنعتی فتوحات اور ہمارے شرمناک خلاقی پچھلے کے درمیان جو تفاوت ہے اس سے ہمارا ہر موڑ پر سابقہ پڑتا ہے ایک طرف ہماری صنعتی ترقیوں کا حال یہ ہے کہ ہم ٹیچے ٹیچے سمندر پار سے اور ایک براعظم سے دوسرے براعظم کے لوگوں سے بے تکلف باتیں کر سکتے ہیں اس قدر کہ اوپر اور زمین کے نیچے دوڑتے پھرتے ہیں، ریڈیو کے ذریعہ سیلون میں گھر بیٹھے لندن کے بڑے گھنٹے (BIG BEN) کی آواز سنا کرتے ہیں، بجے ٹیلی فون کے ذریعہ ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں، برقی تصویریں آنے لگیں بے آواز کے ٹائپ رائٹر چل گئے ہیں، بغیر کسی درد و تکلیف کے دانت بھرے جا سکتے ہیں، کھیتیاں بجلی سے پکائی جاتی ہیں، ربر کی سڑکیں بنتی ہیں، ایک سرے کے ذریعہ ہم اپنے جسم کے اندر دینی حصہ کو جھانک کر دیکھ سکتے ہیں، تصویریں بولتی اور گاتی ہیں، لاسکی کے ذریعہ مجرموں اور قاتلوں کا پتہ چلا یا جاتا ہے، برقی موجوں سے بالوں میں پیچ و خم پیدا کیا جاتا ہے، آبدوز کشتیاں قطب شمالی تک اور ہوائی جہاز قطب جنوبی تک اڑ کر جاتے ہیں، لیکن اس سب کے باوجود ہم سے اتنا نہیں ہو سکتا کہ ہم اپنے بڑے بڑے شہروں میں کوئی ایسا میدان بنا دیں جس میں غریبوں کے بچے آرام و حفاظت کے ساتھ کھیلیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سالانہ دو ہزار بچوں کی جانیں ضائع ہوتی ہیں اور نوے ہزار زخمی ہوتے ہیں۔

ایک مرتبہ میں ایک ہندوستانی فلسفی سے اپنے تمدن کے عجائبات کی تعریف کر رہا تھا، اسی زمانہ میں ایک موٹر چلانے والے نے (PENDIN SANDS) میں تین یا چار سو میل کی مسافت ایک گھنٹہ میں طے کر کے ریکارڈ قائم کیا تھا یا کسی ہوائی

نے اسکو سے نیویارک کی مسافت مجھے یاد نہیں بس گھنٹہ میں یا پچاس گھنٹہ میں
 طے کی تھی، جب میں سب کہہ چکا تو ہندوستانی فلسفی نے کہا ہاں یہ صحیح ہے تم
 ہو امیں چڑیلوں کی طرح اڑتے اور پانی میں پھلیوں کی طرح تیرتے ہو لیکن ابھی تک
 تم کو زمین پر انسانوں کی طرح چلنا نہیں آیا ہے

علم و صنعت اور اخلاق و انسانیت کے درمیان جو عظیم فاصلہ موجود مغربی تہذیب نے
 پیدا کر دیا ہے اور موجودہ تہذیب اپنا مقصد پورا کرنے اور انسانیت کی صحیح خدمت انجام
 دینے میں جس طرح ناکام رہی ہے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے دوسرا مغربی فاضل ڈاکٹر الکس کیرل
 ALEXIS CARREL اپنی کتاب MAN THE UNKNOWN میں لکھتا ہے :-

”موجودہ زندگی انسان کو ترغیب دیتی ہے کہ وہ دولت کو ہر ممکن ذریعہ سے حاصل
 کرے لیکن یہ ذرائع انسان کو دولت کے مقصد تک نہیں پہنچاتے، یہ انسان میں
 ایک اٹمی ہیجان اور جنسی خواہشات کی تسکین کا ایک سطحی جذبہ پیدا کرتے ہیں ان کے
 اثر سے انسان صبر و ضبط سے خالی ہو جاتا ہے اور ہر ایسے کام سے گریز کرنے لگتا
 ہے جو ذرا دشوار اور صبر آزما ہو، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تہذیب جدید ایسے انسان
 پیدا ہی نہیں کر سکتی جن میں فنی تخلیق، ذکاوت اور جرأت ہو، ہر ملک کے حصّہ اقتدار
 طبقہ میں جس کے ہاتھ میں ملک کی باگ ڈور ہے ذہنی اور اخلاقی قابلیت میں نہایا
 انخطاط نظر آتا ہے ہم محسوس کر رہے ہیں کہ تہذیب جدید نے ان بڑی بڑی
 امیدوں کو پورا نہیں کیا جو انسانیت نے اس سے وابستہ کی تھیں اور وہ
 ان لوگوں کو پیدا کرنے میں ناکام رہی جو ذہانت اور جرأت کے مالک ہوں اور

تہذیب کو اس دشوار گزار راستہ پر سلامتی کے ساتھ لے جاسکیں جس پر آج وہ
ٹھوکریں کھا رہی ہے، واقعہ یہ ہے کہ افراد انسانی نے اس تیزی کے ساتھ
ترقی نہیں کی جس تیزی کے ساتھ ان اداروں (INSTITUTIONS) نے
ترقی کی ہے جو انسانی دماغ کا نتیجہ ہیں، یہ دراصل سیاسی رہنماؤں کے ذہنی
اور اخلاقی نقائص کا نتیجہ ہے، اور ان کی اس جہالت کا جس نے موجودہ
اقوام کو خطرہ میں مبتلا کر دیا ہے، طبعی علوم اور صنعتی فنون نے انسان کے لئے
جو ماحول تیار کیا ہے، وہ انسان کے مناسب حال نہیں ہے، اس لئے کہ وہ
برجستہ ہے کسی سابق نقشہ یا غور و فکر پر مبنی نہیں اور اس میں انسان کی شخصیت
کے ساتھ مطابقت کا لحاظ نہیں رکھا گیا یہ ماحول جو محض ہماری ذہانت اور
ایجادات کی تخلیق ہے ہمارے قد و قامت اور ہماری صورت کے مطابق نہیں
ہم سرور نہیں ہیں ہم ایک روز افزوں اخلاقی اور عقلی انحطاط میں مبتلا ہیں جن قوموں
میں صنعتی تمدن پھلا پھولا اور اپنے عروج کو پہنچا ہے وہ پہلے سے بہت کمزور ہیں
اور وہ بڑی تیز رفتار کے ساتھ وحشت و بربریت کی طرف بڑھ رہی ہیں لیکن ان کو
اس کا احساس نہیں ان کو اس وقت اس باطنی دشمن انسانیت ماحول سے کوئی قوت
بچا نہیں سکتی جو طبعی علوم نے ان کے گرد حصار کی طرح کھینچ لیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہماری تہذیب نے پچھلی تہذیبوں کی طرح زندگی کے لئے ایسی
شرطیں عائد کر دی ہیں جو (بعض نامعلوم اسباب کی بنا پر) زندگی کو ناممکن العمل
بنادیں گی، ہم مادیت کا جتنا علم رکھتے ہیں اس کے مقابل میں زندگی کا علم اور یہ کہ
انسان کو کس طرح زندگی گزارنی چاہئے بہت کم رکھتے ہیں اور ہمارا علم اس بارہ میں

ابھی تک بہت پیچھے ہے اور اس کم علمی کا نقصان ہم بھگت رہے ہیں۔

ایجادات و اکتشافات میں جس تیزی کے ساتھ اضافہ ہو رہا ہے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جا رہا ہے، طبیعی علوم، فلکیات اور علم الکیمیا کے اکتشافات کو زیادہ اہمیت دینے سے کچھ فائدہ نہیں، راحت، تفتیش، جمال، حسامت اور تکلفات زندگی میں اضافہ و ترقی سے کیا فائدہ، جب ہمارا ضعف اس سے فائدہ نہ اٹھانے دے اور ہم اس کو صحیح راستہ پر نہ لگا سکیں ایسے نظام زندگی کو مستحکم سے مستحکم تر بنانے سے کیا فائدہ جس سے اخلاقی پہلو بالکل خارج کر دیا جائے اور عظیم قوموں کی بہترین ہمت شکنہ کال دی جائیں، ہمارے لئے مناسب بات یہ تھی کہ تیز رفتار جہازوں، زیادہ آرام دہ موٹروں، زیادہ ارزاں ریڈیو، اور زیادہ عمدہ رسد گاہوں کے بجائے اپنے آپ کی طرف زیادہ توجہ کریں، میکانیکی، طبیعی اور کیمیائی علوم کے بس میں نہیں ہے کہ وہ ہم کو ذہانت بخش دیں اور اخلاقی نظام، اعصابی توازن اور امن و سکون عطا کریں۔“

آلات و وسائل کا غلط استعمال

حقیقت یہ ہے کہ مصنوعات، ایجادات اپنی جگہ پر بالکل معصوم اور غیر جانبدار ہیں وہ انسان کے ارادہ اور اس کے عقل و اخلاق کے تابع ہیں، وہ اپنی ذات سے نہ خیر ہیں نہ شر، انسان ہی ان کو خیر اور شر بناتا ہے، بلکہ بعض بد اثر و خیر ہوتی ہیں، لیکن انسان غلط استعمال اور اپنی طبیعت و تربیت کی خرابی سے ان کو شر بنالیتا ہے، اس لئے سب سے زیادہ اس کے دیکھنے کی ضرورت ہے کہ ان آلات اور مصنوعات کے استعمال کرنے والے کس قسم کے اخلاق و سیرت اور کس قسم کے مقاصد رکھتے ہیں۔ مغربی نویس مدت دراز سے یہ عقیدہ رکھتی ہیں کہ لذت و راحت، مادی انتفاع، سرگرمی

اور غلبہ کے علاوہ دنیا میں کوئی اور قابل حصول مقصد نہیں ہے، طبعی طور پر انھوں نے اپنی ساری قوت علم اور ذہانت کو ان مقاصد کے حصول میں صرف کیا اور ایسے آلات و وسائل ایجاد کئے جن سے یہ مقاصد زیادہ آسانی اور سرعت کے ساتھ حاصل ہو سکیں، رفتہ رفتہ وسائل خود مقاصد بن گئے، اور اختراع و ایجاد اپنی جگہ پر خود ایک بڑا مقصد قرار پا گیا، اور جس طرح بچوں کو کھلونوں سے دلچسپی ہوتی ہے، اس طرح ان کو ایجادات و اختراعات سے دلچسپی پیدا ہو گئی ہے، یورپ میں معیار بدلتے رہے ہیں، کچھ مدت پہلے یہ خیال غالب تھا کہ تمدن نام ہے راحت کا اور راحت زندگی کا سب سے بڑا آئیڈیل تھا، پھر مختلف محرکات و اسباب کی بنا پر اور کچھ حصول راحت کے لئے سرعت و تیز رفتاری کی کوشش کی گئی اور زندگی کے ہر شعبہ میں سرعت پیدا کرنے کا مقابلہ شروع ہوا، لوگ اس میں ایسے محو ہوئے کہ رفتہ رفتہ یہ سمجھنے لگے کہ تمدن نام ہی ہے سرعت کا، اب سرعت زندگی کا آئیڈیل بن گیا، پروفیسر جوڈ لکھتا ہے :-

”ڈریلی (DESRAILLI) کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کی سوسائٹی کا اعتقاد تھا کہ تمدن نام ہے راحت کا، لیکن جہاں تک ہمارے زمانہ کی سوسائٹی کا تعلق ہے واقعہ یہ ہے کہ ہمارا اعتقاد ہے کہ تمدن نام ہے سرعت کا، سرعت زمانہ موجودہ کے نوجوان کا دیوتا ہے، اس کے آستانہ پر وہ سکون، راحت، امن اور دوسروں کے ساتھ مہربانی کو بڑی بے دردی کے ساتھ بھینٹ چڑھا دیتا ہے۔“

اب ہمیں دیکھنا چاہئے کہ وہ کیا مقاصد ہیں جن کے لئے یہ آلات و وسائل استعمال ہو رہے ہیں ان سے کہاں تک فائدہ اٹھایا جا رہا ہے اور اس کو اپنے نوع انسانی کے لئے کس حد تک مفید و کارآمد بنایا جا رہا ہے اور انسان کی حالت ان قوتوں اور وسائل کی موجودگی میں چند صدی

پہلے کے لوگوں سے کہاں تک بہتر ہے اس کا جواب ایک مغربی عالم اور مصنف نقاد کی زبان سے مناسب ہوگا، پروفیسر جوڈ لکھتا ہے :-

” بلاشبہ ہم بڑی سرعت و تیز رفتاری سے ایک مقام سے دوسرے مقام تک سفر کر سکتے ہیں لیکن یہ بھی دیکھنے کی بات ہے کہ جن مقامات کا ہم سفر کرتے ہیں وہ بہت کم اس قابل ہیں کہ ان کی طرف سفر کیا جائے اس میں کوئی شک نہیں کر سکتے ہوں گے کہ زمین بٹ گئی ہے اور اس کی ٹنابیں کھینچ گئی ہیں، قومیں ایک دوسرے کے قریب ہو گئی ہیں اور ان کے پاؤں ایک دوسرے کی دہلیز پر ہیں لیکن اس کا نتیجہ یہ ہے کہ قوموں کے آپس کے تعلقات پہلے سے زیادہ ناخوشگوار و ناخفقتہ ہیں وہ وسائل جن سے ہم اپنے ہمسایہ قوموں سے براہ راست واقف ہو جاتے ہیں انھوں نے انٹارینا کو جنگ کی آگ میں جھونک دیا، ہم نے آواز پہنچانے کا آلہ ایجاد کیا اور اس کے ذریعہ اپنی ہمسایہ قوموں سے باتیں کیں لیکن اس کا انجام یہ ہے کہ آج ہر قوم ہوا کی پوری طاقت کے ساتھ اپنی ہمسایہ قوم کو چھیڑنے اور دق کرنے کا کام لے رہی ہے وہ اس کوشش میں رہتی ہے کہ وہ دوسری قوم کو اپنے سیاسی نظام کی برتری کا قائل و معتقد بنا دے۔“

ہوائی جہاز کو دیکھو جو فضا میں آسانی میں منڈلا رہا ہے، ہمیں خیال ہوگا کہ اس کے موجد اپنے علم و مہارت و صنعت کے لحاظ سے فوق البشر ہستی تھیں اور جنھوں نے اس پر پہلے پہلے پرواز کی تھی اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی بلند ہمتی، عزم اور برأت بڑی قابلِ داد اور لائقِ تحسین ہے لیکن اب ذرا ان مقاصد کا جائزہ لو جن کے ماتحت یہ ہوائی جہاز استعمال ہوئے اور مستقبل میں بھی استعمال ہوں گے،

وہ مقاصد کیا ہیں؟ فضاۓ آسمانی سے مباری انسانوں کے جسموں کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا، زندوں کا گلا گھونٹنا، انسانی جسموں کو جلا دینا، زہریلی گیسوں کا بھینکنا اور ان کمزوروں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا جن کے پاس اس مہیبت سے حفاظت کا کوئی سامان نہیں، یہ مقاصد یا تو احمقوں کے ہو سکتے ہیں یا شیاطین کے۔

دیکھنا ہے کہ ٹیڑخ اس کے متعلق کیا رائے قائم کرتا ہے کہ ہم دھاتوں اور سونے کو کس طرح استعمال کرتے تھے، وہ لکھے گا کہ ہم نے ایسی ترقی کر لی تھی کہ لاسکی کے ذریعہ سونے کی اطلاعات دے سکیں، وہ ویسی تصویریں پیش کرے گا جو دکھائی دیں گی کہ بینک کے لوگ کس صفائی اور شافی کے ساتھ سونے کا وزن اور شمار کرتے تھے، وہ اس خارق عادت طریقہ کا ذکر کرے گا جس سے ہم روزانہ سونے کو ایک دارالسلطنت سے دوسرے دارالسلطنت کی طرف منتقل کرتے رہتے تھے، لوہے پر اجمام کے قانون کو توڑتے تھے، وہ قلم بند کرے گا کہ نیم حوشی صنعتوں میں بڑے ماہر اور جری تھے لیکن اس میں الاقوامی تعاون میں ناکام تھے، جو سونے پر کنٹرول رکھے اور اس کو صحیح طور پر تقسیم کرے، ان کو صرف اتنی فکر تھی کہ وہ قیمتی دھاتوں کو امکانی سرعت کے ساتھ دفن کر دیں وہ سونے اور دھاتوں کو افریقہ میں زمین کے شکم سے بڑی ہمارت کے ساتھ نکالتے تھے، اور لندن، نیویارک اور پیرس کے محافظ خانوں میں دفن کرتے تھے۔

ایجادات و اکتشافات کی ہلاکت آفرینی

مختلف اسباب و حالات کی بنا پر جن کی کسی قدر توضیح گزشتہ صفحات میں ہو چکی ہے، مغربی قوموں میں خیر کی طرف میلان اور بھلائی کا رجحان بہت کم ہو گیا ہے اور اخلاق و تمدن

کے صحیح اصول و مبادی کا سرشتہ ان کے ہاتھ سے مدت ہوئی چھوٹ گیا، بغیر زمرہ دار ادب نے دلوں میں کجی اور لمحہ نہ فلسفہ نے طبیعتوں میں انحراف پیدا کر دیا اور ذوق فاسد ہو گئے اس بنا پر جس طرح سے سستی اور وبائی امراض میں صراح سے صراح غذا امراض کے معذب میں پہنچ کر مسموم اور فاسد ہو جاتی ہے اسی طرح علوم اور صنعتیں ایجادات و اکتشافات اور طبی ترقیاں یورپ میں خود اہل یورپ کے لئے اور عام انسانیت و تہذیب کے لئے وبال جان بن گئی ہیں، مسٹر ایڈن نے اپنی ایک تقریر میں کہا تھا:-

”جب تک کچھ کیا جائے اور خبر لی جائے اس دنیا کے باشندے اس صدی کے پچھلے حصے میں غاروں میں زندگی گزارنے والے دنیا کے قدیم وحشیوں کا طرز زندگی اختیار کر لیں گے اور اسی وحشت و بربریت کا دور شروع ہو جائے گا جو ہزاروں سال پہلے دنیا میں قائم تھا کیسی عجیب بات ہے کہ تمام ممالک ایک ایسے ہتھیار سے بچنے کے لئے کروڑوں روپیہ صرف کر رہے ہیں جس سے ہر قوم کے سب خائف مگر اس کو قابو میں رکھنے پر راضی نہیں ہوتے ہیں، میں بعض اوقات تعجب سے سوچتا ہوں کہ اگر کسی دوسرے بارہ سے کوئی تیار اور زائر اس زمین پر آئے تو وہ ہماری اس دنیا کو دیکھ کر کیا کہے گا وہ دیکھے گا کہ ہم سب اپنی ہی بربادی اور ہلاکت کے وسائل تیار کر رہے ہیں اور طرفہ متاثر یہ ہے کہ ایک دوسرے کو اس کے طریقہ کی اطلاع بھی دے رہے ہیں۔

جس وقت مسٹر ایڈن نے یہ الفاظ کہے تھے اس وقت ان کے تصور میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ اس جنگ کے دوران ہی میں خدا ناکشا ناسانی حکمت و صنعت کی ہلاکت خیزی اور آدم کشی اس درجہ کو پہنچ جائے گی کہ خود سائنس دان بھی اس کا تصور نہیں کر سکتے تھے۔

کئی سال کی منظم جدوجہد اور کروڑوں روپیہ کے صرف بلا آخر امریکہ ذرا آتی بم (ATOMIC BOMB) کے ایجاد میں کامیاب ہو گیا جس پر اس جنگ کی شکست و فتح کا

انحصار تھا اور ۱۶ جولائی ۱۹۴۵ء کو ۵ بجے اس قوت و وسعت کا پہلا امتحان کیا گیا:

بے جان آہنی برج اور بے حس فضا کے آسمانی کے بعد اس کا دوسرا تجربہ فی روح دشمن پر کیا گیا جس کو ہیبت زدہ کر کے شکست دینے کے لئے مغرب کی حکمت و صنعت نے اپنی بہترین قابلیت صرف کی تھی، ۶ اگست ۱۹۴۵ء کو جاپان کا بد قسمت شہر ہیریشیا اس کا پہلا نشانہ بنا، اس گرتے ہی عظیم الشان شہر زدہ خاک بن گیا نہ کوئی جاندار باقی رہا نہ بے جان آن کی آن میں انسان جو ان عمارتیں سب معدوم تھیں، دھماکے کی شدت ہو کا دباؤ اور دھواں قیامت خیز تھا، گرد و غبار کا مچھلتا ابلتا اور کھوتا ہوا میلوں اونچا ایک پہاڑ تھا، اور اس پہاڑ کے نیچے جہنم کی سی آگ تھی جس نے ہر چیز کو خاکستر کر دیا، اس طیارہ کو جس نے بم گرایا تھا، اسے گراتے ہی جلد سے جلد اپنی سلامتی کے لئے وہاں سے بھاگنا پڑا اور نہ تباہ ہو جاتا، دھماکا اتنا ہیبت تھا کہ بم گرانے والوں کا پتہ پانی تھا، حیرت ہیبت اور خوف کے عالم میں ہر ایک کی زبان سے "یا خدا" کی آوازیں نکل رہی تھیں، لیکن جب یہ بات واپس آئے تو اتحادی حلقوں میں نعرہ ہائے مسرت بلند ہو رہے تھے، اور ہر شخص شاد و مسرور تھا۔

اسٹورٹ گلڈر (STUART GILDER) اپنے ایک مضمون میں ایٹم بم کی خطرناک اور ہلاکت آفرینی کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

"اگرچہ پوری جزوی تفصیلات کا علم نہ تھا لیکن بہر حال ایٹم بم بنانے والے سائنسدان اتنا ضرور جانتے تھے کہ وہ جس آلہ حرب کو استعمال کرنے جا رہے ہیں اس کے ثانوی نتائج یہ ہوں گے کہ انسانیت فنا ہونے سے اپنے کو محفوظ نہ رکھ سکے گی، اس کے ثانوی نتائج کی اگر تفصیل معلوم کرنی ہے تو شہر ہیریشیا کی وہ رپورٹیں جو اخبارات کے مانگنا روکو

لے ہیریشیا کی میونسپلٹی کے صدر نے ۲ اگست ۱۹۴۵ء کو اعلان کیا کہ ۶ اگست ۱۹۴۵ء کو ہلاک ہونے

والوں کی تعداد ۲ لاکھ دس ہزار اور ۲ لاکھ ۴۰ ہزار کے درمیان تھی۔ (پی ٹی)

ٹی نہیں ملاحظہ ہوں، وہ نامہ نگار اس ذراتی بم کے پلگ (ATOMIC PLAGUE) کے بارہ میں لکھتے ہیں:-

بہت سے لوگ جو بظاہر تو بم کے پھٹنے سے متاثر ہوئے تھے اور نہ اس کی آگ و حرارت مر گئے اور برابر رہے ہیں اور ان کی اس موت کا سبب یہ ہے کہ ان کا خون تحلیل ہو جاتا ہے، اول اول خون کے سفید ذرات تباہ ہوتے ہیں پھر سرخ ذرات کی باری آتی ہے ان کے بال گر جاتے ہیں اور وہ جھٹنے دن بھی زندہ رہتے ہیں ان کے اعضا سولہنے ہی رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ مر جاتے ہیں اس کی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ فضا میں کچھ ریڈیائی مواد ایٹم بم کے پھٹنے کے ذریعہ رہ جاتے ہیں اور انسانی کھال میں جذب ہو کر یا بذریعہ تنفس پھیپھڑوں تک پہنچ جاتے ہیں۔“

اس کتاب کو نقل کرنے کے بعد یہی مضمون نگار اسٹورٹ گلڈر (STUART GILDER) لکھتا ہے:-

”یہ خبر ساری دنیا کو لرزادینے اور ڈرا دینے والی ہے دنیا اب تک نہ تو اس خوفناک بم سے واقف تھی اور نہ ریڈیائی تاثیر رکھنے والی دھاتوں سے لیکن سائنسدان تو قریباً سال قبل سے جانتے تھے کہ یہ ایک ایسا ہتھیار ہوگا جس کا ٹوڑا اور تریاق کہیں نہیں اور یہ ساری نوع انسان کے لئے ٹھہلک ثابت ہو سکتا ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ جاپانیوں نے ان اثرات سے بچنے کے لئے خانہ ساز نقاب میں استعمال کیں غالباً یہ وہ نقاب ہیں جن کو اہل جاپان شدید مرضی سے بچنے کے لئے استعمال کرتے تھے لیکن یہ اتنی ہی بے اثر نکلیں جتنے حبش کے فوجیوں کے وہ کپڑے جو انھوں نے اس وقت اپنی ناک کے گرد پلیٹ لئے تھے جب کہ موسیقی کے بمبار جہازوں نے ان پر زہریلی گیسیں برساتی تھیں۔

ذراتی بم پھینکنے میں ہوا باز شریک تھے ان کا بیان ہے کہ اس بم کے گرنے کے بعد
غبار اور دھواں نو میل تک ہوا میں پھیل گیا پروفیسر (PLESCH) کی رائے ہے کہ
جس جگہ بم پھٹے اس کے قرب جوار میں سو میل کے علاقہ کے رہنے والوں کی سائنٹیفک
طریقہ پر جانچ پڑتال کرنی چاہئے اور ان کی جسمانی حالت کو بغور دیکھنا چاہئے کہ
کہیں ان پر اس کا اثر تو نہیں ہو گیا۔

یہ امر ذرا بھی متبعہ نہیں کہ دنیا ایک دن صبح اٹھ کر اجڑاؤں میں خیر خرابی
کہ وہ لوگ جو جاپان سے ہزار ہا میل فاصلہ پر رہتے ہیں ان میں وہی علامات پھیل
گئی ہیں جو ذراتی بم کے پلگ میں ہوتی ہیں اگر ایک چھوٹا سا ذراتی بم وین تک کی
ہوا کو گرد و غبار سے سمو کر سکتا ہے تو یہ سمجھنا بالکل مطابق عقل ہے کہ اس سے
بڑا بم اس سے کہیں زیادہ وسیع رقبہ کو متاثر کر دے گا۔



بائشتم

مغربی عہدِ اقتدار میں دنیا کے معنوی خسار

یہاں مشرقی ایشیائی اقوام کے مادی خساروں سے بحث نہیں، مغرب کے دورِ فتوحات میں مشرقی اقوام کو اپنے کن طویل و عریض ممالک سے دستبردار ہونا اور مغربی طاقت یا داناؤں کے مقابلہ میں سپاہی ہونا پڑا یہ بحث اس وقت ہمارے موضوع سے خارج ہے اور اس کی تفصیل ان مختصر اوراق میں سمیٹی نہیں جاسکتی ہیں اس وقت نہایت اختصار کے ساتھ بلکہ اشارات میں یہ دکھانا ہے کہ مغرب کے اقتدار کے اس سیلاب میں جو تمام روعی زمین پر پھیل گیا ہے اور اس کے اثرات سے پہاڑوں کی چوٹیاں اور وادیوں کی گہرائیاں آزاد قوموں کے ضمیر بلکہ ہوا اور پانی بھی محفوظ نہیں دنیا کو کیا معنوی روحانی اور اخلاقی خسارے برداشت کرنے پڑے؟ اس عالمگیر انقلاب میں سب سے بڑا خسارہ مسلمان ہی کو برداشت کرنا پڑا ہے کہ جاہلیت کا تضاد و اختلاف اسی کے نظامِ زندگی سے ہے اس لئے قدرتی طور پر جاہلیت کے غلبہ و اقتدار میں اسی کو سب سے زیادہ نقصان برداشت کرنا چاہئے۔

حادثہ مذہبی کا فقدان

اس دنیا کا انجام کیا ہے کیا اس زندگی کے بعد کوئی اور زندگی بھی ہے اس کی

کیا نوعیت ہے اور اس کے لئے اس زندگی میں کیا ہدایات ہیں اور وہ کہاں سے معلوم ہو سکتی ہیں؟ اس کے بعد کی زندگی کو پُر راحت بنانے کے لئے کیا اصول و تعلیمات ہیں اور ان کا ماخذ کیا ہے؟ روح انسانی کو ابدی راحت اور قلب کو دائمی سکون پہنچانے کا راستہ کیا ہے اور وہ کہاں سے دریافت ہو سکتا ہے؟

یہ وہ سوالات ہیں جنہوں نے مشرقی انسان کو سیکڑوں ہزاروں برس بے چین اور صورت سوال بنائے رکھا اور جو اس کے انتہائی مادی استغراق اور خود فراموشی میں بھی اس کے قلب کی گہرائیوں سے بار بار اٹھتے رہے اور جو اب مانگتے رہے، مشرق نے اپنے کسی دور میں بھی ان فطری سوالات کو ٹالا نہیں اور اپنے دل کی یہ آواز سنی اُن سنی نہیں کی بلکہ اپنی زندگی کی تمام مشغولیتوں اور دماغ کی ساری کاوشوں میں ان کو پہلی جگہ دی وہ اپنی تہذیب اور علوم کی ہزاروں سال کی تاریخ میں برابر ان سوالات کے حل کرنے اور ان کا تشفی بخش جواب تلاش کرنے کے ادھیڑ میں رہا بعد الطبیعی فلسفہ، علم کلام، تصوف، اشراق و روحانیت، مجاہدہ و ریاضت، علم و حکمت اور دوسرے مشرقی علوم و تجربات اس کے حل ہی کی مختلف کوششیں تھیں اس نے اس کے لئے غلط راستے بھی اختیار کئے اور غلط وسائل بھی استعمال کئے اور اس کو اس میں کامیابی سے زیادہ ناکامیابی ہوئی لیکن اس کے اس افتور کوئی اثر نہیں پڑتا کہ اہل مشرق کی زندگی میں یہ سوالات ہمیشہ موجود رہے اور ان کو اولین اہمیت حاصل رہی۔ اس موقع کے لئے اگر ہم فلسفہ ہی کی زبان استعمال کریں تو ہم کہیں گے کہ اہل مشرق میں جو اس ظاہری کے علاوہ ایک اور حاسہ بھی رہا ہے جس کو ہم حاسہ مذہبی کہہ سکتے ہیں، جس طرح دوسرے جو اس اپنا عمل کرتے ہیں اور ان کے ذریعہ سے ان کے محسوسات حاصل ہوئے ہیں اس طرح اس حاسہ کے بھی کچھ محسوسات ہیں جو مشرقی زندگی کا لازمہ رہے ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے ابتدائی عہد میں یہ سوالات بدستور موجود تھے اور اہل علم و اہل فکران پر عرصہ تک طبع آزمائی کرتے رہے لیکن مغربی تمدن اور فلسفہء زندگی کے باطنی خواص زمانہ کے ساتھ ساتھ جس قدر ابھرتے گئے، اور زندگی میں مغرب کا جس قدر تغل اور انہماک بڑھا اسی قدر ان سوالات کی اہمیت کم ہوتی گئی اور وہ علمی زندگی میں پیچھے پڑتے رہے، فلسفہء مابعد الطبیعات کے علمی تعلیمی حلقوں میں اب بھی ان پر اظہار خیال ہوتا ہوگا، لیکن زندگی سے یہ سوالات کسیر خارج ہو چکے ہیں اور ان کے سامنے سے علامت استغناء مٹ چکی ہے ان کے بارہ میں وہ خلش، کھٹک اور وہ ذوق جستجو جس میں ہزاروں سال اہل مشرق کو مشغول رکھا جاتا رہا، اور یہ کسی ایمان شریح صدر اور اطمینان قلب کی بنا پر نہیں بلکہ اس لئے کہ وہ اہل مغرب کی زندگی میں عرصہ دراز سے اپنی اہمیت کھو چکے ہیں اور دوسرے مشاغل مسائل کے لئے جگہ چھوڑ چکے ہیں اس زمانہ کے مشغول انسان نے ان مسائل میں کامل بے تعلقی اور بے نیازی اختیار کر لی ہے اس کو ان مسائل پر غور کرنے کی بالکل مہلت نہیں اس کی طرف سے ان سوالات کے جواب کا کوئی پہلو اختیار کیا جائے اس کو اس سے کوئی بچسپی نہیں اس کے لئے صرف یہ زندگی اہم ہے اور اسی کے متعلق ہدایا و تفصیلات اس کو مطلوب ہیں۔

قدیم مشرقی اور جدید مغربی میں یہ ایک عظیم الشان نفسیاتی فرق ہے کہ مشرقی مذہبی حاستہ رکھتا تھا اور مغربی اپنی تہذیب کے ارتقا کے ساتھ ساتھ مذہبی کھو چکا ہے اور جب کسی شخص کا کوئی حاستہ باطل ہو جائے تو اس کے سامنے محسوسات جو صرف اس حاستہ سے تعلق رکھتے ہیں اس کے لئے معدوم ہو جاتے ہیں جو شخص قوتِ سامعہ سے محروم ہے اس کے لئے عالم اصوات معدوم ہے اور یہ پوری بلوتی ہوئی دنیا ایک شہرِ خاموشاں ہے جو شخص قوتِ باصرہ سے محروم ہے اس کے لئے عالم الوان معدوم اور رنگوں کا فرق بے معنی ہے اسی طرح جو شخص حاستہ مذہبی سے محروم ہے اس کے لئے وہ محسوسات وجدانات اور ذاتِ معدوم ہیں جو صرف حاستہ مذہبی کا نتیجہ ہوتے ہیں اس کے لئے آخرت، عذاب، ثواب، جنت، دوزخ

خدا کی رضامندی و نارضامندی، تقویٰ و طہارت، نجات و ہلاکت ابدی وغیرہ وغیرہ سب بے معنی الفاظ ہیں اس کے لئے کسی ایسی دعوت میں قطعاً کوئی کشش اور کچھ نہیں جس کا تعلق اس کے محسوسات اور نقد لذتوں اور منفعتوں کے سوا کسی اور چیز سے ہو۔

دین کی دعوت دینے والوں کو ہر دور میں اور انبیاء علیہم السلام کو اپنے زمانہ دعوت میں جن لوگوں میں سب سے زیادہ دقت پیش آئی ہے اور جن لوگوں پر ان کی انقلاب فرس دعوت ان کے خارہ نکات اور آہن گداز مواظبان کا سوز و درد مندی بالکل بے اثر ثابت ہوئی ہے یہ وہی لوگ ہیں جو حاتم مذہبی سے محروم ہو چکے تھے اور جن کی دل کی انگلیٹھیاں اس طرح سرد ہو چکی تھیں کہ ان میں کسی طرح گرمی نہیں پیدا کی جاسکتی تھی جو مذہب اور اس کے تعلقات کے متعلق طے کر چکے تھے کہ ان کے بارہ میں نہ کچھ سننا ہے نہ غور کرنا ہے جنہوں نے اپنے زمانہ کے داعیوں کی پتھر کو موم کر دینے والی تقریریں کر بڑی سرد مہری سے کہا کہ اِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ (ہم تو محض دنیاوی زندگی کے قائل ہیں جینے اور مرنے کے سوا اور ہے کیا مرنے کے بعد کون زندہ ہو گا؟) یا جن کی نظر مادی سطح سے حقیقت تک نفوذ کرنے کے قابل نہیں ہوتی اور جنہوں نے پیغمبر کی عام فہم تقریر سننے کے بعد جو انھیں کی زبان میں کی گئی تھی، بڑی سادگی سے کہا: مَا نَنْفَعُكَ كَثِيرًا مِّمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرَاهُ جَنَّاتٍ مَّعِينًا (تمہاری بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم تو دیکھتے ہیں کہ تم کو ہم میں کوئی قوت حاصل نہیں۔)

مغربی تہذیب کے اس عروج کے زمانہ میں ہر قوم میں بڑی تعداد میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا ہے جس کی دنیاوی مشغولیت و انہماک یا دنیا کی محبت و حرص نے ان کی زندگی میں مذہب کے لئے کوئی خانہ خالی نہیں چھوڑا، بڑی تلاش و جستجو کے بعد بھی مذہب کی دعوت دینے والے کو ان کے دل و دماغ میں کوئی ایسا چھوٹے سے چھوٹا منافذ نہیں ملتا جس سے دینی اور اخلاقی دعوت ان میں

نغز ذکر کے جس طرح کسی شخص کو موسیقی کے لئے کان اور شاعری کے لئے ذوق لطیف نہ ملا ہو اس کے لئے موسیقی کے سارے کمالات اور دنیا کی پوری وجد آفریں شاعری بے اثر و بے سود ہے اسی طرح جو زہری حاشہ سے محروم ہو چکا ہو اس کے لئے پیغمبروں کی پوری دعوت نامہوں کی وعظ و تلقین، علم و حکمت قصص و امثال سب ضائع ہیں یہ دلوں کی زمین کا سب سے بخر حصہ ہے جس کو کوئی بارش سیرا نہیں کر سکتی۔ ع

یہاں لکے رو دیتا ہے ابرنیاں

جن لوگوں کو اس طبقہ سے خطاب کرنے اور اس کو دین و اخلاق کی دعوت دینے کا کبھی موقع ملا ہے ان کو قرآن مجید کی بہت سی آیات کے معنی سمجھ میں آ گئے ہوں گے اور وہ تمام کلامی انکالات جو عملی زندگی اور میدان دعوت علیہ السلام کے لئے ختم اللہ علی قلوبہم و علی سمعہم و علی ابصارہم غشاوة د اور اس کے ہم معنی آیات کے متعلق پیش آتے ہیں خود بخود حل ہو گئے ہوں گے اور حقیقت قرآنی مجسم نظر آئی ہوگی وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَتَّعِثُ بِنَاسٍ لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً أَوْ نِدَاءً مُّصَوِّمٌ لَّهُمْ فُتُورٌ لَّيْسَ لَهُمْ قَوْلٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ يُنصَرُ (البقرة - ۱۷۱)

اس زمانہ کا اصلی مرض دراصل دین کے بارہ میں بے حسی و بے طلبی اور مذہبی سوالات کے بارہ میں کامل بے تعلقی اور بے نیازی ہے جس کا علاج سب سے زیادہ مشکل ہے اور جس کی موجودگی میں کوئی مذہبی دعوت و تلقین کارگر نہیں ہو سکتی، مذہب اخلاق کی دعوت کو فسق و فجور اور معصیت و غفلت کے تاریک دور اور انکار و مخالفت کے پر شور سے پر شور عہد میں وہ مشکلات پیش نہیں آئے جو مذہب کے بے تعلقی و بے نیازی کے اس خاموش و پرسکون دور میں پیش آ رہے ہیں جہاں سرے سے پیاس اور پانی کی طلب ہی نہ ہو وہاں پانی کا اہتمام اور خضر کی رہنمائی سب بے ضرورت ہے۔ اِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتٰی وَلَا تَسْمِعُ السَّمْعَ الدُّعَاءَ اِذَا وَلَوْ اٰمَدُ بِرَبِّیْ

ایک مغربی یونیورسٹی کے معلم فلسفہ و علم النفس نے اس حقیقت کا خوب ادراک کیا ہے اور اس فرق کی صحیح تحلیل کی ہے جو قدیم و جدید نفسیات میں پایا جاتا ہے اس نے اس ایک جلد میں ایک کتاب کا مضمون سمیٹ لیا ہے :-

”ذہبی سوالات پہلے پیدا ہوتے تھے، ممکن ہے ان کا تشکیکی بخش جواب نہ ملتا ہو لیکن اس زمانہ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ سوالات سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتے“

ذوقِ خدا طلبی کا عالم گیر فقدان

اسلامی تمدن و حکومت کے عالم گیر اثرات کے تذکرہ میں گزر چکا ہے کہ اس کے اثر سے پوری دنیا میں (جو اسلام اور مسلمانوں کے زیر اثر تھی) خدا طلبی کا عام ذوق پایا جاتا تھا، ہزاروں لاکھوں اشخاص دین کی طلب اور مردانِ خدا کی تلاش میں دنیا کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ میں پہنچتے تھے، دنیا داری اور مادیت کے پھیل جانے کے بعد دینی رجحان اور خدا طلبی کا مرکز ان حضرات کی ذات اور ان کے مقامات تھے، جنہوں نے غفلت اور مادیت کے سمندر میں انسانی زندگی کے چھوٹے چھوٹے جزیرے قائم کر رکھے تھے، جہاں وہ لوگوں کو مادیت کے اس بھنور سے نکال کر ان کی دینی تربیت کرتے تھے، اور ان میں طوفان کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت و قوت پیدا کرتے تھے، بعد کی صدیوں میں ان کو صوفیہ و شائخ کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

ان حضرات کی طرف رجوع ان آخری صدیوں میں دینی رجحان اور عام مسلمانوں کے ذوقِ خدا طلبی کا ایک حد تک پیمانہ ہے جس سے ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ لوگوں میں اس زمانہ میں مادیت و دنیا داری سے کس حد تک گریز اور دین کی کہاں تک طلب پائی جاتی تھی۔

عالمِ اسلامی کے مرکزی شہروں میں تقریباً ہر جگہ ایسے شخص موجود تھے جن کی ذاتِ غیر غفلت

میں روشنی کا مینار تھی، لوگ پروانوں کی طرح اس روشنی پر گرتے تھے، دنیا کے دور دراز گوشوں سے طالبینِ خدا وہاں جمع رہتے تھے، وہ مسلمانوں کی ایک بڑی بین الاقوامی آبادی ہوتی تھی، جہاں ایک وقت میں مشرق و مغرب، شمال و جنوب کے مسلمان پائے جاتے تھے اور اسلام کی وسیع دنیا وہاں سمٹی ہوئی نظر آتی تھی۔

ہمارا ملک ہندوستان جو اسلامی دنیا کے ایک سرے پر واقع ہے، دینی ذوق و شوق اور خدا طلبی کا ایک بڑا مرکز ہے، یہاں ہر دور میں مسلمان سلاطین کی سلطنت کے پہلو بہ پہلو دینی و روحانی حکومت کے آزاد مرکز قائم رہے، جہاں سیکڑوں ہزاروں اشخاص اپنے زمانہ کی تمام مادی ترغیبات سے آزاد اور حکومت و سیاست کے انقلابات سے بے نیاز ہو کر اپنا کام کرتے تھے۔

حضرت نظام الدین اویاء رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۵۰ھ) کی روحانی نوآبادی بستی غیاث پور اس کی ایک اچھی مثال ہے جس نے عین مرکز حکومت (دہلی) میں آٹھ باجبرت سلاطین (غیاث الدین بلبن ۶۶۴-۶۸۶ء سے لے کر غیاث الدین تعلق ۷۲۰-۷۲۵ء تک) کے عہد حکومت میں تقریباً پچاس برس تک اپنی خود اختیاری اور بے نیازی قائم رکھی اور جہاں سحر سے لے کر اودھ تک کے طالبینِ خدا ٹپے رہتے تھے۔ اگر تمام سلاسل طریقت کے بزرگوں کے مرکزوں کی آبادی اور ان کی طرف لوگوں کے رجوع کی تفصیل لکھی جائے (جس سے اس زمانہ کے دینی طلبہ رجحان اور دینی عزت و احترام کا اندازہ ہوتا ہے) تو اس کے یہ اوراق متخل نہیں اس لئے نمونہ کے طور پر صرف ایک سلسلہ

۱۔ حضرت نظام الدین غیاث الدین بلبن کے عہد حکومت میں ۶۶۹ھ میں دہلی تشریف لائے کچھ عرصہ تک مختلف محلوں میں قیام رہا پھر بستی غیاث پور (حال بستی نظام الدین) میں منتقل قیام اختیار کیا ۷۲۵ھ تک مختلف سلاطین آپ کے پیشکش کرتے رہے لیکن کسی کو کامیابی نہیں ہوئی، تقریباً ۶۰ برس کی مدت تک آپ او آپ کے اہل زاویہ بالکل کیسے رہے۔ ۷۲۵ھ شیخ حسن علاء سنہری۔ ۷۲۵ھ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی۔

(سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ) کے چند بزرگوں کے ساتھ مسلمانوں کے تعلق اور ان کی طرف اہل زمانہ کے رجوع کا مجمل ذکر کیا جاتا ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ ان کے زمانہ میں جو مادیت اور دنیا داری کے عروج کا زمانہ تھا ذوقِ خدا طلبی کا کیا حال تھا اور دین کی کشش کہاں کہاں گویوں کو کھینچ کر لاتی تھی۔

حضرت شیخ احمد سرہندی مجددِ اہل سنت (م ۱۰۳۴ھ) کے متنبین کی فہرست پر نظر ڈالئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہندوستان و افغانستان کے کتنے شہروں اور قصبہ کے کتنے کثیر التعداد شیخوں اور عہدہ ہائیکیری کے کتنے بڑے بڑے امیر اور ارکانِ دولت ان کے حلقہٴ ارادت و بیعت میں داخل تھے اور کتنی دور سے انھوں نے سرسند آکر استفادہ کیا تھا۔

ان کے جلیل القدر خلیفہ حضرت سید آدم بنوری (م ۱۰۵۳ھ) کی خانقاہ میں ایک ایک ہزار آدمی روزانہ ہوتے تھے جو دونوں وقت خانقاہ میں کھانا کھاتے تھے ان کی سواری کے ساتھ ہزاروں ہزار آدمی اور سیکڑوں علماء ہوتے تھے، تذکرہ آدمی میں ہے کہ ۵۲ھ میں جب آپ لاہور تشریف لے گئے تو سادات و مشائخ اور دوسرے طبقوں کے دس ہزار آدمی آپ کے ہمراہ تھے طالبین کا اتنا مجمع ہر وقت رہتا تھا کہ شاہجاں کو ان کی طرف سے خطرہ پیدا ہو گیا تھا، اس نے کچھ رقم بھیج کر کہلوایا کہ آپ پرچہ فرض ہو گیا ہے آپ حرمین تشریف لے جائیں چنانچہ آپ ہندوستان سے ہجرت کر گئے۔

مجددِ صاحب کے نامور خلیفہ اور صاحبزادہ حضرت خواجہ معصوم (م ۱۰۷۹ھ) کے ہاتھ پر نو لاکھ ^{۹۰۰۰۰} انسانوں نے بیعت و توبہ کی اور سات ہزار آدمی خلافت سے مشرف ہوئے۔

ان کے صاحبزادہ شیخ سیف الدین سرہندی (م ۱۰۹۶ھ) کی خانقاہ (دہلی) میں طالبین کے ہجوم کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صاحبِ فیہل الرثاث کے بیان کے ... مطابق ایک ہزار چار سو آدمی دونوں وقت ان کے دسترخوان پر اپنی فرمائش اور خواہش کے موافق کھانا کھاتے تھے۔

لے زہنہ الخواطر جلد پنجم ۱۵۱۵ ایضاً

امرا اور اہل ثروت کا بزرگانِ دین سے جو تعلق (دینی محبت و احترام کی بنا پر) تھا، اس کا ایک نمونہ یہ تھا کہ حضرت خواجہ محمد زبیر سرہندیؒ (م ۱۱۵۱ھ) جب مکان سے مسجد تشریف لے جاتے تو امرا و راستہ میں دو شالے اور رومال بچھا دیتے کہ آپ کا پاؤں زمین پر نہ پڑے کسی مریض کی عیادت یا کسی اور کام کے لئے کہیں تشریف لے جانا ہوتا تو آپ کی سواری بادشاہوں کی طرح نکلتی اور آپ کے جلو میں امرا اور اہل دولت کی پالکیاں اور سواریاں ہوتیں۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد تجارت میں انقلابِ حکومت کچھ پہلے تک یہ وقت پورے طور پر موجود تھا، حضرت شاہ غلام علیؒ (م ۱۲۲۰ھ) (خلیفہ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ) کے عہد میں دہلی کی خانقاہ مجددیہ طالبین کا بہت بڑا مرکز تھی، سرسید احمد خاں مرحوم آثار الصنادید میں لکھتے ہیں:-

”میں نے حضرت کی خانقاہ میں اپنی آنکھ سے روم اور شام اور بغداد اور مصر اور چین اور حبش کے لوگوں کو دیکھا ہے کہ حاضر ہو کر بیعت کی اور خدمت خانقاہ کو سعادتِ ابدی سمجھے اور قریب قریب کے شہروں کا شل ہندوستان اور پنجاب اور افغانستان کا تو کچھ ذکر نہیں کہ بڑی دل کی طرح امنڈتے تھے، حضرت کی خانقاہ میں پانچ سو فقیر سے کم نہیں رہتا تھا اور سب کا روٹی کپڑا آپ کے ذمہ تھا۔“

شاہ رؤف احمد مجددیؒ درالمعارف میں صرف ایک روز کے طالبین کے مقامات کی فہرست لکھتے ہیں جو ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۲۳۱ھ کو دہلی کی اس خانقاہ میں استفادہ کے لئے حاضر تھے:

”سمتہ بخارا، غزنی، تاشقند، حصار، قندھار، کابل، پشاور، کشمیر، ملتان، لاہور، سرہند، امرتسر، سہیل، رام پور، بریلی، لکھنؤ، جائس، بہرائچ، گورکھپور“

لے درالمعارف ارشادِ رحمانی، نزہۃ الخواطر ۷ آثار الصنادید باب چہارم۔

غظیم آباد، ڈھاکہ، حیدر آباد، پونہ وغیرہ؛

اور یہ وہ زمانہ ہے جب نہ ریلیں تھیں نہ آمد و رفت کی وہ سہولتیں جو آج حاصل ہیں۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے اسی دور میں انگریزی عہداری سے کچھ پہلے حضرت سید احمد شہیدؒ

(۱۲۴۶ھ) اور ان کے جلیل القدر رفیقوں، مولانا عبدالحی برہانویؒ (م ۱۲۴۲ھ) اور مولانا اسماعیل شہیدؒ (ش ۱۲۴۶ھ) اور ان کے مخلص مبلغوں نے مسلمانوں کو خدا اور رسول کی طرف رجوع کی دعوت دی اور *فَقَدْ خَلَّاهُ إِلَى اللَّهِ* (خدا کی طرف بھاگو) کی صدا بلند کی اور عقلت و بصیرت اور خلافت شرع و زندگی کے خلاف جدوجہد شروع کی، مسلمانوں نے جس ذوق و شوق کے ساتھ اس دعوے پر لبیک کہی اور جس طرح پروانہ وار اس جماعت کے امیر کے گرد جمع ہوئے جس عالی حوصلگی اور فراخ دہی کے ساتھ اس کے وفود کا خیر مقدم کیا اور اپنی دینی محبت و تواضع کا ثبوت یا پھر جس طرح ہندوستان میں اسلام کے سارے باغوں کے بہترین پھولوں کا عطریں پھیر کر ان کے پاس پہنچ گیا (جو ۱۲۴۶ھ کے واقعہ میں بالاکوٹ کی ٹٹی میں مل گیا) اس سے اس کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اس منزل کے دور میں بھی مسلمانوں میں دین کی کتنی طلب اور خدا طلبی کا کیسا ذوق اور نشہ اور کیسی عالی ہمتی اور کتنی اچھی صلاحیت و استعداد تھی۔

مسلمانوں کے اس دینی ذوق کا اندازہ ان تبلیغی سفروں کی روداد سے ہوگا جو سید احمدؒ نے بڑی بڑی جماعتوں کے ساتھ دو آب کے قصبات اور شہروں میں اور پھر اودھ میں کئے۔

مسلمانوں کے ذوق و اشتیاق کا مزید اندازہ سید صاحب کے سفر حج سے ہوگا جو آپ نے ۱۲۴۶ھ میں کیا، اس پورے سفر میں ہندوستان کا وہ مشرقی خطہ جو اب تین صوبوں (صوبہ متحدہ بہار اور بنگال) پر مشتمل ہے اور اس قافلہ کی گزرگاہ تھا، مسلسل جنبش اور حرکت میں تھا، ہر جگہ

دین کے طالب مسلمان پر دانوں کی طرح گرتے تھے، معصیت اور غفلت کی زندگی سے توبہ کرتے تھے، اور خدا سے نیا عہد و پیمان باندھتے تھے، دیہاتوں اور گاؤں کے لوگ سیکڑوں کی تعداد میں بحق چوتے آتے تھے اور بیعت و توبہ کرتے تھے اہل شوق اپنے مواضع اور مقامات پر لے جاتے تھے، متوسط الحال لیکن بلند ہمت مسلمان پورے قافلہ کی (جس میں کلکتہ پہنچتے پہنچتے ساڑھے سات سو آدمی ہو گئے تھے) اور ان صد ہا مسلمانوں کی جو قرب و جوار سے جمع ہو جاتے تھے دل کھول کر کئی کئی دن ضیافت کرتے تھے مسلمان رؤساء شاہانہ اولوالعزمی سے دین کے کام میں اپنی دولت صرف کرتے تھے، شیخ غلام علی حسار میس الہ آباد نے بارہ پندرہ دن میں مجموعی طور پر تیس ہزار روپے صرف کئے ان کے دسترخوان پر دونوں وقت سیکڑوں آدمی کھانا کھاتے تھے، بعض لوگوں کا تخمینہ تھا کہ ایک ہزار روپیہ روزانہ کھانے پر صرف ہوتا تھا۔

لوگوں کے رجوع اور اہل طلب کے ہجوم کا یہ عالم تھا کہ پورے پورے شہروں میں تھوڑے آدمی ایسے ہوں گے جو توبہ و بیعت سے اور اس قافلہ کے دینی برکات سے محروم رہ گئے ہوں گے، الہ آباد، مرزا پور، بنارس، غازی پور، عظیم آباد، پٹنہ اور کلکتہ میں مجموعی طور پر کئی لاکھ مسلمانوں نے بیعت و توبہ کی، دین کی عمومی اہمیت اور طلب کا اندازہ اس سے ہوگا کہ بنارس میں ہسپتال کے مریضوں نے بھی پیغام بھیجا کہ ہم معذور ہیں وہاں تک ہمارا آنا دشوار ہے اگر آپ بشر فی الشریہاں تشریف آرا زانی فرمائیں تو ہم بیعت کریں آپ ایک روز چند آدمیوں کے ہمراہ تشریف لے گئے اور ان مریضوں نے بھی توبہ و بیعت کی۔

کلکتہ میں دو مہینے قیام رہا روزانہ ایک ہزار آدمی کے قریب بیعت سے مشرف ہوتے روز بروز ہجوم بڑھتا جاتا تھا اکثر بیعت کا یہ حال تھا کہ صبح سے دوڑھائی پہر رات گئے تک مردوں اور

عورتوں کا ہجوم رہتا، سید صاحب کو سوائے نماز پڑھنے کھانا کھانے اور ضروریات بشری کے کچھ فرصت نہ ملتی، علیحدہ علیحدہ ایک ایک شخص سے بیعت لینا محال تھا، ایک وسیع مکان میں سب جمع ہو جاتے، آپ تشریف لاتے، اسات آٹھ دستاریں کھول کر آپ لوگوں کے ہاتھ میں دے دیتے لوگ ان کو جا بجا سے تھام لیتے اور آپ بیعت کے الفاظ کو اذان کی طرح بلند آواز سے تلقین فرماتے دن میں سترہ اٹھارہ بار یہی عمل ہوتا اور ہزاروں آدمی روزانہ اس طرح بیعت سے مشرف ہوتے۔

نماز فجر کے بعد سید صاحب نے ۱۵-۲۰ روز تک غطا فرمایا، دو دو ہزار امرا اور علما اور درویش ہر روز آتے تھے اور غربا کو کچھ شمار نہ تھا، مولانا عبدالحی صاحب جمعہ و شنبہ کو نماز ظہر کے بعد سے شام تک غطا فرماتے تھے اور لوگ پروانہ وار جمع ہو جاتے تھے، روزانہ ۱۰-۱۵ ہندو مسلمان ہوتے۔ اصلاح و دین داری، توبہ و انابت کی اس عمومی فضا کا اثر یہ ہوا کہ کلکتہ میں بیکہنت شراب کھینی موقوف ہو گئی، دوکانداروں نے جا کر سرکار انگریزی میں اس کا شکوہ کیا کہ ہم لوگ سرکاری محصول بلا عذر ادا کرتے ہیں اور دکانیں ہماری بند ہیں، جبے ایک بزرگ اپنے قافلہ کے ساتھ اس شہر میں آئے ہیں، شہر اور دیہات کے تمام مسلمان ان کے سرید ہوئے اور ہر روز مہوتے جاتے ہیں، انھوں نے کل مسکرات (انشاد و چیزوں) سے توبہ کی ہے اب کوئی ہمازی دوکانوں کی طرف ہو کر بھی نہیں نکلتا۔

دین اور اہل دین کی محبت کا یہ حال تھا کہ جب حجاج کا یہ قافلہ جو سات سو آدمیوں پر مشتمل تھا، کو معظمہ سے واپسی میں مرشد آباد کے قریب یوان غلام مرتضیٰ کے دولت خانہ پر مقیم ہوا تو دیوانہ صاحب نے بھرے بازار میں اعلان کر دیا کہ سید صاحب کے قافلہ کا جو آدمی اس بازار سے کچھ خریدے یا کسی دستکار سے کام لے تو اس کی قیمت و اجرت میرے ذمہ ہے، سید صاحب نے ان کو سمجھایا کہ آپ اس قدر زیر بار کیوں ہوتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ کسی مسلمان کے گھر کوئی حاجی آجاتا ہے تو اس کی بڑی سرفرازی

ہوتی ہے میں اپنی قسمت پر جو کچھ ناز کروں کم ہے کہ اتنے حجاج نے مجھے سرفراز فرمایا۔

پھر جب بید صاحب نے مسلمانوں کو جہاد کی دعوت دی تو مسلمانوں نے گرم جوشی کے ساتھ قبول کی، کاشتکار ہل چھوڑ کر تاجر دکانیں بند کر کے ملازم اپنے آقا کو سلام کر کے امر اپنے محلوں سے نکل کر علماء اور مشائخ مسند درس و ارشاد چھوڑ کر ساتھ ہو گئے اور کسی نے پلٹ کر اپنے گھر کو نہ دیکھا یہاں تک کہ ان سرفروشنوں کی آخری جماعت نے بالاکوٹ کی تنگ اور سنگ لاخ گھاٹی میں ان پتھروں اور چٹانوں کے درمیان (جن میں مسافر کا چلنا بھی آسان نہیں) اپنے سے دس گنا حریف کے مقابلہ میں جان دی اور مرتے مرتے بھی گھر کو یاد نہ کیا۔

یہ ساری تفصیل اس لئے لکھی گئی ہے کہ اس کا اندازہ کیا جائے کہ مسلمانوں کے برائے نام اقتدار کے بالکل آخری دور میں اور ان کے نازل و انحطاط کے شاہ کے زمانہ میں بھی لیکن مغربی استیلا و تغلب کے عہد سے پہلے مسلمانوں میں کتنی دینی طلب اور قدراور کس قدر دین کا ذوق و احساس اور کس قدر عالی ہمتی اور بلند حوصلگی تھی۔

انگریزیveldاری کے ابتدائی دور میں بھی جب کہ مغربی تہذیب و تعلیم اور اخلاق و سیاست کا اثر ہندوستان کی عام زندگی پر نہیں پڑا تھا، پہلے دور کے اثرات موجود تھے اگرچہ ان کا دم واپس تھا، اور حضرت مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۰۸-۱۲۱۳ھ) بھی بزرگ جنھوں نے دونوں دور اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے اپنے زمانہ کی دینی ویرانی پر حسرت کرتے تھے اور بڑے درد سے فرماتے تھے، ع۔

جو سچے تھے دولے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

لیکن اگرچہ بادخراں چلنے لگی تھی مگر خراں کا دور دورہ نہیں ہوا تھا، خدا طلبی کا ذوق موجود تھا

اہل اللہ سے تعلق اور اصلاح و تربیت زندگی کا ایک ضروری شئیہ سمجھا جاتا تھا، اہل علم و اہل دین کو چھوڑ کر عام کاروباری مسلمان اور دنیا دار امراء بھی اس خیال سے خالی اور اس شوق سے محروم نہ تھے، بڑے بڑے مرکزی شہروں کو چھوڑ کر چھوٹے چھوٹے قصبہ اور گاؤں بھی مردانِ خدا سے معمور تھے، خدا کی طرف بلانے والے اور اللہ کا نام سکھانے والے مسلمانوں کی آبادیوں اور شہروں قبضوں اور دیہاتوں میں اس طرح تسلسل کے ساتھ پائے جاتے تھے کہ مشکل سے کوئی کو وہاں کے وجود سے خالی ہوگا، آج سے تیس چالیس برس پہلے کے ہندوستان پر نظر ڈالئے یا مہتر گروں کے سنئے ملک کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک چراغوں کی ایک قطار نظر آئے گی۔

رفتہ رفتہ یہ چراغ سحر ایک ایک کر کے بجھنے شروع ہوئے، دیئے سے دیا جلنا تو عرصہ سے موقوف ہو گیا تھا، یہ سبہ سبہ دیئے بھی گل ہو گئے، موسم نے رفتہ رفتہ پورا اثر کیا، فصل خزاں میں درختوں کو ہلاتے اور سوکھے پتے گراتے کس نے دیکھا ہے، لیکن موسم اور ہوا کی تاثیر ہے کہ پتے اور پھول سوکھ سوکھ کر خود جھڑ جاتے ہیں، انگریزی عملداری کی طرف سے کبھی یہ اعلان نہیں ہوا کہ خانقاہیں بند کر دی جائیں اور اصلاح و ارشاد کی بساط نہ کر دی جائے اس کے برعکس زمانہ میں سفر کی بڑی سہولتیں پیدا ہو گئیں اور دور دراز کے مقامات پر پہنچنا پہلے سے بہت آسان ہو گیا، اگر مردوں سے وہ طلب اور شوق ہی نکل گیا جو سمرقند و بخارا سے طالبین کو پیادہ پادری لایا کرتا تھا، اس نے اس درخت پر نشیہ کبھی نہیں چلایا اور اس کو کبھی آگ نہیں دی، مگر جڑ کو پانی نہ پہنچنے اور موافق ہوا اور فضا نہ پانے کی وجہ سے اس کی شاخیں خود کھتی چلی جا رہی ہیں اور پھلنا پھولنا اس نے عرصہ سے چھوڑ دیا ہے۔

زندگی میں خدا طلبی کا کوئی خانہ اور چھوٹے سے چھوٹا گوشہ بھی نہیں رہا، قلبِ روح کی جگہ بھی معدہ اور شکم نے پر کر دی، زندگی کی تمام بلند اور لطیف حقیقتیں اور جھل جھلکیں اب مدت سے

باقی غیب کی زبان پر ہے

نہ ڈھونڈھا اہل دل کو اب کہ جوشِ قلمِ فنا
متلع دروجن میں تھی وہ کشتیاں ڈبو چکا

دنیا طلبی کا بحران

خدا طلبی کے بجائے اب یہ دنیا طلبی کا دور ہے اور اس سے کہیں زیادہ زور شور کے ساتھ آیا ہے اس مغربی تہذیبِ اقتدار کے دور میں دنیا طلبی اور شکم پری کا جو طوفان آیا ہے اس کے لئے بحرانِ وِہدیان سے کم الفاظ کفایت نہیں کرتے مال و دولت کی ایک نہ مٹنے والی بھوک اور ایک نہ بچنے والی پیاس ہے جس کو جو عاقل بقدر کہے یا استسقا کا مرض ہر طرف مہل من متزید کی صدا بلند ہے زندگی کی ہوس اتنی بڑھ گئی ہے اور عیاراتِ اقبال بلند ہو گیا ہے کہ مسافر طبع کو کسی منزل پر قرار اور طاہرِ حرص کا کسی بام بلند پر بھی آشیانہ نہیں دولت اور عزت و جاہ کی کوئی بڑی ہی بڑی تقدار اور اونچی سی اونچی سطحِ تشفی کے لئے کافی نہیں۔

مغربی تہذیبِ اقتدار کے اس دور میں درحقیقت نہ علم کا حقیقی ذوق ہے نہ دین کا نہ کوئی اور ذوق لطیف کام کر رہا ہے بالشت بھر پیٹ نے زندگی کی ساری وسعت گھیر لی ہے عالمِ خیال میں کتابیں تصنیف کرنے والے خوش فکر مصنفین جو پاپس لکھیں علمی زندگی میں اس وقت صرف ایک قوتِ محرکہ اور ایک زندہ حقیقت پائی جاتی ہے اور وہ پیٹ ہے یا جیب ہے۔

سڑ جوڈ کا قول صرف یورپ ہی کے متعلق صحیح نہیں ہے بلکہ ساری مغرب زدہ دنیا کے

متعلق صحیح ہے۔

”جو نظریے حیات اس زمانہ پرستولی اور غالب ہے وہ اقتصادی نظریہ اور ہر مسئلہ

اور معاملہ کو پیٹ یا جیب کے نقطہ نظر سے دیکھنا اور جانچنا ہے۔

کسی زمانہ کے ذوق اور رجحان عام اور حقیقی مسئلہ زندگی کا صحیح اندازہ ان کتابوں نہیں ہوتا جو اس زمانہ میں تصنیف کی جاتی ہیں (اگرچہ عام ذوق و رجحان کے اثرات سے کتابیں بھی محفوظ نہیں ہوتیں اور وہ کئی کئی پردوں سے بھی جھلکتا ہے) لیکن بعض اوقات یہ مصنفین اپنے انفرادی ذوق یا قوم کی کسی مختصر جماعت کے رجحان کے نمائندے ہوتے ہیں اور بعض اوقات واقعات کے بجائے اپنی خواہشات کو واقعات کے طور پر پیش کرتے ہیں زمانہ کے ذوق اور رجحان کا حقیقی اندازہ روزمرہ کی زندگی نے تکلف گفتگو، مجالس کے موضوع سخن اور لوگوں سے ملنے کے بعد ہوتا ہے بقول اکبر مرحوم۔

نقشوں کو تم نہ جانچو لوگوں سے مل کے دیکھو

کیا چیز جاری ہے کیا چیز مر رہی ہے

اس اصول پر ریل کے طویل سفروں میں صبح و شام کی سیر میں چائے اور کھانے کی میز پر پارک اور سیرگاہوں کے سبزہ اور شہستوں پر اجابہ و رفقاء کی بے تکلف گفتگو کے موقع پر کان لگا کر سنئے کیا موضوع ہے؟

تنخواہوں کی کمی بیشی، افسروں کی رضامندی و نارضامندی، حکام کا تبادلہ اور ان کے مزاج و معاملہ پر تنقید، تجارتوں کا منافع ٹھیکہ رس کے احکامات، بینکوں کے حسابات شرح سود، کمپنیوں کے حصص، انشورنس کمپنی پالیسی، نیشن اور پراویڈنٹ فنڈ، سکدرشی کے بعد ملازمت کے امکانات فتوحات کے واقعات، خوش قسمتوں پر رشک، بد قسمتوں پر تاسف اور اسی قبیل کی باتوں کے سوا آپ کو شیش کے باوجود بھی کوئی موضوع گفتگو نہیں پائیں گے۔

یا پھر سیاسی حالات اور ان پر تبصرہ لیکن کسی اخلاقی نقطہ نظر سے نہیں کسی نظامِ فاسد پر

اخلاقی تنقید اور کسی نظام صحاح کی تمنا کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔

مغربی اس بارہ میں امام ہے اور ہندوستان کے ہندو اس معاشی ہمراہ دست میں اس کے قدم بہ قدم اور افسوس ہے کہ مسلمان بھی اب اس کے نقش قدم پر ہے۔

اخلاقی تغیر و زوال

مشرق میں جب اول مغربی تاجر پھر فاتح آئے ہیں تو یہاں عرصہ سے اخلاقی انحطاط شروع ہو چکا تھا، مشرقی اور اسلامی تہذیب کی خصوصیات اور تیز نزل تھیں یا ان میں افراد و تفریط اور تحریف شروع ہو چکی تھیں لیکن پھر کبھی بعض ایسے اخلاقی خصائص پائے جاتے تھے، اور اس میں ایسی ترقی ہو چکی تھی جس کا تصور بھی اس زمانہ میں مشکل ہے، مشرقیوں نے بعض اخلاق و خصائص کو ترقی دیتے دیتے ایک مستقل فن بنا دیا تھا، اور اس میں ایسی نزاکت و نفاست پیدا کی تھی جو مغرب میں صرف ادب و شاعری اور فنون لطیفہ کا حصہ ہے۔

اسلامی مشرق میں افراد معاشرہ کے باہمی تعلقات اتنے مستحکم دیرپا اور عسقی تھے، جو اس زمانہ کے تصور سے بالاتر ہیں، اولاد کی محبت والدین کے ساتھ والدین کی شفقت اولاد کے ساتھ خور و کی تعظیم بزرگ کے لئے بزرگ کی تواضع و شفقت، عورت کی عفت، بآبی ازدواجی و ناداری، ملازم کی نیک سلامتی اور امانت داری، نوجوانوں کی اخلاقی انتقامت، شرف کا معاملہ و سلوک، تعلقات و ملاقات، اوقات و معمولات، لباس و معاشرت میں کامل یکسانی اور وضع داری، دوستوں کے لئے ایثار و قربانی اور ہمدردی اس میں سے ہر ایک ایسا وسیع عنوان ہے جس کے ماتحت ایسے واقعات ہیں جن کو زیادہ زمانہ گزر جانے کے بعد آسانی سے باور نہیں کیا جائے گا لیکن ابھی ان کے باور کرنے کے اسباب و قرائن موجود ہیں۔

اولاد کی اطاعت و سعادت مندی اسلامی مشرق میں بھی کچھ عرصہ پہلے تک (اور شاید کہیں کہیں اب بھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی پوری تعمیل تھی جو آپ نے ایک شخص سے فرمایا تھا کہ "انت و مالک لأبیک" (تم اور تمہاری ملکیت و دولت سب تمہارے باپ کی ہے)

والدین کی محبت اور ادائے حقوق کا جذبہ ان کی ذات اور ان کی زندگی تک محدود نہ تھا ان کے بعد بھی اس کا سلسلہ جاری رہتا تھا، ان کے دوستوں اور عزیزوں کے ساتھ سلوک و اعتنائے تحائف و ہدایہ کے ذریعہ اظہارِ محبت و تعلق، سعادت مند اولاد کے گویا اخلاقی فرائض اور سعادت مندی کے لوازم میں سے تھا، اور یہ بھی دراصل نبوت کی اس اعلیٰ اخلاقی تعلیم کا نتیجہ اور پرتو تھا کہ من ابوالبرصۃ الرجل اهل و دأبیہ بعد ان یوتی (سب بڑی نیکیوں میں سے ایک نیکی انسان کا اپنے والد کے دوستوں کے ساتھ اس کے انتقال کے بعد حسن سلوک ہے۔)

والدین کا تعلق اولاد کے ساتھ صحیح خیر خواہی اور مشرقی ایشیاء و قربانی کا نمونہ ہوتا تھا اور اس کے لئے اپنے لذائذ، خواہشات اور راحت قربان کرتے تھے، اور اس کی صحیح تعلیم و تربیت اپنا اصلی فرض سمجھتے تھے، اور اس کی تعلیم اخلاقی تنبیہ اور استادوں کی سرزنش و تادیب کے موقع پر اپنا دل بچھرنا بنالینے تھے، ایسے موقع پر بچہ کی جانب سے اری اور استاد کے فعل سے آرزوگی میاں شرافت سے بہت گری ہوئی بات سمجھی جاتی تھی جس کے لئے کوئی شریف باپ تیار نہیں ہوتا تھا، یہاں تک کہ غیر تعلیم یافتہ والدین بھی بعض اوقات استاد کی زیادتی پر استادوں ہی کی تائید اور بچہ ہی کو زبرد تنبیہ کرتے تھے، یہ فقرہ عام طور پر والدین کی زبان زد تھا کہ استاد کا حق باپ سے زیادہ ہے۔

اسلامی معاشرے میں بڑے اور چھوٹے کا تعلق من لم یرحمہ صغیرنا و لم یؤقر کبیرنا (فلیس مثلاً جو اپنے خرد پر شفقت نہ کرے اور جماعت کے بزرگ کی توقیر نہ کرے وہ ہماری جماعت میں سے

نہیں ہے) کی تصویر تھی۔

مشرقی اخلاق و تہذیب کا جو ہر وضع داری و استقامت اور زندگی کی کیسانی ہے اس پچھلے دور میں اس برسرِ تنزل سوسائٹی میں بھی اس بارہ میں عجیب و غریب مثالیں ملتی ہیں جو شخص جو کام شروع کر دیتا تھا، برسوں کرتا رہتا تھا، جو معمول مقرر کر لیتا تھا، اس میں موسم کے تغیرات، صحت کے اتار چڑھاؤ اور معمولی مواقع اور کمندی سے فرق نہیں آنے دیتا تھا جس سے جس طرح معاملہ شروع کر دیتا تھا، آخر دم تک نہایتنا تھا، خواہ اس پر کچھ بن جائے اور حالات میں کچھ بھی تغیر ہو جائے۔

اس دور میں خاندانی اور قبائلی زندگی میں فرد کی عزت و توقیر کا معیار اور تعلقات کی وابستگی کی شرط تنہا دولت و ثمنول نہ تھی، ایک خاندان میں مختلف افراد خاندان مختلف معاشی سطح کے ہوتے، کوئی دولت مند ہوتا، کوئی تنگ دست و پریشان حال لیکن خاندانی اجتماعات و مجالس میں یہ مجال نہ تھی کہ مالی حیثیتوں کے فرق کی بنا پر ایک خاندان کے لوگوں کے درمیان تفریق یا مختلف معاملہ کیا جانا اگر کبھی ایسی غلطی ہو جاتی تو اس پر سارا خاندان احتجاج اور بعض اوقات تقاطع کرتا، ایک تنگ دست شریف زادہ دوسرے مرقہ الحال بھائی سے آنکھیں چا کر کے باتیں کرتا اور وہ اس کے علوئے خاندانی جو ہر شرافت یا ایالت یا قربت کی بنا پر مساویانہ سلوک کرتا، اس میں بھی بڑا اہتمام تھا کہ غربت و عسرت کا اظہار قریب ترین متعلقین کے سوا کسی پر نہ ہونے پائے۔

اسلامی ماحول کے دور آخر تک شریف و با اصول انسان کا ضمیر اس کی عزت و آبرو اور مذہبی عقیدہ کی طرح ایک ایسی ناقابلِ فروخت چیز سمجھی جاتی تھی جس کا دنیا میں سودا نہیں ہو سکتا تھا اور جو بڑی سے بڑی قیمت پر فروخت نہیں کیا جاتا تھا ۱۸۵۷ء کے آگے سچے مسلمان شرفا کی متدد نظریں ملیں گی کہ انھوں نے اپنا خون گوارا کیا لیکن ضمیر کا خون کرنا پسند نہیں کیا اور اس لئے گولی کھائی یا پھانسی پر چڑھ کر چھوٹ بونا منظور نہ تھا، اور جان بخشی کے لئے ضروری تھا کہ وہ جھوٹ بول کر اپنی صفائی

پیش کریں اور ہنگامہ میں شرکت سے انکار کریں جو ان کے نزدیک خلاف واقعہ اور خلاف ضمیر بات تھی۔
 قومی و ملی باتوں میں بھی وہ اس طرح سچے ثابت ہوتے تھے جس طرح شخصی خاندانی معاملات میں
 قومی عصبیت و جانبداری کی وہ ہوا جو مغربی قوم پرستی کے دور میں چلی ہے اس وقت تک نہیں چلی تھی
 وہ قوم کے معاملات میں بھی جھوٹ بولنا جھوٹی شہادت دینا، اسی طرح گناہ سمجھتے تھے جس طرح اپنے ذاتی
 معاملات میں احکام شریعت کو وہ شخصی اور قومی تمام امور و مسائل کے لئے عام سمجھتے تھے، اور
 قرآن مجید کی حسب ذیل ہدایات ان کے پیش نظر تھیں:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ
 اَلْأَيْمَانِ وَاوْلِي الْأَنْصَابِ اَلْعُلَمَاءُ وَرِثَةُ اللَّهِ كُنْ
 بِالْقِسْطِ شُهَدَاءُ لِلَّهِ وَلِذِي هُوَ عَلَى
 أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجُ الَّذِينَ وَالَا قَرَبِيِّينَ۔
 (النساء - ۱۳۵)

کسی قوم کی دشمنی نہیں اس بات پر آمادہ نہ کیے
 کہ تم اس کے معاملہ میں انصاف کا دامن ہاتھ
 سے چھوڑ دو انصاف کا کام یہ خدا ترسی سے
 زیادہ قریب ہے اور اللہ کا محاط کرو۔
 (المائدہ - ۸)

وَإِذَا حُكِمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا
 بِالْعَدْلِ (سورة النساء - ۵۸)
 جب لوگوں کے درمیان حکم اور ثالث ہو تو
 عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔
 وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدُوا ذَلِكُمْ كَانَ
 ذَا قَوْلِي (الانعام - ۱۵۳)

انگریزی علم داری کی ابتدا کا واقعہ ہے کہ ضلع مظفر نگر کے قصبہ کاندھلہ میں ایک جگہ پر

ہندو مسلمانوں کا تنازعہ ہوا کہ یہ ہندوؤں کا معبد ہے یا مسلمانوں کی مسجد، انگریز مجسٹریٹ نے فریقین کے بیانات سننے کے بعد مسلمانوں سے تخیل میں پوچھا کہ کیا ہندوؤں میں کوئی ایسا شخص ہے جس کی صداقت پر آپ اعتماد کر سکتے ہیں اور جس کی شہادت پر فیصلہ کر دیا جائے، انھوں نے کہا کہ ہمارے علم میں کوئی ایسا شخص نہیں، ہندوؤں سے پوچھا تو انھوں نے کہا یہ بڑی آزمائش کا موقع ہے، معاملہ قومی ہے لیکن پھر بھی ایک مسلمان بزرگ ہیں جو کبھی جھوٹ نہیں بولتے، شاید وہ اس موقع پر بھی سچی ہی بات کہیں، یہ بزرگ مفتی الہی بخش صاحب (تلمیذ حضرت شاہ عبدالعزیز خلیفہ حضرت سید احمد رضا) کے خاندان کے ایک بزرگ تھے، مجسٹریٹ نے ان کے پاس چسپاں بھیج کر عدالت میں طلب کیا، انھوں نے فرمایا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ فرنگی کا کبھی منہ نہیں دیکھوں گا، مجسٹریٹ نے کہلوایا کہ آپ میرا منہ نہ دیکھیں لیکن تشریف لے آئیں، معاملہ اہم ہے اور آپ کے یہاں تشریف لائے بغیر فیصلہ نہیں ہو سکتا، وہ بزرگ تشریف لائے اور پٹھی پھیر کر کھڑے ہو گئے، معاملہ ان کی خدمت میں عرض کیا گیا، اور دریافت کیا گیا کہ آپ کا اس بارہ میں کیا علم ہے، ہندوؤں اور مسلمانوں کی نگاہیں ان کے چہرے پر ہیں اور کان ان کے جواب پر لگے ہوئے تھے، جن پر اسلیم قومی معاملہ کا فیصلہ ہوتا تھا، ان بزرگ نے فرمایا کہ صحیح بات تو یہ ہے کہ جبکہ ہندوؤں کی ہے مسلمانوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں، عدالت کا فیصلہ ہو گیا، جبکہ ہندوؤں کو مل گئی، مسلمان مقدمہ ہار گئے، لیکن اسلام کی اخلاقی فتح ہوئی، صداقت اور اسلامی اخلاق کے ایک مظاہرہ نے چند گز زمین کھوکھلا کر بہت سے غیر مسلم انسانوں کے ضمیر اور دل و دماغ جیت لئے، بہت سے ہندو اسی روز ان کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے۔

ضمیر کے علاوہ علم و دانش اور دماغی قوت و ذہانت بھی ایک ایسی مقدس اور قیمتی چیز سمجھی جاتی تھی جس کو ہر کس ناکس کے ہاتھ اونے پونے فروخت نہیں کیا جاتا تھا، جو لوگ اس بارہ میں بلند مقام پر تھے وہ تو کسی قیمت پر بھی ان کو فروخت کرنا پسند نہیں کرتے تھے، اور اس کو اللہ کا

میش قیمت عطیہ اور امانت سمجھتے تھے، خصوصاً کفر و فسق کی بلا واسطہ یا بالواسطہ اعانت و تقویت میں اس کو صرف کرنا یا کسی غلط نظام کا آلہ کار بننا تو بہت بڑی خیانت اور دین فروشی سمجھتے تھے۔

اسی ذہنیت اور سیرت کے ایک بزرگ مولانا عبد الرحیم صدارت پوری (م ۱۲۳۴ھ) تھے۔
روہیلکھنڈ کے انگریز حاکم مسٹر ہکنسن نے ان کو بریلی کالج کی تدریس کے لئے ڈھائی سو روپیہ مشاہرہ کی (جو ۵۷۷ روپے پہلے حیثیت وہ رکھتا تھا، جو اس وقت ہزار بارہ سو کی بھی نہیں ہے) پیشکش کی اور وعدہ کیا کہ تھوڑی مدت میں اس مشاہرہ میں اضافہ اور ترقی ہو جائے گی، انھوں نے عذر کیا کہ ریاست سے ان کو دس روپے ماہوار ملتے ہیں وہ بند ہو جائیں گے، ہکنسن نے کہا کہ میں تو اس وظیفہ سے پچیس گنا زیادہ پیش کرتا ہوں اس کے مقابلہ میں اس حقیر رقم کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے، انھوں نے اس کے بعد یہ عذر کیا کہ میرے گھر میں بیری کا ایک درخت ہے اس کی بیری میٹھی اور مجھے مرغوب ہے، بریلی میں وہ بیری کھانے کو نہیں ملے گی، ظاہر میں انگریز اب بھی ان کے دل کی بات نہیں پاسکا، اس نے کہا کہ رام پور سے آنے کا انتظام ہو سکتا ہے آپ بریلی میں بیٹھے ہوئے بھی اپنے گھر کی بیری کھا سکتے ہیں، مولانا نے فرمایا ایک بات یہ بھی ہے کہ میرے طالب علم جو رامپور میں درس لیتے ہیں ان کا درس بند ہو جائے گا اور میں ان کی خدمت کے محروم رہ جاؤں گا، انگریز کی منطق نے اب بھی ہار نہیں مانی، اس نے کہا کہ میں ان کے وظائف مقرر کرتا ہوں وہ بریلی میں آپسے اپنی تعلیم جاری رکھیں اور اپنی تکمیل کریں، آخر اس سہمان عالم نے اپنی کمان کا آخری تیر چھوڑا جس کا انگریز کے پاس کوئی جواب نہ تھا، مولانا نے فرمایا کہ یہ سب صحیح ہے، تعلیم پر اجرت لینے کے متعلق میں قیامت میں اللہ کو کیا جواب دے دوں گا، ہندوستان کے فلاح نے اب اپنی شکست تسلیم کر لی اور مولانا عبد الرحیم صاحب نے نواب احمد علی خاں والی رامپور کے دس روپیہ ماہوار پر اپنی زندگی گزار دی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

اس اخلاقی بلندی اور کردار کا مقابلہ اس زمانہ کی دانش فروشی سے کیجئے اس زمانہ کے اہل دانش نے اپنے علم، بیانت اور ذہانت کو نیلام پرچہ ہمارا کھا ہے کہ جو زیادہ بولی بولے گا اس کے ہاتھ فروخت کر دیں گے، اگر کوئی اسلامی ادارہ شروع کر رہا ہے، اور کسی نصرانی ادارے نے ایک سو پانچ لکھ روپے تو اس کی طرف منتقل ہو گئے، اور اگر کوئی یہودی اسٹیٹ قائم ہو جائے اور وہ پانچ لکھ روپے تو اس کے ہاتھ بک جائیں گے، مناسبت موضوع اور ذوق کی بھی کوئی شرط اگر حالات اجازت دیں تو محکمہ تعلیم کا آدمی برائے نام ترقی پر پولیس کے محکمہ یا جہاز رانی کے صیغہ کی طرف بخوشی منتقل ہو سکتا ہے، ایک فاضل جس نے کسی علمی مقالہ پر ڈاکٹریٹ حاصل کیا اور جو تحقیقی مقالے لکھا کرتا تھا، آپ اس کے متعلق سن سکتے ہیں کہ نہایت معمولی اضافہ کی بنا پر وہ کسی ایسے فوجی یا سیاسی محکمہ کی طرف منتقل ہو گیا ہے جس سے اس کو کوئی ذہنی اور علمی مناسبت نہیں۔

آج کسی انشا پر داڑ کو اس میں ذرا تکلف نہیں ہوتا کہ وہ ایک ہی قلم سے ایک مجاہد عظیم کی سیرت لکھے پھر اسی قلم سے کسی قوم فردش کی منقبت لکھے۔

بعض شائقین کتب جب کوئی نادر بیش قیمت کتاب خریدتے تھے تو وجد و سرور میں آکر شعر پڑھتے تھے، برائے نام ترمیم کے ساتھ یہ شراب بھی پڑھا جاسکتا ہے۔

حمادے چند دادم جاں خریدم

بے نازاں کو بس ارزاں خریدم

اور "جان" کے بجائے "اگر ایمان" پڑھا جائے تو بھی واقعہ کے لحاظ سے کیا غلط ہے!

روابط و تعلقات اور حقوق باہمی کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ ان کی بنیاد عام حالات میں

اکثر غیر مادی اور خالص عقلی و روحانی یا قلبی ہوتی تھی اور ان میں خود غرضی اور نفسانیت کا

شائبہ کم سے کم ہوتا تھا، اسی کا نتیجہ تھا کہ بعض ایسے تعلقات اور روابط پائے جاتے تھے اور ان کی

جڑ میں قلب و دماغ میں اتنی گہری ہوتی تھیں جن کی کوئی مادی اور ناجرمانہ توجیہ ممکن نہیں
 استاد و شاگرد کا ایسا تعلق تھا جس کے سامنے اس زمانہ میں باپ بیٹے اور محبوب و محبوب کا
 تعلق گرد ہے عصر جدید کا ذہن شاید اس پر ہمیشہ حیرت کرے کہ ہندوستان کے مشہور عالم
 اور جہاں استاد ملا نظام الدین لکھنوی (رحمۃ اللہ علیہ) صاحب درس نظامی کی خبر وفات سن کر
 ان کے ایک شاگرد سید کمال الدین عظیم آبادی کا صدمہ سے انتقال ہو گیا اور دوسرے شاگرد سید
 ظریف عظیم آبادی کے روتے روتے آنکھیں خراب ہو گئیں بعد میں معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی۔
 یورپ میں لذتیت اور افادیت کے دو اخلاقی فلسفے اور مکتب خیال پھلتے پھوتے رہے
 ہیں مشرقی اور اسلامی اخلاقیات پر دونوں اثر انداز ہیں مشرق کا اسلامی فلسفہ اخلاق دونوں
 سے بہت بلند ہے غرض اور نفسانیت، حظ نفس اور انتفاع کے خیال سے بھی پاک ہے۔
 سترہویں صدی عیسوی سے افادیت کا غلبہ ہوتا گیا، مغرب کے علماء اخلاق نے
 دنگے کی چوٹ پر کہنا شروع کیا کہ اخلاق میں سے جس چیز کا فائدہ ظاہر نہ ہو وہ قابل اعتنا
 نہیں ہے لیکن اس فائدہ کی تشخیص تعین کے لئے جو ذہن میزان کا کام دیتا افسوس ہے کہ
 وہ برا برا ذہن پرستانہ بنتا جا رہا تھا اس کی ساخت اور اقتدار و بروز ریزی ہوتی جا رہی تھی کہ کسی
 غیر مادی نفع کے تصور سے وہ قاصر تھا، اور اس بارہ میں اس کی حس اور ذکاوت محدود و محدود تھی نتیجہ یہ تھا کہ
 اخلاق کی تحدید و تصریف افادہ و انتفاع سے کی گئی یہ نازک کام جس حکم و ثمانت کے سپر ہوا وہ اپنی طبعی
 اقتدار و مزاج کی وجہ سے کسی غیر مادی نفع کے تسلیم کرنے کے قابل ہی نہ تھا، اسی طرح انتفاع کی تحدید
 قدرتی اور غیر شعوری طور پر مادی ہو گئی اور علماء فلسفہ اخلاق کا کسی ایسی چیز سے سرکار نہ رہا جس کا
 کوئی مادی و محسوس نفع نہ ہو رفتہ رفتہ یہ مادی ذہنیت اور افادیت ساری زندگی پر چھا گئی۔

یورپ کے ادبیات میں پچھلی صدیوں میں جن الفاظ کا استعمال سب سے زیادہ ہوا ہے اور جو الفاظ یورپ کے لئے آج بھی سب سے زیادہ کشش رکھتے ہیں ان میں ایک لفظ "فطرت" بھی ہے لیکن جن چیزوں کے مقابلہ میں جن مولف پر یہ لفظ بولا جاتا ہے ان سے صاف تعین ہوتا ہے کہ "فطرت" سے مراد فطرت حیوانی ہے جو ہر قسم کے لطیف احساسات اخلاقی ضمیر اور قلب سلیم اور عقل سلیم دونوں سے آزاد ہوتی ہے ہر قسم کی پابندیوں اور حدود سے گھبراتی ہے جس کا تقاضا صرف یہ ہے کہ کھائے پیئے اور آزاد رہے، اس کے لئے حقوق و مطالبات اور انسانی ذمہ داریاں نہیں ہیں انیسویں صدی میں انسان کی اصل قدیم کے متعلق جو تحقیق کی گئی اور جس کو عام طور پر تسلیم کیا گیا وہ ہر شعبہ زندگی میں اثر انداز ہوئی اخلاق پر بھی اس کا محسوس و غیر محسوس اثر پڑا۔

اس کے بعد اب اس دور میں یورپ میں میکا کی عہد شروع ہوا، انسان کا تصور خالص جماداتی ہو گیا اور وہ تھوڑی سی لچک اور زندگی بھی جاتی رہی جو حیوانی تصور میں پائی جاتی ہے۔ مسلمان یورپین محمد اسد صاحب نے یورپ کے اس اخلاقی تغیر پر گہرا اور بخیرہ تبصرہ کیا ہے اگر مغرب کا ذہنی و سیاسی اقتدار مشرق پر اسی طرح قائم رہا اور خود یورپ میں کوئی بڑا انقلاب نہ آیا تو آج مغرب کے متعلق جو کچھ کہا جا رہا ہے، کل مشرق کے متعلق بھی وہی صحیح ہو گا اور اس کے آثار بھی نظر آئے ہیں ہر شعبہ زندگی کی طرح مشرقی اخلاق جدید مغربی سانچہ میں ڈھلتے جا رہے ہیں جو حلقہ مغربی تعلیم و تہذیب سے پورے طور پر متاثر ہیں ان کے اخلاق مغربی فلسفہ اخلاق کا اعلیٰ نمونہ ہیں محمد اسد صاحب لکھتے ہیں:-

(یورپ میں) انسانوں کی ایک ایسی قطع پیدا ہو گئی ہے جس کی اخلاقیات علمی افادیت

کے سوال کے اندر محصور ہے اور جس کے نزدیک خیر و شر کا بلند ترین معیار مادگی یا بیانی ہے

لے ملاحظہ ہو عنوان "ڈارون کے نظریہ ارتقاء کا اثر"

مغرب کے معاشرتی زندگی موجودہ زمانہ میں جس گہری تبدیلی سے گزر رہی ہے اس میں نئی اخلاقی افادیت روز بروز زیادہ سے زیادہ نمایاں ہوتی جا رہی ہے وہ تمام محاسن جو سوسائٹی کے مادی مفاد پر براہ راست اثر انداز ہوتے ہیں مثلاً صنعتی قابلیت، وطن پرستی، قوم پرستانہ احساس جماعت ان کی عظمت بڑھتی جا رہی ہے اور ان کی قیمت میں بعض اوقات غیر معقول طریقہ پر مبالغہ کیا جاتا ہے اگر کے مقابل میں وہ محاسن جن کی ابھی تک محض اخلاقی حیثیت سے قیمت تھی مثلاً محبت پدری یا ازدواجی وفاداری وہ بڑی شہرت کے ساتھ اپنی اہمیت کھو رہے ہیں اس لئے کہ وہ سوسائٹی کو کوئی نمایاں مادی فائدہ نہیں پہنچاتے اس زمانہ کی جگہ جس میں خاندانی روابط کا استحکام ہی خاندان اور قبیلہ کی خیر و فلاح کے لئے ضروری تصور کیا جاتا تھا، مغرب جدید میں اس زمانہ نے لے لی ہے جو وسیع تر عنوانات کے تحت اجتماعی تنظیم کرتا ہے ایک ایسی سوسائٹی میں جو بنیادی طور پر صنعتی ہے اور جس کی تنظیم تیز رفتاری کے ساتھ خالص میکا کی خطوط پر کی جا رہی ہے ایک فرد کا بڑا ٹاؤ اپنے والد کے ساتھ کوئی معاشرتی اہمیت نہیں رکھتا جب تک کہ یہ افراد اس عام معیار شرافت کے حدود کے اندر ایک دوسرے سے بڑاؤ کرتے ہیں جو سوسائٹی نے افراد کے باہمی بڑاؤ کے لئے مقرر کر دیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یورپین باپ کا اقتدار اپنے بیٹے پر برابر کم ہوتا جا رہا ہے اور بیٹے کے دل میں اپنے باپ کی طرف سے عزت و احترام کا جذبہ روبہ زوال ہے ان دونوں کے باہمی تعلقات تیزی کے ساتھ قابو سے باہر ہوتے جاتے ہیں اور عملاً ایک ایسی مشینی سوسائٹی کے ذریعہ ان تعلقات کا خون ہو رہا ہے جس میں افراد کے باہمی حقوق کے منسوخ کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے اور جس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ خاندانی

رشتہ داری کے پیدا کئے ہوئے حقوق بھی ختم ہوتے جاتے ہیں؟

پست ہمتی وتن آسانی

اسلامی مشرق میں انسان کی ترقی اور کمال کا معیار بہت بلند تھا، اس کے لئے دین و دنیا اور علم و عمل کی جامعیت بہت سے متفرق انسانی صفات، اوصاف اور انسانی کمالات بہت سے ایسے منتشر شعبوں کا اجتماع ضروری تھا، جن میں اس زمانہ کی پست ہمتی اور کوتاہ نظری تضاد سمجھتی ہے اور کسی فرد انسان میں ان کے بیک وقت اجتماع کے تصور سے اکثر قاصد پوری دنیا کے اسلام میں سے صرف ہندوستان کے مسلمان سلاطین اور ان کے امراء و وزراء کی سیرت پر ایک نظر ڈال لیجئے، آپ کو عالی ہمتی، بلند جوہلی، کمالات و خصوصیات کے تنوع، قبائے شاہی کے اندر درویشی، مہارتِ سیاسی کے انہماک و تن دہی کے ساتھ عبادت کی مشغولیت و سرگرمی، علمی ذوق و مطالعہ کے ایسے نادر نمونے ملیں گے جن کی نظیر عام انسانی تاریخ میں ملنی آسان نہیں اور جن کی تصدیق میں اس زمانہ کا تنگ ظرف ذہن اور انسانی ترقی و کمال کا محدود تصور بار بار دقتیں محسوس کرے گا۔

سلطان شمس الدین التمش کی سلطنت کی وسعت اور اس کی ملکی سیاسی مصروفیت کا حال تاریخ ہندوستان کا ہر طالب علم جانتا ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی قابلِ محاذ ہے کہ اس کی انتظامی مشغولیت شاہانہ ضروریات و مطالبات جنگوں اور سفروں کی کثرت اس کی مذہبی پابندی اور معمولات میں مطلق حادج نہ تھی، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے وصیت فرمائی تھی کہ میری نماز جنازہ وہ شخص پڑھائے جس کی کبھی عصر کی سنتیں اور تکبیرِ اولیٰ فوت نہ ہوئی ہو، جب اس وصیت کا اعلان کیا گیا تو سلطان آگے بڑھا اور اس نے نماز پڑھائی۔

سلطان غیاث الدین بلبن، ناصر الدین محمود، فیروز تغلق کی مذہبی زندگی اور مذہبی پابندی کا حال کوئی چھپا ہوا واقعہ نہیں۔

سلاطین گجرات بالخصوص دین و دنیا کی جامعیت اور جنیدی دار دشیری کا بہترین نمونہ تھے، محمود شاہ اول (م ۵۹۱ء) اور اس کے بیٹے مظفر شاہ حلیم (م ۵۹۳ء) کے حالات اس کی بہترین شہادت ہیں۔

مؤرخ ہندوستان مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب مظفر شاہ حلیم کے حالات ذکرہ یادایام میں لکھتے ہیں:-

”محمود شاہ کے بعد اس کا فرزند رشید نعم الخلف لستم اسلف کا صحیح مصداق مظفر شاہ حلیم تلج و سریکا مالک ہوا، علوم و فنون میں یہ علامہ محمد ابن محمد الایچی کا شاگرد تھا اور حدیث علامہ جمال الدین محمد بن عمر بحر قزوینی سے پڑھی تھی، قرآن مجید حفظ کر لینے کا شرف ایسی عمریں اس کو نصیب ہوا تھا جس کی نسبت شیخ سعدی فرماتے ہیں

— درایام جوانی چنان کہ افتد دانی اس فضل و کمال کے ساتھ تقویٰ اور عزمیت

کی دولت بھی اس نے خدا داد پائی تھی، تمام عمر نصوص احادیث پر عمل رہا، ہمیشہ با وضو رہتا، نماز جماعت کے ساتھ پڑھتا، روزے عمر بھر نہیں چھوڑے، شراب ناب کو کبھی منہ سے نہیں لگایا، کبھی کسی پر بے جا سختی نہیں کی، بد زبانی سے اپنے منہ کو گندہ نہیں کیا، عجیب تربات یہ ہے کہ اس پیکر تقدس میں سپہ گری اور ملک داری کی صفیتیں بھی علی وجہ الکمال مجتمع تھیں، مالوہ کی فتوحات عظیمہ تاریخوں میں پڑھئے اور ان سے اس کے اخلاق فاضلہ کا اندازہ کیجئے، جس وقت محمود شاہ دوم مالوہ کی غفلت و دور تدبیری سے اس کے وزیر مندلا رائے نے زمام حکومت کو اپنے ہاتھ میں کر لیا تو شاہ کو

بے دخل کر دیا اور شعائر اسلام کو مٹا کر رسوم کفر کی ترویج شروع کر دی مظفر شاہ حلیم علیہ الرحمہ کی رگِ حمیت کو جنبش ہوئی اس نے افواجِ قاہرہ کے ساتھ مالوہ کی جانب نہضت فرمائی اور کوچ در کوچ کرتا ہوا مانڈو پہونچا اور اس کا محاصرہ کر لیا مندی رائے نے یہ سمجھ کر کہ وہ خود تابِ مقاومت نہیں لاسکتا رانا ساٹکا کو پیش بہا تھا اٹھ لاکھ دے کر اپنی مدد کے واسطے بلایا وہ ہنوز سارنگ پور تک نہیں پہونچا تھا کہ مظفر شاہ حلیم نے اس کی مدارات کے لئے اپنی فوج ظفر موج کا ایک معقول حصہ آگے کو روانہ کر دیا جس سے رانا کو آگے بڑھنے کی جرأت نہ ہو سکی اور قبل اس کے کہ مندی رائے کو اطراف و جوانب سے ملک پہونچے قلعہ کو مستحضر کیا۔

جانِ سخن یہ ہے کہ تسخیرِ قلعہ کے بعد جس وقت مظفر شاہ حلیم اندر داخل ہوا اور امراء ہم رکاب نے شاہانِ مالوہ کے سامانِ تجمل اور خراش و دفائن کو ملاحظہ کیا اور اس ملک کی سرسبزی و شادابی کی اطلاع پائی تو انھوں نے جبارت کر کے مظفر شاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس جنگ میں تقریباً دو ہزار سوار جرار درجہ شہادت کو پہونچ چکے ہیں، یہ مناسب نہیں ہے کہ اس قدر نقصان اٹھانے کے بعد پھر ملک کو اسی بادشاہ کے حوالے کر دیا جائے جس کی سوتہ تدبیر سے مندی رائے نے اس پر قابو پایا تھا بادشاہ نے یہ سنتے ہی سیر موقوف کی اور قلعہ سے باہر نکل کر محمود شاہ کو ہدایت فرمائی کہ اس کے ہم رکاب لوگوں میں سے کسی کو قلعہ کے اندر نہ جانے دے، محمود نے باصرا تمام اس بات کی انتہا کی کہ بادشاہ چند روز قلعہ کے اندر آرام فرمائیں، مگر مظفر شاہ نے اس التجا کو قبول نہ فرمایا اور بعد کو خود ظاہر کیا کہ میں نے یہ جہاد و غزائے حق کی رضامندی حاصل کرنے کو کیا تھا مجھ کو امراء کی تقریر سے یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ مبادا کوئی خطرہ فاسد

میرے دل میں پیدا ہوا اور میرا خلوص نیت برباد ہو جائے میں نے محو ہو کر کوئی احسان نہیں کیا
بلکہ محمود کا مجھ پر بڑا احسان ہے کہ اس کی وجہ سے مجھ کو یہ سعادت حاصل ہوئی۔

انتقال کے قریب علماء و ارکان دولت کی ایک مجلس میں بادشاہ نے تحدیث بالنعمة کے طور پر
بیان کیا کہ میں خدا کے فضل و کرم سے قرآن کے حفظ کے ساتھ ہر آیت سے متعلق ضروری مسائل
و احکام اباب نزول اور اصول تجوید کا علم رکھتا ہوں، اپنے استاد علامہ جمال الدین محمد بن
عمر محرق سے جن احادیث کی سند لی ہے، وہ مع متن و سند راویوں کے حال کے مجھے حفظ میں فقہ
میں مجھے بفضلہ تعالیٰ وہ درک حاصل ہے کہ حدیث من یردھا لله بہ خیر ایقظہ فی الدین
(جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے) اس کو دین کا فقیہ بنا دیتا ہے) کا مصداق
بننے کی امید رکھتا ہوں، اور اب چند مہینوں سے حضرات صوفیہ و شائخ کے طریق پر تکریم نفس
میں مشغول ہوں اور من تشبہ بقوم فهو منهم کی بنا پر ان کے برکات کی امید رکھتا ہوں، تفسیر
معالم التنزیل ایک باختم کر چکا ہوں دوبارہ پھر شروع کی ہے، نصف تک پہنچ گیا ہوں باقی
امید ہے کہ انشاء اللہ جنت میں ختم کروں گا۔

جمعہ کی نماز کے قریب تمحضر کی کیفیت شروع ہوئی، لوگوں کو حکم دیا کہ نماز پڑھنے جائیں خود
ظہر کی نماز پڑھی اور کہا کہ ظہر کی نماز میں نے تمہارے یہاں پڑھی ہے، عصر کی نماز انشاء اللہ جنت
میں پڑھوں، انتقال کے وقت حضرت یوسفؑ کی یہ دعا زبان پر تھی جو اس درویش بادشاہ کے
بالکل حسب حال تھی:-

رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ
وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَاوِيلِ الْكَلَامِ
پروردگار تو نے مجھے حکومت عطا فرمائی اور
باتوں کا مطلب و تفسیر کا تعلیم فرمایا

علامہ ابنوی کی ضخیم تفسیر جو کئی ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔

فَاِطْرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ
وَلِيٌّ فِى الدُّنْيَا وَالْآٰخِرَةِ تَوَفَّيْ
مُؤْسِلِهٖمَا وَالتَّعٰقِبِيْنَ بِالصَّلٰحِيْنَ ۝
وزمین کے بنانے والے! تو ہی میرا کارساز
ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی! ایسا کہجو
کہ دنیا سے جاؤں تو تیری فرمانبرداری کی
حالت میں جاؤں اور ان لوگوں میں داخل
(یوسف - ۱۰۱)

ہو جاؤں جو تیرے نیک بندے ہیں۔

شیرشاہ سوری (م ۹۵۲ھ) کے اوقات و معمولات کی فہرست جو مؤرخین نے تاریخ میں

محفوظ کر دی ہے ملاحظہ ہو، اس زمانے میں متوسط درجہ کے مشغول انسان کے لئے بھی ان کا التزام
مشکل ہے، چہ جائیکہ اس مصروف ترین بادشاہ کے لئے جس کو پانچ برس کی مدت میں ایک صدی کا کام
کرنا تھا اور جس کو بظاہر اپنی انتظامی و سیاسی مشغولیت سے ایک لمحہ کی فرصت نہیں ہونی چاہیے تھی۔

شیرشاہ تہائی رات رہتی کہ بیدار ہو جاتا، غسل کرتا اور لوازل پڑھتا، نماز فجر سے پہلے اور

ختم کرتا، پھر مختلف صیغوں کے حسابات دیکھتا اور دن کے اہم کاموں کے متعلق حکام و

اہل کاران سلطنت کو ہدایت دیتا اور روزانہ کا نظام عمل بتلاتا تاکہ دن کو موالات کے

اس کو پریشان نہ کریں اس سببے فارغ ہو کر نماز فجر کے لئے وضو کرتا اور عتقا کے ساتھ

نماز فجر پڑھتا، پھر اذکار و اوراد میں مشغول ہو جاتا، اتنے میں حکام سلام کے لئے حاضر

ہوتے بادشاہ نماز اشراق سے فارغ ہو کر لوگوں کی ضروریات معلوم کرتا اور گھوڑے،

علاقے، جاگیریں، اور مال جس کو جیسی ضرورت ہوتی دیتا، پھر اہل مقدمہ اور دادخواہوں

کی طرف متوجہ ہوتا اور ان کی داد دہی اور حاجت براری کرتا، پھر افواج شاہی اور اسلحہ

کا معائنہ کرتا اور فوج کے لئے امیدواروں کی قابلیت کا اندازہ کر کے ان کے تقرر

کا حکم دیتا، پھر ملک کی روزانہ آمدنی اور مالیہ کا معائنہ کرتا، پھر ارکان سلطنت، اُمراء و

سلطنتوں کے سفر اور وکلا حاضر ہوتے ان سے گفتگو کرتا، پھر حکام اور اہل کاروں کی عرضیاں گزرتیں ان کی سماعت کرتا اور حکم لکھواتا، پھر دوپہر کا کھانا تناول کرتا، علمائے و مشائخ بھی دسترخوان پر ہوتے، پھر ظہر کی نماز تک دو گھنٹے اپنے ذاتی کام انجام دیتا اور قیلولہ کرتا، پھر ظہر کی نماز جماعت سے پڑھتا، اس کے بعد قرآن مجید کی تلاوت کرتا اس سے فارغ ہو کر پھر امور سلطنت میں مشغول ہو جاتا، سفر و حضر میں اس نظام الاوقات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی تھی، کہا کرتا تھا کہ بڑا آدمی وہ ہے جو اپنا پورا وقت ضروری کاموں میں صرف کرے۔

سلطان اور نگ زیب عالمگیر کے تفصیلی حالات پڑھئے تو معلوم ہو گا کہ یہ دنیا دار بادشاہ جو کابل و قندھار سے لے کر دکن تک حکومت کرتا تھا اور اس پوری وسیع سلطنت کی بذات خود نگرانی کرتا تھا، اپنی عالی ہمتی اور عزم کی قوت سے اتنا وقت نکال لیتا تھا کہ تمام مہمات ملکی کے ساتھ اول وقت جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا تھا، جمعہ کی نماز جامع مسجد میں ادا کرتا تھا، منوں فی فل کی پابندی کرتا تھا، سخت گرمی میں رمضان کے پورے روزے رکھتا تھا اور رات کو تراویح پڑھتا تھا، رمضان کے عشرہ اخیر میں مسجد میں اشکات کرتا تھا، دو شنبہ، پنجشنبہ اور جمعہ کو ہر ہفتہ روزہ رکھتا تھا، ہمیشہ با وضو رہتا تھا، اذکار و ادعیہ ماثورہ کا پابند تھا، روز صبح قرآن مجید کی تلاوت کرتا تھا، اور تمام ملکی و سیاسی مشاغل اور انتشار طبعیت کے ساتھ پوری کجی سے حضرت خواجہ سیف الدین (نسیب حضرت مجدد الف ثانیؒ) سے ایسا استفادہ باطنی کرتا تھا کہ وہ اپنے والد النبیؒ (حضرت خواجہ محمد مصومؒ) کو اس میں آثار ذکر کے ظاہر ہونے کی اطلاع دیتے ہیں روزانہ کی مصروفیتوں کے ساتھ اور اتنا وقت نکال لیتا تھا کہ فتاویٰ عالمگیری کو جو اس کے حکم سے علماء ترتیب دے رہے تھے روز کار و روز سنا تھا اور مشورہ دیتا تھا۔

نالگیر کی تخت نشینی کا زمانہ کتنا پر آشوب اور ملامت خیز تھا، اسی زمانہ میں اس کو سلطنت کی
 از سر نو تنظیم کرنی پڑی، اٹھے ہوئے فتنوں کو دبانا پڑا لیکن یہ عالمگیر ہی کی عزیمت تھی کہ اس زمانہ
 میں جیسا کہ سر اٹھانے کی مہلت نہ تھی اس قرآن مجید حفظ کرنے کے لئے وقت نکال لیا اور اپنی کتاب
 "اربعین" کی جس میں اس نے چالیس حدیثیں جمع کی تھیں، شرح لکھی، عالمگیر کا شعر ہے
 عجم عالم فراواں است و من یک غنچہ دل دارم
 چنان در شیشہ ساعت کنم ریگ بیاباں را
 لیکن اس نے اس "شیشہ ساعت" میں جس طرح اس "ریگ بیاباں" کو بند کیا
 وہ اس کی مندرجہ بالا خصوصیات سے ظاہر ہے۔

امراء اور وزراء میں دیکھئے تو آپ کو عبدالرحیم میرم خان خاناں جملۃ الملک سد اللہ خان
 غلامی، عبدالدین محمد بن محمد الایچی، اختیارخان، افضل خان اور مسند عالی عبدالعزیز آصف خان
 جیسے جامع کمالات بزرگ نظر آتے ہیں ان میں سے صرف دو (عبدالرحیم خان خاناں اور
 آصف خان) کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے۔

عبدالرحیم خان نے درسی کتابیں مولانا محمد امین انجمنی اور قاضی نظام الدین بخارا
 سے پڑھیں اور حکیم علی گیلانی اور علامہ فتح اللہ شیرازی سے علمی استفادہ کیا، پھر جب گجرات میں قیام
 کا موقع ملا تو علامہ وجیہ الدین بن نصر اللہ گجراتی سے مزید تحصیل علم کی، ان اساتذہ وقت کے
 علاوہ اس کا دوبار اہل کمال اور ماہرین فن کا مرکز تھا، ان سے برابر علمی مذاکرہ و استفادہ جاری
 رہتا تھا، یہاں تک کہ تمام علوم و فنون میں تبحر پیدا کر لیا، اکثر اصنافِ علم و ادب میں ذوقِ سلیم
 ناقدانہ نظر اور فیصلہ کن رائے رکھتا تھا، زبانِ دانی میں دیکھئے تو اس کو مفت زبان کہنا صحیح ہوگا
 عبدالرزاق خوانی آثار الامراء میں لکھتا ہے کہ عربی، فارسی، ترکی اور ہندی زبانوں میں ہمارا کامل

رکھتا تھا، ان سب زبانوں میں فصاحت و طلاق سے گفتگو کرتا اور بے تکلف آباد شکر کرتا۔
 ان علمی کمالات کے ساتھ فنون جنگ اور سپہ گری میں کیتاے روزگار اور شجاعت و بہادری
 میں نامدار تھا، گجرات و سندھ اور دکن کی فتوحات اس کی شجاعت و خوش تدبیری کی یادگار ہیں۔
 اخلاق و کرم کے لحاظ سے دیکھئے تو تمام مؤرخ اس کے خُبر خلق، نرم خوئی، بردباری،
 خاکساری اور تواضع کے تناخواں ہیں۔

داد و دہش اور سخاوت کی حیثیت سے دیکھئے تو یہ غلام علی بلگرامی شہادت دیتے ہیں کہ اگر
 عبدالرحیم خان خانان کے انعامات اور صلے ترازو کے ایک پیرے میں رکھے جائیں اور تمام
 شاہانِ صفویہ کے انعامات اور زرِ پاشی ایک پیرے پر ہو تو عبدالرحیم کا پیرا بھاری رہے گا۔
 علی ذوق و مطالعہ کے انہماک کا عالم یہ تھا کہ عین میدانِ جنگ میں گھوڑے کی پٹھ پر کتاب کے
 اجزا ہاتھ میں کھلے ہوئے ہوتے، نہانے کا وقت بھی کتاب سے خالی نہ ہوتا، خدام کتاب کھولے ہوئے
 سامنے کھڑے ہوتے، نہانے کے ساتھ ساتھ کتاب کا مطالعہ جاری رہتا۔

دینی رجحان اور طبیعت کی صلاحیت کا اندازہ اس سے ہوگا کہ حضرت مجددِ اہل ثانی کی
 نگاہِ التفات اور نظرِ انتخابیے محفوظ تھا اور اُن خوش قسمت افراد میں شامل تھا، جن کو حضرت مجددِ دہلی
 کے مکتوبِ اہیہ اور متحد علیہ ہونے کا شرف حاصل تھا، مجددِ صاحب کے مکتوبات سے اُن کے قلبی تعلق
 اور گہری ارادت کا پتہ چلتا ہے۔

آصف خاں وزیرِ گجرات کا حال پڑھئے تو جامعیت و بالکالی کی ایک دوسری تصویر نظر آئے گی۔
 عبدالعزیز نام تھا، حمید الملک کے بڑے بیٹے تھے، کچھ کتابیں والد سے پڑھیں، حدیث و فقہ
 قاضی برہان الدین نہروالے سے حاصل کی، علومِ حکمیہ میں ابو الفضل گادرونی اور ابو الفضل استرابادی

کے شاگرد تھے، علوم و فنون کی تحصیل سے فراغت ہوئی تو دربار شاہی میں پہنچے، بہادر شاہ کے زمانہ میں وزارت ملی، محمود شاہ کے زمانہ میں وکالت مطلقہ کے عہدہ پر سرفراز ہوئے باوجود ان مناصبِ جلیلہ کے درس و تدریس اور مذاکرہ علمی کا مشغلہ آخر وقت تک قائم رہا۔

بعض سیاسی انقلابات کی وجہ سے ایک عرصہ تک آصف خاں نے مکہ معظمہ میں قیام کیا، وہاں علماءِ حرمین اور بلادِ دوامصار کے باکمال ان کے علمی و ملی کمالات، دینی استقامت و عزیمت اور عبادت کی مشغولیت دیکھ کر انگشتِ بزدان رہ گئے، علامہ عصر ابن حجر کی نے تو ان کے فضائل و مناقب میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے، (اور غالباً کسی ہندی کے مناقب میں ایک مسلم الثبوت عالم کی یہ پہلی تصنیف ہے) جس میں ان کے فضل و کمال، تقویٰ و تقدس کی بڑی مدح سرکاری کی ہے۔

علماءِ حرمین کی شہادت ہے کہ جواری و خدام اور جاہ و شتم کے باوجود ان کی زندگی کرسنہ میں بالکل زاہدانہ تھی، قرآن کے دس پارے تہجد میں پڑھتے، ابن حجر کی کی شہادت ہے کہ مکہ معظمہ کے دس سال قیام میں سجدِ حرام میں ان کی کوئی جماعت فوت نہیں ہوئی، ان کی قیام گاہ مطاوع کے محاذی تھی، کبھی نوافل، ذکر و تسبیح، مراقبہ مطالعہ کے علاوہ ان کو کسی حال میں نہیں دیکھا گیا، اونچی اونچی کتابوں کا درس اور علماء سے علمی مذاکرہ بحث و تحقیق کا سلسلہ برابر جاری رہتا، علماءِ حرم بڑے شوق سے ان کی علمی مجالس میں شریک ہوتے، اعلیٰ درسی اور دینی فنون کی منتہیاء کتابوں کے اشکالات پر فاضلانہ و محققانہ گفتگو و تحقیق ہوتی۔

علمی سرپرستی اور قدردانی کا یہ عالم تھا کہ ابن حجر کی لکھتے ہیں کہ جس زمانہ میں آصف خاں مکہ معظمہ میں آکر رہے تھے، تو عجیب طرح کی رونق مکہ معظمہ میں پیدا ہو گئی تھی، علماء و فقہا ان کی صحبت کو غنیمت سمجھتے تھے، علم کا چرچا بڑھ گیا تھا، اور کمر والوں نے تحصیلِ علم میں بڑی کوشش کی تھی، طلبہ ہر طرف سے سمت آئے تھے اور انھوں نے حصولِ علم پر مستقل توجہ کی اور دقائقِ علمی کی

اس غرض سے جستجو و تلاش کی کہ آصف خاں کے سامنے ان کو پیش کریں اور روبرو پیدا کریں، اور مشکلات فن کو محفوظ کیا تاکہ ان کے ذریعہ سے ان کا تقرب حاصل کریں یہ سب اس وجہ سے تھا کہ انھوں نے اہل علم پر احسان و کرم کے دائرہ کو اس قدر وسیع کر دیا تھا کہ جس کی نظر ان کے معاصرین میں بلکہ ایک مدت سے موقوف تھی یہاں تک کہ مکہ معظمہ میں ہر گلی کوچہ میں ان کو اس طرح دعائیں دی جاتی تھیں جس طرح بلیک کی صدائیں ایام حج میں بلند ہوتی ہیں۔

آصف خاں کے فضائل و کمالات کی دُور دُور ایسی شہرت ہوئی کہ سلطان ترکی نے ان کی ملاقات کی آرزو ظاہر کی اور شریف مکہ کے توسط سے شاہانہ اعزاز و اکرام کے ساتھ قسطنطنیہ بلایا، اور بڑی توجہ و اعزاز کے ساتھ اس جامع کمالات ہستی سے گفتگو کی۔

ایک رفیق سفر نے جس نے مکہ معظمہ سے قسطنطنیہ تک آصف خاں کے ساتھ سفر کیا تھا بیان کیا کہ اس پورے سفر میں آصف خاں نے کبھی کسی شخصیت پر غل نہیں کیا، ہمیشہ اسی طرح عزیمت پر عمل کرتے رہے جیسے اقامت میں کرتے تھے خسرو پاشا حاکم مصر نے آصف خاں کے لئے ایک خلعت بھیجی اور غیرے با صراحت عرض کیا کہ بادشاہ کی خوشی کے لئے آپ اس کو ایک مرتبہ بدن پر ڈالیں تاکہ کہنے کو ہو جائے آصف خاں نے معذرت کی کہ یہ قیاسی ہے، میں اس کو کسی طرح بدن پر نہیں رکھ سکتا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہر بادشاہ مظفر شاہ حلیم و اورنگ زیب اور ہر امیر و وزیر و جلازم خانِ خانان اور آصف خاں نہیں تھا، لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ انسان کی عظمت و کمال کا معیار اس زمانہ میں عام طور پر بہت بلند تھا، اس کی بڑائی اور کامیابی کے لئے بہت سی ایسی صفات اور کمالات ضروری سمجھے جاتے تھے جو بعد کے زمانہ میں خصوصاً مغرب کے ادبی اقتدار کے دور میں عظمت کی شرائط سے خارج ہو گئے ہیں وہ معیار لوگوں کی نظر کے سامنے ہر وقت رہا کرتا تھا، عوام بھی اس کی توقع کرتے تھے اور اہل ہمت بھی اپنے تئیں ان کا ایسا پابند سمجھتے تھے کہ

ہمیشہ ان کی جدوجہد میں رہا کرتے تھے اور کبھی اس بارہ میں اپنے کو معاف نہیں کرتے تھے دنیاوی عظمت و ترقی کا بلند سے بلند زینہ ان میں دین کی طرف سے دوں تہمتی نہیں پیدا کرتا تھا، دنیاوی مشاغل کا ہجوم اور شدت انہماک، حکومت ریاست و وزارت کی ذمہ داریاں، مذہبی فرائض بلکہ سنن و نوافل کی طرف سے بھی ادنیٰ غفلت پیدا نہیں ہونے دیتی تھیں عیش و عشرت کے وسائل اور دولت، تن آسانی اور راحت طلبی پیدا نہیں ہونے دیتی تھی دوسری چیزوں اور شہوں کے انحطاط کے ساتھ اس عالی ہمتی اور جامعیت میں بھی تنزل ظاہر ہوا، اور وہ نمونے جو ہر زمانہ میں بہ کثرت نظر آتے تھے، خال خال نظر آنے لگے لیکن پھر بھی وہ معیار باقی تھا، اور داغوں و ردوں پر اس کی حکومت تھی اپنے اپنے دور کے عالی ہمت اور صاحبِ عزم افراد اس معیار پر پورا اترنے کے لئے کوشاں رہتے تھے، اور اس کے لئے اپنی راحت و لذت اور خواہشات قربان کرتے تھے، شہر کے انقلاب سے کچھ پہلے اور اس کے بعد ہندوستان کے اہل وجاہت و اہل علم پر نظر ڈالئے، آپ مفتی صدر الدین خاں، نواب قطب الدین خاں، نواب وزیر الدولہ مرحوم والی ٹونک، نواب کلب علی خاں والی رامپور، دارالہمام منشی جمال الدین خاں وزیر ریاست بھوپال، نواب سید صدیق حسن خاں ایسے جامع اوصاف بزرگ ملیں گے جن میں ریاست، لائٹ اور علم و فضل کے ساتھ زاہدوں کا زہد، عابدوں کی سرگرمی، طالب علموں کا انہماک، شوق مطالعہ اور پابھیوں کی چستی جمع تھی اور یہ اس کا نتیجہ تھا کہ زندگی کا نمونہ اور معیار (آئیڈیل) بلند تھا اور ہر زمانہ میں دل و دماغ پر آئیڈیل ہی کی حکومت ہوتی ہے۔

مغرب کے مادی و معاشی دورِ اقتدار و تہذیب میں انسانی زندگی کا قابلِ تقلید نمونہ اور مثالی تصور پست ہو گیا، صرف اچھا کھانا، اچھا پہننا، سوسائٹی میں ممتاز و ممتاز بننا اور ہم چشمیوں میں جاہ و اعزاز حاصل کرنا آئیڈیل بن گیا، پیڑیوں کی سیرت نظروں سے اوجھل ہو گئی

دین و دنیا کی جامع اور ذہنی، علمی روحانی و انتظامی کمالات اور کسبِ حلال کی صفت سے
 متصف ہستیوں کا ذہنی اثر و تسلط ہٹ گیا اور وہ شخصیتیں ذہن پر چھا گئیں اور نمونہ و مثال
 اور زندگی کی کامیابیوں کا منتہی بن کر آنکھوں اور تصور کے سامنے پہاڑ بن کر کھڑی ہو گئیں جو
 اخلاقی و ذہنی حیثیت سے سخت ناقص اعمال و کردار کے لحاظ سے بے حد پست، علمی کمالات
 اور حقیقی صفات سے محروم، اخلاقی سطح کے لحاظ سے مبتذل و رعامی، گھٹیا درجہ کے انسان یا
 معاشی جانور اور روپیہ پیدا کرنے کی بے شعور و بے درشتینیں ہیں تن آسانی اور راحت پسند
 اتنی غالب آ گئی اور تفریحی مشاغل نے زندگی کی اتنی بڑی جگہ گھیر لی کہ عبادتِ دینی فرائض کی
 ادائیگی اور روحانی ضروریات کی طرف توجہ کرنے کے لئے گنجائش نہیں رہی اس وقت ترقی
 یافتہ اور مہذب طبقہ کے نظامِ اوقات پر نظر ڈالئے گا تو قدیم اسلامی تہذیب کے ان نمائندوں
 کے نظامِ اوقات میں اور بیسویں صدی عیسوی کے اس نظامِ اوقات میں اتنا بڑا فرق نظر
 آئے گا کہ ایک قوم اور ملک کے افراد نہیں معلوم ہوں گے اور درمیان میں برسوں نہیں بلکہ صدیوں
 کی مسافت اور سمندروں اور ملکوں کا فاصلہ معلوم ہوگا۔



باب ہفتم

عالم اسلام زندگی کے میدان میں

گذشتہ اسلامی قیادت کے اثرات

گذشتہ صفحات سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ چھٹی صدی مسیحی میں جبے نیابتی کے ساتھ ہلاکت کے غار کی طرف جارہی تھی اور رشتے زمین پر کوئی طاقت نہ تھی جو گرتی ہوئی انسانیت کا ہاتھ پکڑ سکے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نے دنیا کو ایک ایسی جماعت کی قیادت عطا فرمائی جو آسمانی کتاب اور الہی شریعت و قانون رکھتی تھی جس کا ہر قدم خدا کی بخشی ہوئی روشنی میں اٹھتا تھا، اور اگلے میں پڑتا تھا جو دنیا میں حق و انصاف کی علمبردار تھی جو حکومت و قیادت کے منصب پر نبوت کی مستحکم اخلاقی تربیت اور دین کی مکمل تہذیب نفس کے بعد فائز ہوئی تھی، جو کسی قوم کی خدمت گزار اور کسی نسل و وطن کی نمایندہ نہ تھی جس کو انسانیت کا معتدل ترین مزاج اور متوازن ترین طبیعت عطا ہوئی تھی۔

اس جماعت کے وجود نے نوع انسانی کی مجموعی ہلاکت کے راستے میں فوری روک ٹوک کام دیا اور بتدریج انسانیت کو صدیوں تک کے لئے ان تمام فتنوں اور خطرات سے محفوظ کر دیا جو عالم پر محیط تھے اس نے صحیح منزل کی طرف انسانوں کو ساتھ لے کر بڑھنا شروع کیا اس کے اقتدار میں انسانیت کو متوازن ترقی ہوئی اور انسان کی تمام ظاہری و باطنی قوتوں نے

ہم آہنگی اور تناسب کے ساتھ نشوونما اور ترقی حاصل کی اور ایک ایسا ماحول قائم ہوا، جس میں انسان کے لئے بہولت اپنے کمال انسانی تک پہنچنا ممکن ہوا۔

اس جماعت کے اثر و نفوذ سے زندگی کا دھارا اور دنیا کی سمت بدل گئی، ایک وسیع پیمانہ کی خود کشی اور عالمگیر خدا فراموشی و خود فراموشی سے ہمہ گیر خدا پرستی اور خود شناسی کی طر زرخ ہو گیا، انسانوں کا مزاج، ذہن اور قلب بدل گیا غلط اخلاقی قدیں اور جھوٹے پیمانے تبدیل ہو گئے، اعلیٰ اخلاقی نمونے معیار کا کام دینے لگے، زندگی اور نظام حکومت کے لئے خالص دینی و اخلاقی تعلیمات نے میزان کا درجہ چال کر لیا، اس کے دور تمدن میں تجارت و صنعت کے ساتھ اخلاق و فضیلت کو بھی عروج ہوا اور فتوحات کی وسعت اور تمدن کی ترقی کے ساتھ اخلاق و روحانیت نے بھی یکساں فروغ پایا، دینی رشتہ، مقاصد کے اتحاد اور صلح و محبت کے دنیا کو جنت کا نمونہ بنا دیا جس میں نہ باہم زور آزمائی تھی نہ رشک کشی، خدا پرستی و پاکیزگی کی راہ جو جاہلیت کی حکومت اقتدار میں کانٹوں سے بھری اور مدت کے ٹھنڈاں پڑی تھی، بے خطر شاہ راہ بن گئی جس پر بے روک ٹوک قافلے جاتے تھے، خدا کی اطاعت جو پہلے مشکل تھی اب آسان اور نافرمانی جو پہلے آسان تھی اب مشکل ہو گئی، دین کی دعوت میں مقناطیس کی کشش اور اخلاقی تربیت، اصلاح میں جبر و تشدد کی طاقت پیدا ہو گئی جس نے لاکھوں نفوس کو یہیمیت کی زندگی اور اخلاق کی پستی سے اٹھا کر روحانی اور اخلاقی ترقی کی انتہائی بلندیوں پر پہنچا دیا، انسانی جوہر و کمالات علم و ذہانت اور طبیعت کی جولانی نے جو عرصہ سے ضائع یا بے عمل صرف ہو رہی تھی، صحیح رخ اختیار کر کے دنیا کو حقیقی ترقی دی غرض انسانیت کا قافلہ منزل مقصود سے قریب ہوا اور اس کا اگلا حصہ منزل پر پہنچ گیا۔

مغربی قیادت اور اس کے اثرات

لیکن قبل اس کے کہ پچھلے مسافر منزل پر پہنچیں، دفعۃً قافلہ ٹھہرا معلوم ہوا کہ قیادت

تبدیل ہو گئی، کاروان سالار کو اس لئے قیادت سے بک دوش ہونا پڑا کہ اس نے قافلہ کی عظمت کا پورا سامان نہیں کیا تھا، ایک اجنبی مسافر نے جس کو قافلہ میں کوئی نہیں پہچانتا، تلوار کے زور اور قوت کی دلیل سے زمام قیادت لے لی ہے۔

اس بے بس انسانی قافلہ کو نیا قافلہ سالار ایک ایسے راستہ کی طرف لے چلا جس میں سخت نشیب و فراز اور بچہ و خم ہیں، جس پردن کی روشنی میں رات کا اندھیرا ہے، قافلہ کے رہو بار بار ٹھوکر کھاتے، منہ کے بل گرتے اور فریاد کرتے ہیں لیکن قافلہ سالار قوت کے نشہ اور جلد پہنچنے کی عجلت میں قافلہ کو سرپٹ لئے جا رہا ہے۔

تیمنیل نہیں واقعہ ہے، دنیا کی زمام قیادت مسلمانوں کے بعد مغرب کی ان قوموں نے اپنے ہاتھ میں لی، جن کے پاس ابتدا سے حکمت الہی کا کوئی سرمایہ اور علم صحیح کا کوئی صاف حشر نہ تھا، نبوت کی روشنی وہاں دراصل پہنچنے ہی نہیں پائی، حضرت مسیح کی تعلیمات کی ایک شعاع جو وہاں پہنچی بھی وہ تحریف و تاویل کے اندھیروں میں گم ہو گئی، انھوں نے اس آسمانی روشنی کی خانہ پزی یونان و روم کے دفتروں کی سیاہی سے کی، جاہلی یونان و روم کا پورا جاہلی ترکہ ان کے میراث میں آیا، اور اسی طور پر ان کے تمام فطری، ذہنی، اخلاقی اور مزاجی خصائص ان میں منتقل ہوئے، محسوسات پرستی، روحانیت سے بے رغبتی، لطف اندوزی و طینت کا غلبہ، غیر محدود شخصی آزادی کا شوق یونان سے اور ضعف ایمان، جارحانہ قوم پرستی، طاقت کی تقدیس اور استثمار (شہنشاہیت) کی روح روم سے منتقل ہوئی، مسیحی تعلیمات کے بچے کچھ سرمایہ کو (جو شاید اصل سے ایک دروس کی بھی نسبت نہیں رکھتا تھا) رومی بت پرستی اور سینٹ پال اور قسطنطین کی منافقت نے ڈبویا اور اگر کچھ

لے مسلمانوں کی مادی کمزوری اور اسباب قوت سے غفلت و کوتاہی کی طرف اشارہ ہے جس کی تکوینی طور پر اس عالم اسباب میں یہ مزا تھی کہ ان کو دنیا کی قیادت سے دست کش ہو جانا پڑا۔
لے مغربی اقوام لے بجلی کی روشنی میں۔

باقی رہا تو علماء مذہب کی تحریک و تاویل نے کھویا، رہبانیت کے جنون نے ماہ پرستی کے رد عمل کو پیدا کیا، ارباب کلیسا کی عیش پرستی اور دنیا داری نے اہل مذہب کی طرف سے بے اعتمادی اور نفرت پیدا کی، حکومت و کلیسا کی کشاکش نے قومی مزاج میں برہمی اور عدم توازن پیدا کیا اور دین و سیاست میں تفریق کی مذہب عقلیت کی نفی کشاکش اور اہل دین کے جمود و نا فہمی اور ارباب کلیسا کے لرزہ خیز مظالم نے برائے نام مذہب کے خلاف نسل اور مذہبی عداوت کا بیج بویا، غلام کار و روشن خیالوں کی عجلت پسندی اور تعصب نے مذہب کا آخری تسمہ بھی کاٹ دیا، اور مذہب کے بے سہ فائدہ سبھی محروم کر دیا آخر کار ساری مغربی قوموں پر مادہ پرستی کا دور آیا اور سارے مغرب پر خدا فراموشی اور اس کے طبعی نتیجے کے طور پر خود فراموشی کا عالم چھا گیا از پرستی مذہب بن گیا، مادیت نے استغراق نے خالص اقتصادی وحدۃ الوجود کا فلسفہ پیدا کر دیا جس کا نعرہ ہے لا الہ الا الخیر اور لا معبود الا البطن:

دوسری طرف زندگی کا صحیح مقصد و مشغلہ اور عالمگیر پیام نہ ہونے کی وجہ سے جارجان قوم پرستی اور وطن پرستی زندگی کا مقصد اور قومی مشغلہ بن گیا، قومی زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے دوسری قوموں سے نفرت و خوف کے جذبات ظہور پذیر ہوئے اور ایک طرف سارے مشرق کو مغرب کے مقابل میں حریف کیپ سمجھ لیا گیا، دوسری طرف اندرونی قومیت کی حربندیوں نے سارے مغرب کو چھوٹے چھوٹے گھرنندوں میں تبدیل کر دیا اور ہمسایہ اور ہمسایہ کے درمیان ایک خط کھینچ دیئے جن کے باہر انسان کا تصور نہیں کیا جاسکتا، استعمار یا امپیریلزم نے ساری دنیا کو بڑھ فروشی کی ایک منڈی (جہاں قوموں کا سودا ہوتا ہے) اور سلطنتوں کی رقابتوں نے دنیا کو لوہار کی بھی بنا دیا جہاں ہر وقت آگ کا کھیل ہے اور لوہے کو تپا کر اور پیٹ کر اپنے کام کے ہتھیار بنائے جاتے ہیں۔

اخلاقی و دینی تعلیمات سے محرومی اور صدیوں کی بے تربیتی کے ساتھ علم و صنعت تحقیق و اکتشافات کی ترقی سے قوت و اخلاق میں کوئی توازن باقی نہیں رہا، انسانوں نے

پرنسوں کی طرح ہو ایں اڑنا اور چھلیوں کی طرح پانی میں سیرنا سیکھ لیا لیکن آدمیوں کی طرح زمین پر چلنا بھول گئے، بے قید اور بے شعور عقل و علم نے ہر رہزن اور قفل شکن کو قفل شکنی کا آلہ اور ہر بدست کو تلوار مہیا کی، سائنس نے بیسویں صدی کے شریر اور نادان بچوں کو کھیلنے کے لئے دھاردار اور خطرناک اور انقسم کئے جن سے وہ اپنے کو بھی زخمی کر رہے ہیں اور اپنے بھائیوں کو بھی بالآخر اندھے بہرے ٹٹس نے ذراتی اور ہیڈ روجن بم کی شکل میں انسان کے ہاتھ میں خود کشی کا ہتھیار دے دیا۔

ان لادینی قوموں کے عہد اقتدار میں انسان اس مذہبی حاسر سے محروم ہونے لگا جو دوسرے انسانی حواس کے ساتھ مشرق کی ہزاروں سال کی زندگی میں لازماً زندگی رہا ہے خدا طلبی کے عمومی ذوق کی جگہ دنیا طلبی کے بحران نے لے لی، اخلاق و معنویات اور حقیقی انسانی صفات و کمالات میں سخت انحطاط اور تنزل ہوا، غرض لوہے اور دھات کو ہر طرح ترقی ہوئی اور آدمیت کو ہر طرح زوال ہوا۔

عالمگیر جاہلیت

اس وقت کوئی ایسی طاقت و رقوم یا جماعت جو ان مغربی قوموں سے عقائد و نظریات کا اختلاف رکھتی ہو اور ان کے جاہلی فلسفہ اور مادی نظام زندگی کی مخالف ہو منظر عام پر نہیں ہے ایسی قوم یا جماعت اس وقت نہ یورپ میں پائی جاتی ہے نہ افریقہ اور ایشیا میں یورپ کے جرمینوں یا ایشیا کے جاپانی یا ہندوستان کے باشندے سب اس جاہلی فلسفہ اور اس مادہ پرستانہ نظام حیات کے قائل و معتقد ہیں یا ہوتے جا رہے ہیں باقی وہ سیاسی اختلاف اور قوموں کی سیاسی کشمکش جو اس وقت مختلف فلسفوں یا جنگوں کی صورت میں نظر آ رہی ہے وہ محض اس بات کی کشمکش ہے کہ اس مادہ پرستی کی منزل مقصود کی طرف لے جانے کا منصب قیادت کس کے ہاتھ میں رہے؟ ایک قوم کی غیرت قومی اس کی روادار نہیں کہ دوسری قوم ایک مدت دراز سے دنیا کی قیادت پر فائز، زندگی کے مسائل و فوائد سے منتفع اور دنیا کے بازاروں، منڈیوں اور نوآبادیوں پر قابض

ہے حالانکہ وہ قوت علم، نظام اور صلاحیت میں اس سے کسی طرح پیچھے اور کمتر نہیں رہا یہ کہ وہ خود کسی اور منزل کی طرف بڑھنا اور دوسری قوموں کو لے جانا چاہتا ہے زمین میں اس نے انصاف قائم کرنا چاہا ہے اور دنیا کا رخ بے دینی اور مادیت سے دین و روحانیت کی طرف، بد اخلاقی سے اخلاق کی طرف، اودھن و شیطان پرستی سے خدا پرستی کی طرف پھیرنا چاہتا ہے تو اس غریب کو نہ اس کا دعویٰ ہے نہ یہ کبھی اس کا ارادہ ہے۔

اشتراکی روس اور سرمایہ دار مغربی ممالک کا فرق

رہا اشتراکی روس جس کا نظام بظاہر موجودہ مغربی قوموں سے جدا معلوم ہوتا ہے تو وہ محض جاہلی مغربی تہذیب کا ایسا پھل ہے جو یک گیلے اس میں اور دوسرے مغربی ملکوں میں صرف امتناز ہے کہ اس نے منافقت اور فریب کا نقاب اپنے چہرے سے ہٹا دیا ہے اور جس فلسفہ اور اخلاق و اجتماعی نظریات کو مغربی قوموں کے مفکر، مصنف، فلسفی اور ادیب اور سیاسی صدیوں سے لکھ رہے ہیں اور وہ قومیں ان کو دل سے مان رہی ہیں اس فلسفہ اور ان اصول و نظریات کو روکنے ایک مرتبہ جرات کر کے اپنے ملک میں نافذ کر دیا ہے اور عملاً اس کو کر کے دکھایا ہے اشتراکی رہنما اس رفتار پر قانع نہ تھے جس رفتار سے یورپ کی قومیں بحاد، لائڈمیت، اباحت (بہر کم کی آزادی) اور ہیمنہ مادیت کی طرف بڑھ رہی تھیں انھوں نے تیز رفتاری کے ساتھ منزل کی طرف قدم اٹھائے اور اس منزل پر پہنچ کر اب وہ چاہتے ہیں کہ دنیا کی قیادت کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لیں اور اقوام عالم کو اس منزل پر لے آئیں جس پر وہ پہنچ چکے ہیں۔

لے خدا کا فکر اور اس کی قدرت مطلقہ کا ایک نمونہ ہے کہ ان سطور کے لکھنے کے چند سال بعد قیاس و ذوق اور اندازوں کے بالکل برخلاف روس میں انقلاب ہو گیا، اور وہاں کی مسلمان آبادی کو بڑی حد تک مذہبی آزادی اور نئی نسل کی تعلیم و تربیت، آج وزارت اور اسلامی ممالک کے سفروں کی آزادی مل گئی جس کی (باقی صفحہ ۳۲۰ پر)

ایشیائی اور مشرقی قومیں

ایشیائی اور مشرقی قومیں اور سلطنتیں مختلف رفتار کے ساتھ تہذیب و سیاست کی اس منزل کی طرف گامزن ہیں جس پر وہ مغربی قوموں کو دور سے دیکھ رہی ہیں، تہذیب و اخلاق و اجتماع کے وہی اصول و نظریات اور زندگی اور کائنات کے متعلق وہی نقطہ نظر اختیار کرتی جا رہی ہیں جو ان مغربی قوموں کا شعار بن چکا ہے، ان کے افراد کی تیر مغربی اقوام کے افراد سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے، ان کو مغربی اقوام غالب سے صرف اتنا اختلاف ہے کہ وہ سیاسی بیداری اور قوم پرستی کی بنا پر غیر ملکی حکومتوں کی بیادت اور اتالیقی پر اب راضی نہیں اور اس کو گوارا نہیں کرتیں کہ مغربی قوموں کی بڑی بڑی سلطنتیں اور شہنشاہیاں قائم رہیں ان غالب قہموں کے افراد اپنی سلطنتوں کے اثر و رسوخ کی وجہ سے مادی فوائد و ثمرات سے متمتع ہوں اور شوکت و عظمت اور عیش و عشرت کی زندگی گزاریں، ان مظلوم مشرقی قوموں کو خود اپنی سر زمین میں یہ فوائد حاصل نہ ہوں ان کو دراصل ان مغربی قوموں کے فلسفہ زندگی اور نظام سیاسی سے بنیادی اور اصولی اختلاف نہیں پورے پورے قوم پرست لٹریچر میں اس کی طرف اشارہ بھی نہیں ملے گا، ان مشرقی اور ایشیائی قوموں کو صرف اس سے اختلاف ہے کہ یہ نظام سیاسی ان کے ملک میں غیر ملکی چلائے ہوئے ہے کہ وہ کم و کاست یا تفصیلات و اجزاء میں کچھ تغیر و ترمیم کے ساتھ یہی نظام اپنے ملک میں خود چلانا چاہتے ہیں، گویا شطرنج کی بساط نہیں اٹھانا چاہتے بلکہ صرف کھیلنے والے بدلنا چاہتے ہیں، پھر ان میں سے بہت سی قوموں کی خود اپنی قدیم جاہلیت ہے جس کے ساتھ ان میں سے بہت سی قوموں نے جاہلیت فرنگ بھی اختیار کر لی ہے اور اب جب کہ بھی ان کو اقتدار حاصل ہوگا

(باقی ص ۳۱۹ کا) چند سال پہلے پیشین گوئی کرنی بھی شکل تھی بِقَلْبِ اللَّهِ الْيَلِيلُ وَالنَّهَارُ، إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ، اللہ تعالیٰ اس صورت حال کو قائم رکھے اور بڑھائے۔

وہ ان دونوں جاہلیتوں کے بہترین عناصر و اجزاء برائے کار لائیں گے۔

مسلمان جاہلیت کا حلیف

طرح تاشا یہ ہے کہ جاہلیت کا قدیم نسلی حریف (مسلمان) بھی اس زمانہ میں دنیا کے بہت سے گوشوں میں جاہلیت کا حلیف بن گیا ہے اس کو اس نے اپنی دوستی اور وفاداری کا اطمینان دلایا ہے اور دنیا کے بعض حصوں میں اس نے ان مغربی جاہلی قوموں کے لئے رضا کارانہ خدمات انجام دی ہیں جاہلیت کی اس سے بڑھ کر کیا کامیابی ہو سکتی ہے کہ بعض مسلمان قومیں اور سلطنتیں اور بعض مسلمان جماعتیں ان قوموں اور سلطنتوں کو اپنا حامی و سرپرست اور حق و انصاف کا علمبردار سمجھنے لگی ہیں جو اس زمانہ میں جاہلی تحریک کی علمبردار ہیں اور جنہوں نے جاہلیت کے ترہدہ میں زندگی کی نئی روح پھونک دی ہے عام مسلمان دنیا کی قیادت کا خیال ہی چھوڑ چکے ہیں اور اسلامی جیش کے قائد بننے کے بجائے جاہلیت کے گرد کاررواں بننے پر قائل ہیں اور اس پر بڑا فخر محسوس کرتے ہیں۔

افراد میں جاہلی مغربی اخلاق اس طرح سرایت کرتے جا رہے ہیں جس طرح درختوں کے رگ رویش میں پانی اور تاروں میں بجلی دوڑ جاتی ہے اسلامی ممالک میں مغربی مادیت اپنی پوری شان کے ساتھ دیکھنے میں آتی ہے خواہشات نفس کی اندھا دھند پیروی زندگی کی نہ بچھنے والی پیاس اور نہ مٹنے والی بھوک اس قوم میں بھی پیدا ہوتی جا رہی ہے جس کے نزدیک آخرت کی زندگی اہل زندگی ہے مغربی علوم اور تہذیب کے اثر سے آخرت کا خیال روز بروز کمزور ہوتا جا رہا ہے اور حیات دنیا کی اہمیت اور کشش بڑھتی جا رہی ہے اعزاز و فخر و جاہ کے حصول میں اور سر بلندی اور سرفرازی کی کوشش میں بلند حوصلہ اور ترقی پسند مسلمان یورپ کے ترقی یافتہ لوگوں کے نقش قدم پر ہے اصول و اخلاق پر نوازا اور مصلحتوں کو ترجیح دینے کا مرض پھیل گیا ہے مادی قوموں کی تقلید میں ظاہر نامائش اور کھوکھلے مظاہر کی گرویدگی بڑھ گئی ہے انسانوں کی بندگی قوت اور دولت کے سامنے سرفرازی کی

اور شاہ پرستی میں کہیں کہیں یہ موجد اور مجاہد امتِ مُشرک اور غلامِ طینت قوموں سے زیادہ ممتاز نظر نہیں آتی۔

امیت کی شعاع

یہ سب کچھ ہے مگر اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں یہیں امیت کی شعاع نظر آتی ہے، دوسری قومیں آسمانی ہدایت اور پیغمبروں کی تعلیم و حکمت کے سرمایہ کو یکسر کھو چکی ہیں اور صدیوں پہلے ان کے سفینوں اور ان کے سینوں میں یہ روشنی گل ہو چکی ہے، ماضی و حال کو مربوط رکھنے والے رشتہ کے ایک تاریک زمانہ کا ہاتھ کاٹ چکا ہے، ان قوموں کی مذہبی اصلاح کی تاریخ بتلاتی ہے کہ ان میں دینی تجدید و اجراء کی دعوت کوئی وسیع انقلاب برپا نہیں کر سکتی اور کوئی بڑی تبدیلی پیدا نہیں کر سکتی، گو سالہ کے اس نن مردہ میں کوئی سامری، مذہبی اور اخلاقی زندگی کی نئی روح نہیں پھونک سکا، مادہ پرستی، دولت و قوت پرستی پورے طور پر ان پر حاوی ہو چکی ہے، جاہلیت کے قطع کئے ہوئے لباس یکے بعد دیگرے ان کے جسم پر چھپتے ہو سکتے ہیں مگر دین کا لباس ان کے قامت پر راست نہیں آتا، جاہلیت کے بالکل مخالف اور متوازی نظامِ دین و اخلاق و معاشرت و اجتماع و سیاست کو ان کا صدیوں کا بنا ہوا دماغی سانچہ اب قبول نہیں کرتا۔

اس کے برخلاف مسلمانوں کا دینی سرمایہ اور آسمانی ہدایت و حکمت کا حشرِ شہِ محفوظ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور صحابہ کرام کی زندگی جس میں پوری اُمت کی تخلیق کی قوت ہے ان کے پاس موجود ہے، پھر اصحابِ تجدید کا ایک غیر منقطع سلسلہ اور اصلاح و انقلاب کی دینی دعوت کا ایسا تسلسل ہے جس نے امت کو کسی دور میں بھی جاہلیت میں گم ہو جانے کا موقع نہیں دیا، جاہلیت کا خالص مادی نظامِ اسلامت کا ذہن (جب تک کہ اس کا سانچہ توڑ کر

از سر نو نہ بنایا جائے) پورے طور پر منہم نہیں کر سکتا اور سلمان جاہلیت کی شیرازی میں اس طرح فٹ نہیں ہو سکتا جس طرح ایک ڈھلاڈھلایا پرزہ فٹ ہو جاتا ہے۔ ظفر اقبال

دین الہی کا علمبردار اور دنیا کا محتسب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان بدر میں فرمایا تھا:-

اَللّٰهُمَّ اِنْ تَهْلِكْ هَذِهِ الْعَصَاةُ لِيُتْرَكَ لَكَ اِسْمُكَ فَاجْعَلْ لِيْ جَلَدًا كَلْبًا
لاَّ تُعْبَدُ۔ تو پھر تیری عبادت نہ کی جائے گی۔

مسلمانوں کے سارے نقائص کے باوجود یہ حقیقت اب بھی اسی طرح باقی ہے، جاہلیت دنیا کے لئے جو نقشہ رکھتی ہے اور جس نقشہ پر وہ آج دنیا کو چلا رہی ہے اس کے خلاف اگر کوئی نقشہ ہے تو صرف مسلمانوں کے پاس ہے اگرچہ مسلمان خود اس کو بھولے ہوئے ہیں لیکن نقشہ ابھی ضائع نہیں ہوا اور نہ کبھی ضائع ہو سکتا ہے، مسلمان اپنے دین کے رے دنیا کے محتسب اور خدائی فوجدار ہیں جس دن وہ بیدار ہوں گے اور اپنا فرض منصبی انجام دیں گے وہ مشرق اور مغرب کی قوموں کے لئے روز حساب ہوگا، انھیں کے خاکستر میں وہ چنگاری دلی ہوئی ہے جو کسی نہ کسی دن بھر ملک کر جاہلیت کے خرمین کو جلا کر خاک کر دے گی۔

علامہ اقبال مرحوم نے اس حقیقت کو نظام جاہلی کے علمبردار و صدر نشین ابلیس کی زبان سے ادا کروایا ہے "۱۹۳۶ء کی مجلس شوریٰ" میں شیاطین عالم نے جمع ہو کر ان خطرات کو پیش کیا جو ابلیسی نظام کے لئے سخت تشویش اور پریشانی کا باعث ہیں اور جن کی طرف جلد متوجہ ہونے کی ضرورت ہے ایک شیر نے جمہوریت کا نام لیا، اور اس کو "جہان نو کا تازہ فتنہ" بتلایا، دوسرے نے اشتراکیت سے سخت خطرہ ظاہر کیا اور ابلیس کو مخاطب کر کے کہہا

فتنہ فردا کی ہیبت کا یہ عالم ہے کہ آج کانپتے ہیں کوہ سار و مرغزار و جوئبار
میرے آقا! وہ جہاں زیر و زبر ہوئے کوہے جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار
صدر مجلس (ابلیس) نے اپنے مشیروں کو ان فتنوں سے اطمینان دلایا اور اپنی گہری او
اندرونی واقفیت کی بنا پر ان کی اصل حقیقت بیان کی جو ان کا ظاہر میں نگاہ سے پوشیدہ
رہ گئی تھی اور ان فتنوں کا نوڑ بتایا جس کا اس نے پہلے سے انتظام کر لیا تھا۔

آخر میں اس نے اپنے نقطہ نظر سے اصل خطرہ کا ذکر کیا جس کے لئے اگرچہ اس نے انتظامات
سوچ لئے ہیں مگر مستقبل کی خطرناکی سے اس کے جسم پر زہ طاری اور راتوں کی نیند حرام ہے وہ کہتا ہے
ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے جس کی خاکستر میں ہے اب تک شراب آرزو
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ کرتے ہیں اشک سحر گاہی سے جو ظالم و ضو
جانتا ہے جس پر روشن باطن ایام ہے مزدکیٹ فتنہ فردا نہیں اسلام ہے
جانتا ہوں میں یہ امت حامل قرآن نہیں ہے وہی سراب اوری بندہ مومن کا دیں
جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری راتیں بے بیضی ہے پیران حرم کی آستین
غصہ حاضر کے تقاضاؤں سے لیکن یہ خون ہونہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں
اخذ را ئین پیغمبر سے سوار ا کھذر حافظ ناموس زن مرد آزار مافریں
موت کا پیغام ہر نوب غلامی کے لئے نے کوئی فغفور و خاقان نے فقیر و رئیس
کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک و صفا منعموں کو مال دولت کا بنانا ہے ایس
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب بادشاہوں کی نہیں! الشر کی ہے یہ زمیں
چشم عالم سے ہے پوشیدہ آئین و ثوب یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محروم اقیں

ہے یہی بہتر الہیات میں ابھار ہے یہ کتاب الشریک تاویلات میں ابھار ہے
وہ اپنے مشرور کو مشورہ دیتا ہے ۵

توڑ ڈالیں جس کی تکبیریں طلسم شمش جہاں
ہونہ روشن اس خدا اندیش کی تاریک رات
تم اسے بیگانہ رکھو عالم کردار سے
تا بساط زندگی میں اس کے سبب ہرے ہوں تا
خیر اسی میں ہے قیامت تک ہے مومن غلام
چھوڑ کر اور دوس کی خاطر یہ جہان بے ثبات
ہے وہی شعر و قصوں اس کے حق میں خوب تر
جو چھپکے اس کی آنکھوں کے تماشائے حیات
ہر نفس ڈرتا ہوں امانت کی بیداری میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتساب کا نشانہ

عالم اسلامی کا پیغام

عالم اسلام کے پاس اب بھی دنیا کے لئے نیا پیغام اور زندگی کی نئی دعوت ہے یہ وہی پیغام
ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے اس کے حوالہ کیا تھا یہ ایک بڑا طاقتور
واضح اور روشن پیغام ہے جس سے زیادہ منصفانہ بلند و برتر اور مبارک پیغام اس پورے عرصہ میں
دنیا نے کسی کی زبان سے نہیں سنا۔

یہ عینہ وہی پیغام ہے جس کو سن کر مسلمان دینہ طیبہ سے نکلے اور تمام دنیا میں پھیل گئے اور
جس کو ایک مسلمان سیغہ نے شاہ ایران کے اس سوال پر کہ تم ہمارے ملک کیسے آئے مختصر لفظوں میں
اس طرح بیان کیا تھا: اللہ نے ہم کو اس لئے بھیجا ہے تاکہ ہم اس کی مشیت کے لوگوں کو بندوں کی بندگی
سے نکال کر اس وحدہ لا شریک کی بندگی میں دنیا کی تنگی سے اس کی وسعت میں اور خدا کے ظلم
و نا انصافی سے اسلام کے عدل و انصاف میں داخل کریں اس پیغام میں آج بھی ایک حرفت کی کمی مٹی
کی ضرورت نہیں آج کی بیسویں صدی کی دنیا کے لئے بھی وہ ایسا ہی نیا اور تازہ اور نازک حال

ہے جیسا چھٹی صدی مسیحی دنیا کے لئے تھا۔

آج بھی لوگ ترائیدہ اور نائزائیدہ تہوں کے سامنے سرسجود ہیں آج بھی اللہ واحد کی بندگی اجنبی و نامانوس ہو رہی ہے آج بھی غیر اللہ کی عبادت و طاقت کا بازار گرم ہے آج بھی خواہشاتِ نفس کا بت برسرِ راہ چل رہا ہے آج بھی اجار و رہبان (عالم درویش) لوگوں میں صاحبِ طاقت اور اہلِ دولت، زعماء و قائدین سیاسی جماعتیں اور ان کے لیڈر اڈائی قنِ دُونِ اَدلّٰی بنے ہوئے ہیں جن کے لئے ویسے ہی قربانیاں پیش کی جا رہی ہیں اور ان کے آستانوں پر اسی طرح سے ناصیہ فرسائی ہو رہی ہے جیسے مہودانِ باطل کے سامنے ہوتی تھی۔

آج عالمِ انسانیت اپنی وسعت، وسائلِ سفر کی فراوانی، نقل و حرکت کی آسانی، اور اقوام و ممالک کے قربِ اتصال کے باوجود پہلے سے کہیں زیادہ تنگ ہے اس وقت کا مادہ پرست انسان اس دنیا میں کسی دوسرے کی ہستی کو تسلیم نہیں کرتا، اور اپنے فوائد اور خواہشاتِ نفس اور خود پرستی کے سوا اس کو کسی چیز سے دلچسپی نہیں خود غرضی نے اس کی بھی گنجائش نہیں چھوڑی کہ کسی لیے چوٹے ملک میں دو آدمی بھی زندہ رہ سکیں تنگ نظر وطن پرستی ہر ایسے انسان کو جو اس کے وطن کے باہر پیدا ہو جانے کا تصور وار ہے نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھتی ہے اس کے ہر کمال کی منکر ہے اور اس کو ہر حق سے محروم کرتی ہے۔

پھر اس زندگی کی یہی سہی وسعت کو ان اہلِ سیاست و حکومت نے اور تنگ کر دیا ہے جو زندگی، وسائلِ معیشت اور خوراک کے سرچشموں اور ذخیروں پر قابض ہیں وہ جس کے لئے چاہتے ہیں اس زندگی کو تنگ کر دیتے ہیں اور جس کے لئے چاہتے ہیں وسیع کر دیتے ہیں بڑے بڑے وسیع نہر اور شاہ دابے زر خیز ملک لوگوں کے لئے بے فیض ہو گئے ہیں قوموں کی قومیں اور پوری پوری آبادیاں نابالغ بچوں اور نا سمجھ یتیموں کی طرح دوسروں کی اتالیقی اور تولیت میں زندگی گزار رہی ہیں،

انسان کا انسان پر اعتماد نہیں رہا، ہر ایک دوسرے کو بدگمانی اور شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اپنا حریف سمجھتا ہے، قرآن مجید کے بلین اور معجزانہ الفاظ کے مطابق زمین اپنی تمام وسعتوں کے باوجود تنگ ہو گئی ہے اور طبیعتیں اندر ہی اندر جھجھنے لگی ہیں تمدن اور حکومت کی نئی نئی بیڑیاں اور غلامی کے طوق لوگوں پر پڑتے جا رہے ہیں، ہر وقت ٹمکیوں اور نئے نئے محاصل کی بھرمار سے مصنوعی قحطوں کا خطرہ ہے، بیرونی اور اندرونی جنگیں سروں پر منڈلا رہی ہیں، فسادا سڑا لگیں اور ہڑتال زندگی کا لازمہ بن گئے ہیں۔

بے شک آج بھی مذاہب کی نا انصافی سے اسلام کے عدل و انصاف کی طرف لانے کی ضرورت ہے، اس روشن خیال اور ترقی یافتہ زمانہ میں بھی ایسے مذاہب پائے جاتے ہیں جن کے عقائد و تعلیمات مضحکہ خیز ہیں، جو اپنے پیروں کو بے عقل اور بے شعور جانوروں کی طرح قابو میں رکھتے ہیں اور ان کو اپنے عقل و تفکر سے کام لینے کی اجازت نہیں دیتے پھر کچھ مذاہب نظام ایسے ہیں جو مذہب کہلانے کے روادار تو نہیں لیکن اپنے تسلط و اقتدار میں اپنی غیر محدود طاقت و حکومت میں، اور اپنے پیروں کی اندھی تقلید اور جوش عقیدت میں قدیم مذاہب کے کسی طرح کم نہیں ہیں، یہ وہ سیاسی نظام اور اقتصادی نظریات ہیں جن پر آج لوگ اسی طرح سے ایمان لائے ہیں، جیسے پہلے مذاہب و ادیان پر ایمان لاتے تھے، یہ اس عصر کی قوم پرستی، وطن پرستی، جمہوریت، اشتراکیت اور اشتمالیت وغیرہ ہے، یہ نئے مذاہب اپنی نارواداری تنگ نظری اور بے رحمی میں قدیم جاہلی ادیان و مذاہب سے بھی بڑھے ہوئے ہیں، کسی سیاسی عقیدہ یا معاشی نظریہ سے اختلاف کی سزا آج اس سے کہیں زیادہ سخت ہے جتنی زمانہ سابق میں کسی مذہب یا عقیدہ سے اختلاف کی تھی، آج جب کسی پارٹی یا اصول کا اقتدار قائم ہوتا ہے تو مخالف جماعت کو زندگی کا حق بھی نہیں دیا جاتا اور اس کو اپنے اختلاف کی سخت سزا بھگتنی پڑتی ہے، اس زمانہ کا

دو بڑی جنگیں کسی مذہبی اختلاف کی بنا پر یا کسی مذہبی گروہ کی تحریک سے نہیں ہوئیں بلکہ محض سیاسی اغراض کے تصادم اور قومی خود غرضیوں کی بنا پر ہوئیں اسپین، چین کی خانہ جنگیاں CIVIL WARS جن کے سامنے چھٹی صدی مسیح کی عیسوی دنیا کی مذہبی خانہ جنگی اور قرون وسطیٰ کی کلیسا اور فن کی کشمکش بھی گزر رہے کسی مذہبی اختلاف کی بنا پر نہ تھیں بلکہ محض ایک سیاسی اصول کے اختلاف اور اقتدار پسند گروہوں کی کشمکش تھی۔

آج بھی عالم اسلامی کا پیغام خدائے واحد کی عبادت اور اطاعتِ مطلق اللہ کے پیغمبروں کی رسالت، بالخصوص آخری اور سب سے بڑے پیغمبر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت اور آخرت کے عقیدہ پر ایمان لانے کی دعوت ہے اس دعوت کو قبول کرنے کا انعام اور صلہ یہ ہوگا کہ یہ عالم تو برتو تاریکیوں سے نکل کر جن میں وہ صدیوں سے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے روشنی کی طرف آجائے گا، اپنے جیسے انسانوں کی بندگی سے وہ نجات پا کر خدائے واحد کی بندگی کی نعمت پائے گا، زندگی کے اس جلی خانہ سے نجات پا کر جس میں وہ صدیوں سے محبوس ہے زندگی کے کھلے میدان اور دنیا کی آزاد فضا میں قدم رکھے گا، اعتقادی اور سیاسی مذاہب کی تکرر بندیوں سے رہائی پا کر وہ دینِ فطرت اور شریعتِ الہی کے سایہٴ عدل میں جگہ پائے گا۔

اس پیغام کی ضرورت و اہمیت کی اس بلندی و برتری جیسی اس زمانہ میں واضح ہوئی ہے اور جیسا آج اس کا سمجھنا آسان ہو گیا ہے ویسا کبھی نہیں ہوا تھا، آج جاہلیت سر بازار، سوا ہو چکی ہے اس کے چھپے ڈھکے عیب کھل گئے ہیں لوگ زندگی سے عاجز ہیں اور اس وقت کے ناخداؤں سے مایوس ہیں، دنیا کی قیادت میں اصولی تبدیلی کا یہ خاص وقت ہے اس وقت تک دنیا کی قیادت میں جو کچھ تبدیلیاں ہوئیں وہ اس سے زائد نہیں

کہ جب کشتی کا ملاح کشتی کھیتے کھیتے تھک جاتا ہے تو وہ کشتی کا پتو اور ایک ہاتھ سے دوسرے میں لے لیتا ہے، جب وہ ہاتھ بھی تھک جاتا ہے تو پھر پتو بدل لیتا ہے، برطانیہ سے امریکہ یا امریکا سے روس کی طرف عالمگیر رہنمائی یا بین الاقوامی اثر و اقتدار کی تبدیلی کی حقیقت اس سے زائد کچھ نہیں کہ ملاح نے کشتی کا پتو اور ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں لے لیا، یہ ناخدا کی تبدیلی یا اصول جہاز رانی کی تبدیلی یا سمتِ سفر کی تبدیلی نہیں، بلکہ صرف دائیں بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

انسانیت کی مشکل کا صرف ایک ہی حل ہے اور وہ یہ کہ عالمگیر قیادت اور زندگی کی جہاز رانی ان مجرم اور انسانیت کے خون سے رنگین ہاتھوں سے نکل کر جنھوں نے انسانیت کے قافلہ کو غرق کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے ان امانت دار، فرض شناس، خدا ترس، تجزیہ کار ہاتھوں کی طرف منتقل ہو جو انسانیت کی جہاز رانی کے لئے روز ازل سے بنائے گئے ہیں، نتیجہ خیز اور کارآمد انقلاب صرف یہ ہے کہ دنیا کی رہنمائی اور انسانیت کی سربراہی جاہلیت کے کیمپے جس میں برطانیہ، امریکہ، روس اور ان کی حاشیہ بردار مشرقی اور ایشیائی قومیں ہیں او جس کی زمام قیادت مُشرَفین اور اکابر مجرمین کے ہاتھوں میں ہے منتقل ہو کر اس امت کے ہاتھ میں آجائے جس کی قیادت انسانیت کے معمارِ اعظم رحمتِ عالم سیدِ اولاد آدم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہے، اور جو اس دنیا کی تعمیر نو اور انسانیت کی نشاۃِ ثانیہ کے لئے محکم اور واضح اصول و تعلیمات رکھتی ہے، اور جس کا ایمان دنیا کو اس وقت کی جاہلیت سے اسی طرح نکال سکتا ہے جس طرح اس نے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے نکالا تھا۔

نیا ایمان

لیکن اس کا عظیم کے لئے عالم اسلام کو خود تیاری اور اپنے میں تبدیلی پیدا کرنے کی ضرورت ہوگی اس کے لئے پہلی تیاری یہ ہے کہ عالم اسلام، اسلام پر نیا اور تازہ ایمان لائے عالم اسلام کو نئے دین، نئے پیغمبر، نئی شریعت اور نئی تعلیم کی قطعاً ضرورت نہیں، اسلام آفتاب کی طرح نہ کبھی پرانا تھا نہ اب پرانا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت دائمی اور آخری نبوت ہے، آپ کا دین محفوظ ہے اور آپ کی تعلیمات زندہ لیکن عالم اسلام کو بلاشبہ نئے ایمان کی ضرورت ہے، نئے فتنوں، نئی طاقتوں، نئی ترغیبوں، نئی دعوؤں کا مقابلہ کمزور ایمان اور مجرد رسوم و عادات سے نہیں کیا جاسکتا، کوئی بوسیدہ عمارت کسی نئے طوفان اور کسی نئے سیلاب کو برداشت نہیں کر سکتی، پھر داعی کے لئے ضروری ہے کہ اس کو اپنی دعوت پر غیر متزلزل یقین ہو اس میں ایک ایسے انسان کا جوش ہو جو کسی نئے عقیدہ پر نیا ایمان لایا ہے، ایک ایسے انسان کا سرور اور سرخوشی ہو جس نے کوئی نیا خزانہ پایا ہو یا نیا ملک دریافت کیا ہو، عالم اسلام اگر دنیا کے انسانیت میں نئی روح اور نئی زندگی پیدا کرنا چاہتا ہے اور دنیا کی موجودہ مادہ پرستی اور شک و اضطراب پر فتح حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کو اپنے اندر نئی ایمانی روح، تازہ یقین اور نیا جوش و خروش پیدا کرنا ہوگا۔

معنوی تیاری

عالم اسلامی کو اس مقدس فریضہ کو ادا کرنے کے لئے معنوی تیاری اور اندرونی

تبدیلی کی بھی ضرورت ہوگی، ظاہر ہے کہ عالم اسلام خدا ناشناس یورپ کا مقابلہ تمدن و تہذیب کے کھوکھلے مظاہر مغربی زبانوں کی مہارت اور زندگی کے اس رنگ ڈھنگ کے اختیار کر لینے سے نہیں کر سکتا جس کو قوموں کی ترقی میں کوئی دخل نہیں، وہ اپنا پیغام اس رُوح اور معنوی طاقت کی مدد ہی سے پہنچا سکتا ہے جس میں یورپ روز بروز دیوالیہ ہوتا جا رہا ہے، عالم اسلام اپنے تدریجی مقابل پر صرف اسی صورت میں غلبہ حاصل کر سکتا ہے کہ وہ اپنے حریف سے ایمان میں فائق ہو، زندگی کی محبت اس کے دل سے نکل چکی ہو، خواہشات نفسانی کے بند سے آزاد ہو چکا ہو، اس کے افراد شہادت کے حریص ہوں، جنت کا شوق ان کے دل میں چٹکیاں لیتا ہو، دنیا کا فانی مال و متاع ان کی نگاہ میں وقعت نہ رکھتا ہو، اللہ کے راستے کی تکلیفیں اور مصیبتیں وہ منسی خوشی برداشت کرتے ہوں، درحقیقت ایک خدا ناشناس منکر آخرت کے مقابلہ میں مومن کا یہی امتیاز ہے، اور اسی بنا پر اس سے یہ توقع کی گئی ہے کہ اس میں برداشت کی طاقت زیادہ ہوگی، قرآن مجید میں ہے:-

وَلَا تَهْوُوا إِلَى ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ إِنَّ
تَتَوَلَّوْا تَأْتُمُّوْنَ فَإِنَّهُمْ يَأْتُمُّوْنَ
كَمَا تَأْتُمُّوْنَ وَتَرْجُونَ مِنَ اللّٰهِ
مَا لَا يَرْجُونَ۔

اور تم اللہ تعالیٰ سے ایسی ایسی چیزوں
کی امید رکھتے ہو جن کی وہ اینٹیں نہیں رکھتے۔

(النساء - ۱۰۴)

واقعہ یہ ہے کہ مومن کی طاقت اور اس کے فتح و غلبہ کا راز یہ ہے کہ اس کو آخرت کا یقین اور اللہ کے اجر و ثواب کی امید ہوتی ہے، اگر عالم اسلامی کے سامنے بھی تمام تر دنیوی دنیاوی مقاصد اور مادی منافع ہیں، اور وہ بھی محض محسوسات و مادیات کے ظلم میں

گرفتار ہے تو یورپ کو اپنی مادی طاقت صدیوں کی تیاری اور وسیع ساز و سامان کی بنا پر غلبہ اور اقتدار کا زیادہ حق ہے۔

عالم اسلام پر ایک طویل دور ایسا گزرا ہے کہ اس کو معنوی طاقت کی قیمت کا کوئی اندازہ نہیں تھا، اور نہ اس کو اس کی حفاظت کی فکر تھی نہ وہ اس کو غذا پہنچانے کی طرف متوجہ تھا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے سوتے خشک ہوتے چلے گئے، اور تیزی سے اس میں انحطاط واقع ہوا اسی عرصہ میں عالم اسلامی کو مختلف مقامات اور مختلف اوقات میں ایسے معرکے پیش آئے جن میں اس کو ایمان و یقین، صبر و تحمل اور ثبات و استقامت کی ضرورت بشدت محسوس ہوئی اور جوان صفات کے بغیر جیتے نہیں جاسکتے تھے جب اسلامی طاقتوں کو دھکا لگا اور انھوں نے اس معنوی طاقت کا سہارا لینا چاہا جس کی جگہ مسلمانوں کے دل تھے تو ان کو اچانک یہ معلوم ہوا کہ یہ طاقت عرصہ ہوا گم ہو چکی ہے اور دل کی انگلیٹھیاں سر ہر ہو چکی ہیں اس وقت عالم اسلامی کو یہ محسوس ہوا کہ اس نے اس روحانی طاقت کی ناقدری کر کے اور اس سے غفلت برت کر اپنے اوپر بڑا ظلم کیا ہے اس وقت اُس نے اپنے ذخیرہ کا جائزہ لیا تو اس کو کوئی ایسی چیز نہ مل سکی جو اس خلا کو پُر کر سکے اور اس نقصان کی تلافی کر سکے۔

اسی عرصہ میں عالم اسلامی کو ایسے معرکے بھی پیش آئے جن میں اسلام کی عزت و حرمت کا سوال تھا اس کو خیال تھا کہ تمام عالم کے مسلمانوں میں قیامت برپا ہو جائے گی اور وہ اسلام کی طرف سے مدافعت، مقامات مقدسہ کی حفاظت اور دینی جوش و حمیت میں از خود درفتہ ہو جائیں گے اور تمام اسلامی ممالک میں آگ سی لگ جائے گی، لیکن عالم اسلام پر ان واقعات کا کوئی خاص اثر نہیں پڑا زندگی کے کام بدستور ہوتے رہے کہیں کہیں

کچھ آواز بلند ہوئی اور خاموش ہو گئی، اور پھر دنیا اپنے کام میں لگ گئی، اس وقت عالم اسلام کے مفکرین اور اہل نظر کو معلوم ہوا کہ دینی حیثیت اور اسلامی احساس کمزور پڑ چکا ہے، اور ایمان کا شعلہ اگر پورے طور پر بجھا نہیں تو بہت دب گیا ہے، اس وقت دوسروں کو بھی عالم اسلام کی یہ کمزوری معلوم ہوئی اور اندرونی انحطاط اور ضحکال کا احساس ہوا، اور اس کا وہ رعب جاندار ہوا جو اس کی مجاہدانہ تاریخ پڑھ پڑھ کے دل و دماغ پر پڑتا ہے۔

آج عالم اسلامی کے قائدین و مفکرین اور اس کی جماعتوں اور حکومتوں کے لئے کرنے کا کام یہ ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں ایمان کا تخم دوبارہ بونے کی کوشش کریں، جذبہ دینی کو پھر متحرک کریں، اور پہلی اسلامی دعوت کے اصول و طریق کار کے مطابق مسلمانوں کو ایمان کی دعوت دیں اور اللہ و رسول اور آخرت کے عقیدہ کی پوری طاقت کے ساتھ دوبارہ تبلیغ و تلقین کریں، اس کے لئے وہ سب طریقے استعمال کریں، جو اسلام کے ابتدائی داعیوں نے اختیار کئے تھے، نیز وہ تمام وسائل اور طاقتیں کام میں لائیں جو عصر جدید نے پیدا کر دی ہیں۔

قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اب بھی زندگی اور طاقت کا ایسا سرچشمہ ہے جس سے عالم اسلام کی خشک رگوں میں زندگی کا گرم اور تازہ خون پھر دوڑ سکتا ہے، ان کے مطالعہ اور اثر سے اس جاہلی دنیا کے خلاف بغاوت کا جذبہ ابھرتا ہے، اور ان کی تاثیر سے ایک نگھتی سوتی قوم ایک پرجوش بے چین اور سرگرم عمل قوم بن جاتی ہے، ان کے اثر سے (اگر ان کو اثر کرنے کا موقع دیا جائے) پھر ایک بار ایمان اور نفاق، یقین اور شک، وقتی فوائد اور مستحکم عقائد، موقع پرست ذہنیت

اور حق پرست ضمیر عقل مصلحت میں اور عرش مصلحت سوز کے درمیان پھر موکر کا زنا گرم ہوتا ہے پھر جسمانی راحت اور قلب کے سکون تن آسانی کی زندگی اور شہادت کی موت کے درمیان کش کش پیدا ہوتی ہے وہ مبارک کش کش جو ہر سمیر نے اپنے اپنے وقت میں پیدا کی تھی اور جس کے بغیر حق و باطل کا فیصلہ اور اس دنیا کی اصلاح و انقلاب کا کوئی کام نہیں ہو سکتا، اس وقت عالم اسلامی کے گوشہ گوشہ اور مسلمانوں کے ایک ایک گھر اور ایک ایک خاندان میں ایسے صاحب ایمان نوجوان پیدا ہوں جن کی تعریف قرآن مجید میں اس طرح کی گئی ہے:-

اِنَّهُمْ فِتْنَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ	وہ لوگ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر
وَزِدْنَاهُمْ هُدًى وَرَبَطْنَا عَلٰی	ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کی ہمت
قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَمَا لَوْ	میں اور ترقی کر دی تھی اور ہم نے ان کے
رَبَّنَا رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	دل مضبوط کر دیے جب کہ وہ (دین میں)
لَنْ نَّذٰعُوْا مِنْ دُوْنِهَا اِلٰهَا	پختہ ہو کر کہنے لگے کہ ہمارا رب تو وہ ہے
لَقَدْ قُلْنَا اِذَا شَطَطَا	جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے ہم تو اس کے
(الکہف ۱۳-۱۴)	چھوڑ کر کسی معبود کی عبادت نہ کریں گے

کیونکہ اس صورت میں ہم نے یقیناً بڑی ہی
بیجا بات کہی۔

اس وقت پھر دنیا میں ایک بار بلال و عمار خباب و ضعیب و صہیب و مصعب بن عمر عثمان بن مظعون اور انس بن النضر کے جوش ایمانی اور ایثار و قربانی کے نمونے نگاہوں کے سامنے آئیں گے جنت کی ہوائیں اور قرن اول کے ایمانی جھونکے دوبارہ چلیں گے

اور ایک نیا عالم اسلام ظہور میں آئے گا جس سے موجودہ عالم اسلام کو کوئی نسبت نہیں۔
موجودہ عالم اسلام کی بیماری، پریشانی اور بے اطمینانی نہیں ہے، بلکہ حد سے
بڑھا ہوا اطمینان و سکون، دنیا کی زندگی پر قناعت اور حالات کے مصالحت ہے، آج
دنیا کا عالمگیر فساد اور انسانیت کا زوال اور ماحول کی خرابی اس کے اندر کوئی بے چینی
نہیں پیدا کرتی، اس کو زندگی کے اس نقشہ میں کوئی چیز غلط اور بے محل نظر نہیں آتی، اس کی
نظر اپنے ذاتی مسائل اور مادی فوائد سے آگے نہیں بڑھتی، اس کی موجودہ افسردگی اور
مردہ دلی کا سبب صرف یہ ہے کہ اس کا پہلو خلش سے اور اس کا دل تپش سے خالی ہے۔

طیب عشق نے دیکھا مجھے تو فرمایا

نرا مرض ہے فقط آرزو کی بے عیسیٰ

اس لئے ضرورت ہے کہ یہ مبارک کش کش پھر پیدا کی جائے اور اس اُمت کا سکون
برہم کیا جائے، اس کو اپنی ذات اور اپنے مسائل کی فکر کے بجائے (جو جاہلی قوموں کا شعار
ہے) انسانیت کا درد و غم، ہدایت و رحمت کی فکر اور آخرت اور محاسبہ الہی کا خطرہ
پیدا ہو، اس اُمت کی خیر خواہی اس میں نہیں ہے کہ اس کے لئے سکون اطمینان کی دعا
کی جائے بلکہ اس میں ہے کہ اس کے لئے درد و اضطراب کی دعا کی جائے اور بر ملا کہا جائے۔

خدا تجھے کسی طوفان سے آتشا کر دے

کہ تیرے بچہ کی موجوں میں اضطراب نہیں

شعور کی تربیت

کسی قوم کے لئے سب سے زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ وہ صحیح شعور سے خالی ہو،

ایک ایسی قوم جو ہر طرح کی صلاحیتیں رکھتی ہو اور دینی و دنیاوی دولتوں سے مالا مال ہو لیکن اس کو نیک و بد کی تمیز نہ ہو وہ اپنے دوست و دشمن کو نہ پہچانتی ہو، کچھلے تجربوں سے فائدہ اٹھانے کی اس میں صلاحیت نہ ہو، اپنے رہنماؤں اور قائدین کا احتساب کرنے کی اور قومی مجرموں کو سزا دینے کی اس میں جرأت نہ ہو وہ خود غرض رہنماؤں کی چرب زبانی و شیریں کلامی سے سحر ہو جاتی ہو اور ہر مرتبہ نیا دھوکا کھانے کے لئے تیار رہتی ہو، وہ قوم اپنی تمام دینی ترقیات اور دنیاوی سرفرازیوں کے ساتھ قابل اعتماد نہیں، وہ پیشہ و راؤ خود غرض رہنماؤں اور منافق قائدین کا کھلونا بن جاتی ہے، ان کو قوم کی سادہ لوحی اور بے شعوری کی بنا پر بن مانی کارروائیاں کرنے کا موقع ملتا ہے، اور ان کو اس کا اطمینان ہوتا ہے کہ کبھی ان کا محاسبہ اور ان سے باز پرس نہیں کی جائے گی۔

مسلم مالک کے متعلق اگر ہم یہ کہنے سے احتیاط کریں کہ وہ بیداری اور شعور سے بالکل محروم ہیں تو اس میں شبہ نہیں کہ ان کا شعور بہت کمزور ہے، اور وہ بیداری کی ابتدائی منزل میں ہیں، افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ خیر خواہ اور بد خواہ کے ساتھ ان کا معاملہ تقریباً یکساں ہے، بلکہ بعض اوقات بد خواہ اور غیر مخلص اشخاص مسلمانوں میں زیادہ ہر دلعزیز اور محترم بن جاتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "مومن سانچے ایک سو رنچ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا" لیکن مسلمان مالک کے باشندے ہزار ہزار بار سے جانے کے لئے تیار رہتے ہیں، ان کا حافظہ نہایت کمزور ہے، وہ اپنے قائدین اور رہنماؤں کے ماضی کو اور ماضی قریب کے واقعات کو فوراً بھول جاتے ہیں، ان کا دینی اور شہری شعور کمزور اور سیاسی شعور تقریباً ناپید ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ غالب قوموں اور خود غرض رہنماؤں کا بازیکچہ، اطفال بنے ہوئے ہیں اور آسانی کے ساتھ ان کا رخ ہر طرف موڑا جاسکتا ہے، حکومتیں ان کی مرضی کے خلاف فیصلے

کرتی رہتی ہیں اور جس طرف چاہتی ہیں ایک لالچی سے ہانک لے جاتی ہیں۔

مغربی قومیں اپنے روحانی اور اخلاقی افلاس اور ان تمام خرابیوں کے باوجود جن کی تشریح ہم نے اس کتاب میں کی ہے شہری اور سیاسی شعور کی مالک ہیں وہ سیاسی طوع کو پہنچ چکی ہیں وہ اپنے نفع و نقصان کو پہچانتی ہیں وہ مخلص و منافق، اہل و نااہل کے فرق کو جانتی ہیں وہ اپنی قیادت ایسوں کے سپرد نہیں کرتیں جو نااہل ضعیف اور خائن ہیں وہ جب اپنے معاملہ کسی کے سپرد کرتی ہیں تو ڈرتے ہوئے اور احتیاط کے ساتھ اور جس مرحلہ پر بھی ان کی نااہلی یا خیا کا اظہار ہوتا ہے اور وہ یہ دیکھتی ہیں کہ وہ اپنی ذمہ داری ادا کر چکے اور ان کا کام ختم ہو گیا تو ان کو وہ اپنے منصب سے سبکدوش کر دیتی ہیں اور ان کی جگہ ایسے لوگوں کو لے آتی ہیں جو ان سے زیادہ اہلیت کے مالک اور موقع کے مناسب ہوتے ہیں اس موقع پر کسی رہنمایا مستعد کی سابقہ خدمات شاندار ماضی اور کسی مکر میں نمایاں کامیابی اس قومی فیصلہ میں حائل نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ وہ قومیں سیاسی پیشہ وروں اور نااہل اور خائن رہنماؤں سے محفوظ ہیں ان کے سیاسی رہنما اور ان کے نمائندے بھی محتاط اور امانت دار بننے پر مجبور ہیں وہ پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں قوم کی سرزنش عوام کے عتاب و احتساب اور رائے عامہ کی قہرناکی سے وہ لرزہ بر اندام رہتے ہیں۔

عالم اسلام کی ایک بہت بڑی ضرورت اور اس کی ایک بڑی خدمت یہ ہے کہ امت کے مختلف طبقات اور عوام میں صحیح شعور پیدا کیا جائے اور جمہور کی عقلی مدنی اور سیاسی تربیت کی جائے یاد رہے کہ تعلیم کی اشاعت اور تعلیم یافتہ اشخاص کی کثرت یہ لازم نہیں آتا کہ قوم میں شعور بھی موجود ہے اگرچہ اس میں شبہ نہیں کہ تعلیم کے عموم اور علوم کی اشاعت سے شعور کے پیدا کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے لیکن شعور پیدا کرنے کے لئے بہر حال مستقل

جدوجہد کی ضرورت ہے، مسلمان رہنماؤں اور مسلمانوں میں اصلاحی کام کرنے والوں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ جس قوم میں غور کی کمی ہے وہ قوم اعتماد کے لائق نہیں، خواہ اس کو اپنے قائدین پر کتنا ہی اعتماد ہوا اور وہ ان کی پیروی اور اطاعت میں کیسی ہی چستی اور سرگرمی دکھائے اور ان کی دعوت پر کتنی ہی عظیم قربانیاں پیش کرے اس لئے کہ جب تک اس کا شعور تیار نہیں اور وہ بالغ نظر اور بچہ خیال نہیں ہوئی ہر آن اس کا خطرہ ہے کہ وہ کسی دوسری دعوت اور تحریک کا آلہ کار بن جائے گی اور ان کی آن میں سالہا سال کی محنت پر پانی پھر جائے گا جس قوم کا شعور بیدار نہیں ہوا اور جس میں خود سوچنے اور اچھا برا سمجھنے کی صلاحیت نہیں پیدا ہوئی، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی پر میدان میں پڑا ہو اور مختلف سمت کی ہوائیں اس کو ادھر سے ادھر اڑاتی پھرتی ہوں۔

اسلام اگرچہ ایک آسمانی مذہب ہے اور اس کی بنیاد وحی و نبوت پر ہے لیکن اس نے بھی اپنے پیروؤں میں ایک خاص شعور پیدا کیا جو شعور کی تمام اقسام میں زیادہ کمال زیادہ وسیع اور کہیں زیادہ گہرا ہے اس نے اپنے ماننے والوں میں ایک خاص قسم کا طریق فکر پیدا کیا جو جاہلی طریق فکر سے بالکل مختلف ہے اس نے اپنے ماننے والوں کو ایک بیدار اور خود ار شعور عطا کیا جو اپنی وسعت اور قدرتی بچک کے باوجود ان افکار و نظریات کو انگیز نہیں کر سکتا جو اس کے مسلمات سے جوڑ نہ کھاتے ہوں اور نہ ان عناصر و اجزاء کو ہضم کرنے کے لئے تیار ہے جو اس کی روح اور اس کے اصول سے تضاد رکھتے ہوں۔

اس اسلامی شعور کی ایک مثال یہ ہے کہ اسلام کی دعوت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت و صحبت سے صحابہ کرام کے ذہنوں میں یہ بات راسخ ہو چکی تھی کہ ظلم ایک قبیح شے اور دینی و اخلاقی جرم ہے جو کسی کے لئے جائز نہیں وہ اس پر ایمان

لاچکے تھے کہ مسلمان کو ہر شخص کے ساتھ انصاف کرنا چاہئے، خواہ وہ قریب ہو یا بید
دوست ہو یا دشمن، اپنا ہو یا بیگانہ، انھوں نے جاہلانہ حمیت اور قومی قبائلی اور خاندانی
تعصبات سے ہمیشہ کے لئے توبہ کر لی تھی اور سمجھ لیا تھا کہ اسلام میں اس اندھے تعصب کی
کوئی جگہ نہیں مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ حق کا ساتھ دے خواہ حق کسی طرف ہو، ان کا
عقیدہ بن گیا تھا، اور ان کے خمیر میں داخل ہو گیا تھا۔

ایک دن اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے وہ سنتے ہیں کہ اپنے
بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو خواہ مظلوم، اگر ان کی تربیت میں ذرا بھی خامی اور ان کے
ذہن میں کچھ بھی انتشار ہو تا تو وہ خاموشی کے ساتھ اس بات کو سن لیتے اور اس قول کو
اس کے جاہلی مفہوم میں قبول کر لیتے جس کے مطابق ان کا نشوونما ہوا تھا اور ساری
عمر اسی پر عمل کرنے میں گزری تھی، وہ یہ بھی جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
(دین کی) کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ سراسر وحی ہوتی ہے ان سے بڑھ کر
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب کرنے والا اور آپ کی تمام باتوں کو بے چوں چو نہلیم
کرنے والا نہیں تھا لیکن بایں ہمہ وہ خاموش نہ رہ سکے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا
یہ ارشاد ان کے عقیدہ اور اس فکر و فہم سے ٹکرایا جو آپ ہی کی تعلیمات و تربیت کا نتیجہ
تھا، اس سے ان کے اسلامی شعور پر ایک ضرب لگی اور ان کے دماغ کی چولیس ہل گئیں وہ اپنی
اس تکلیف کو چھپانہ سکے اور انھوں نے استعجاب کے ساتھ پوچھا کہ ہم مظلوم کی تو مدد کریں لیکن ظالم
کی کیسے مدد کریں؟ اس پر آنحضرت (صلعم) نے اپنے قول کی شرح فرمائی کہ ظالم بھائی کی
مدد یہ ہے کہ اس کا ہاتھ پکڑ لیا جائے اور اس کو ظلم سے باز رکھا جائے، یہ سنتے ہی گرہ کھل
گئی اور ان کے اسلامی ذہن نے اس ارشاد کو اس طرح قبول کیا جیسے ایک جانی بوجھی

حقیقت ہوتی ہے یہ اسلامی شعور کی نزاکت اور اسلامی ذکاوت جس کی واضح مثال ہے۔

ایک دوسری مثال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فوج بھیجی اور ایک صحابی کو اس کا امیر بنایا اور ان کو امیر کی اطاعت کی تاکید فرمائی، وہاں یہ اقامہ پیش آیا کہ امیر اس سفر میں کسی بات پر ناراض ہو گئے جس کی وجہ سے انھوں نے آگ جلوائی او اپنے انھیں کو اس میں داخل ہونے کا حکم فرمایا انھوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم نے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع آگ سے نجات حاصل کرنے ہی کے لئے کیا تھا کیا اب اس میں داخل ہو جائیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس فعل کی تصویب کی اور فرمایا کہ اگر وہ آگ میں کود پڑتے تو کبھی نہ نکلتے، صحابہ کرام کا یہ انکار اسی بنا پر تھا کہ وہ اس اصول پر ایمان لا چکے تھے کہ خالق کی نافرمانی کے ساتھ کسی مخلوق کی فرمانبرداری صحیح نہیں، اور یہ کہ اطاعت اسی وقت فرض ہے جب نیک بات کا حکم دیا جائے۔

اسلامی شعور اور اسلامی تربیت کی وجہ سے صحابہ کرام کسی غلط کام اور کسی نا انصافی کو برداشت نہیں کر سکتے تھے، خواہ اس کا صدر خلیفہ وقت کیوں نہ ہو وہ اگر خلیفہ کی کوئی زیادتی دیکھتے تو برسرِ منبر اس کو ٹوک دینے میں ان کو تامل نہ ہوتا، حضرت عمرؓ خطبہ کے لئے کھڑے ہوتے ہیں ان کے جسم پر پورا جوڑا ہے جوڑا دو کپڑوں پر شل ہوتا ہے اور فرماتے ہیں لوگو! سنئے نہیں مسلمان کہتے ہیں ہم نہیں سنتے، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کیوں؟ وہ کہتے ہیں کہ تم نے ہم کو تو ایک ایک کپڑا تقسیم کیا اور تم پورے جوڑے میں لمبوس ہو، وہ فرماتے ہیں عجلت مت کرو پھر اپنے صاحبزادہ عبداللہ کو آواز دیتے ہیں پہلی آواز پر کوئی جواب نہیں ملتا پھر فرماتے ہیں کہ اے عمر کے بیٹے عبداللہ! عبداللہ ابن عمرؓ جواب دیتے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ میں نے جس کپڑے کی

تہ بند باندھ رکھی ہے یہ تمہارا ہی کپڑا ہے؟ وہ اثبات میں جواب دیتے ہیں اس پر سلمان کہتے ہیں۔ ہاں امیر المومنین اب فرمائیے ہم سب نہیں گے۔

اس اسلامی شعور اور اسلامی تربیت کا نتیجہ یہ تھا کہ بنی اُمیہ کو اپنا شاہی اقتدار قائم رکھنے میں بڑی زحماتیں پیش آئیں اسلامی روح نے بارہا اس اقتدار کے خلاف سخت احتجاج کیا اور بارہا اس عرب شاہی کے خلاف علم جہاد بلند ہوا، اموی فرمانرواؤں کو اس تک سکون و اطمینان حاصل نہیں ہوا جب تک وہ نسل ختم نہیں ہو گئی جس نے اسلامی اصولوں پر تربیت پائی تھی اور جو خلافت اسلامی اور اسلام کے نظام حکومت اور طریق حکمرانی سے عشق رکھتی تھی اور اس سے انحراف کو بدعت اور تحریف کا مراد سمجھتی تھی۔

یہی نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ کسی طرح کی اصلاح اور کوئی معاشری یا سیاسی انقلاب شعور کی بیداری اور ذہنوں کی تیاری کے بغیر وقوع میں نہیں آتا، اگرچہ انقلابِ فرانس کا تذکرہ اسلامی دعوت و انقلاب کے تذکرہ کے سلسلہ میں ضرور اوجے خالی نہیں، اور یہ ایک ناقص اور محدود قدم کا انقلاب تھا، جو جذباتی جوش اور بے اعتدالیوں سے پاک نہیں تھا، تاہم اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ جب کسی معاشرہ یا ملک کا شعور بیدار ہو جاتا ہے اور ذہنوں کا رخ کسی خاص طرف ہو جاتا ہے تو اس سیلاب کا تھا منا بڑی سے بڑی چٹان کے لئے ناممکن ہو جاتا ہے، انقلابِ فرانس کے رہنماؤں نے جن میں سے بہت سے لوگ بڑی اچھی ذہنی، علمی اور ادبی صلاحیتوں کے مالک تھے اور جن کے جلو میں ادیبوں، افسانہ نگاروں اور اہل قلم کا ایک لشکر تھا، انھوں نے ایک خاص مقصد کے لئے فرانسیسی عوام کے شعور کی تربیت کی، عوام کے دل میں ملک کے فرسودہ نظام کے خلاف بغاوت کا جذبہ پیدا کیا، پرانی اخلاقی قدروں اور تصورات و روایات کے خلاف ایک عام بے اطمینانی اور بیزاری پیدا کر دی، اور ماحول اور خارجی دنیا

پہلے دلوں کے اندراخوں نے غم و غصہ اور نفرت و حقارت کی ایک آگ روشن کر دی، نتیجہ یہ ہوا کہ اس وقت کا سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام لوگوں کے لئے ناقابل برداشت بن گیا، حریت، اخوت و مساوات کے کلمات محبوب اور مقدس بن گئے اور ہر فرامیسی کا وظیفہ اور نیک کلام بن گیا، اس وقت یہ بغاوت اُبھری جوش و غضب کا وہ آتش فشاں پھٹا، اور پرانے معاشرہ کا قصر زمین پر آ رہا، اگرچہ اس انقلاب کے رہنما اس کو انسانیت کے لئے زیادہ مفید نہ بنا سکے (اور شاید ان کے پیش نظر یہ تھا بھی نہیں) لیکن انھوں نے ملک میں انقلاب کر دیا اور اس انقلاب کو کوئی طاقت روک نہ سکی، اس لئے کہ اس انقلاب کا چشمہ لوگوں کے دل و دماغ کے اندر سے اُبلا تھا، اور اس کی پشت پر قوم کی رائے عامہ اور جمہور کی خواہش تھی اور شعور اس کے لئے تیار ہو چکا تھا۔

آج جس چیز کو یورپ نے مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے اور ان کمزوریوں کے ساتھ جن کے ساتھ کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی وہ صرف زندہ ہی نہیں بلکہ برسرِ اقتدار ہے، وہ شہری زندگی کی ذمہ داریوں کا احساس اور سیاسی شعور ہے، ابھی تک انگریزوں اور امریکیوں میں ایسے لوگوں کی مثالیں شاذ و نادر ہیں جو قومی خیانت کا ارتکاب کرتے ہوں یا اپنے ملک کو سستے داموں فروخت کر دیتے ہوں، یا جو حکومت کے اسرار فاش کر دیتے ہوں، یا خرابے، ناکارہ اسلحہ اور ذخیرہ جنگ کی خریداری کے مجرم ہوں، ایسی مثالیں مشرق میں اور یورپ میں بہت کیاب اور تقریباً نایاب ہیں، یورپ کا اخلاقی بگاڑ انفرادی دائروں میں محدود ہے، اس کے ذمہ دار بیشک بڑے سے بڑا جھوٹ بول سکتے ہیں، قوموں کو دھوکا دے سکتے ہیں اور بڑی بڑی قوموں کو پامال کر سکتے ہیں، مگر یہ اپنے ذاتی فوائد اور اغراض کے لئے نہیں، بلکہ قومی و ملکی مصالح کے لئے، یقیناً اسلام میں ان مجرمانہ افعال کی گنجائش نہیں اور بد اخلاقی خواہ فرو کے ساتھ ہو یا جماعت کے ساتھ خواہ انفرادی محرکات کی بنا پر یا اجتماعی محرکات و قومی محرکات کی بنا پر بد اخلاقی ہی ہے، لیکن

مغربی جو کچھ کرتا ہے ایک شعور اور اپنے مخصوص فلسفہ اخلاق کے تحت، مشرق جو کرتا ہے
بے شعوری اور شخصی اغراض و محرکات کے ماتحت۔

مسلمان ممالک کے قائدین اور اہل اقتدار سے کچھ بعید نہیں کہ وہ بھی اپنے کسی
حقیر فائدہ یا لذت و خواہش کے ماتحت اپنے ملک کو بہن رکھ دیں یا اس کا بیغنامہ کر دیں یا
اپنی قوم کو بھیڑ بکری کی طرح فروخت کر دیں یا اپنی قوم کو کسی ایسی جنگ میں جھونک دیں
جو اس کی مرضی و مصلحت کے خلاف ہو اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ قوم اس کے
باوجود بھی ان کی قیادت کا جھنڈا لے کر چلتی ہے، وہ ان کی زندگی کے نعرے لگائے اور ان کی
تعریف میں رطب لسان ہے، یہ صورت حال اس کے سوا اور کس بات کی دلیل ہے کہ قوم کا
ضمیر مردہ اس کے قوائے فکر معطل اور وہ شعور کی دولت سے محروم ہے۔

بہت سے مسلمان ملک ایسے ہیں جہاں عوام کے ساتھ جانوروں کا سا سلوک کیا جاتا
ہے، جہاں عوام صرف محنت و مشقت کے لئے اور خواص صرف عیش و عشرت کے لئے ہیں،
اللہ تعالیٰ کی کھلی کھلی نافرمانیاں ہوتی ہیں اور انسانیت سے روز افعال و جرائم کا ارتکاب ہوتا ہے،
شریعت کے احکام پا مال کئے جاتے ہیں لیکن نہ عوام اور جمہور مسلمین میں اس سے غم و غصہ کی کوئی
لہر پیدا ہوتی ہے نہ کسی قلب کو اس سے اذیت پہنچتی ہے، یہ سب درحقیقت انسانی غیرت
اور اسلامی خودداری کے فقدان کا نتیجہ ہے اور نہایت خطرناک صورت حال ہے۔

کسی انقلاب اور کسی بغاوت کی کوئی قیمت نہیں (خواہ ظاہری طور پر وہ ملک
و قوم کے لئے کتنی ہی مفید ہو) جب تک کہ اس کی بنیادیں کوئی پختہ عقیدہ، فکر صحیح، اور
ترتیب یافتہ اور عاقلانہ شعور نہ ہو، جب تک کہ رائے عامہ پورے طور پر تیار نہ ہو اس وقت
تک کسی بادشاہ کی جلا وطنی، کوئی انقلاب حکومت اور وزارت کی کوئی تبدیلی کوئی اہمیت

نہیں رکھتی اور بالکل قابل اعتبار نہیں ہے اگر قوم میں ان افعال اور اس رویہ سے نفرت نہیں ہے تو ایک غلط شخص یا غلط جماعت کی جگہ پر دوسرا غلط شخص اور دوسری غلط جماعت آسکتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ قوم کو اس کا احساس بھی نہ ہونے پائے اس لئے اصل قابل اعتبار چیز یہ ہے کہ قوم کا ضمیر اور شعور اتنا بیدار ہو جائے کہ وہ کسی غلط چیز اور مجربانہ فعل کو کسی حالت میں اور کسی شخص کے لئے بھی برداشت نہ کر سکے۔

اس لئے عالم اسلام کی بہت بڑی خدمت یہ ہے کہ اس میں صحیح شعور پیدا کیا جائے ایسا شعور جو نہ کسی ظلم و نا انصافی کو برداشت کر سکے نہ دین و اخلاق سے انحراف کو، جو صحیح اور غلط، خلوص اور نفاق، دوست اور دشمن، مصلح اور مفسد کے درمیان آسانی سے تمیز کر سکے، مجرم اس کی ناراضگی اور عقاب سے بچ نہ سکے اور مخلص اس کے اعتراف اور قدر شناسی سے محروم نہ رہیں وہ اپنے تمدنی، سیاسی، اجتماعی اور دینی مسائل و معاملات میں ایک عاقل و بالغ انسان کی طرح غور کر سکنے، اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھنا ہو۔ جب تک یہ شعور نہ پیدا ہو کسی اسلامی ملک و قوم کا جوشِ عمل، صلاحیتِ کار دینی جذبات اور مذہبی زندگی کے مظاہر و مناظر کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔

خود غرضی اور نفس پرستی کی گنجائش نہیں

الف ایلہ کی کتاب اس دور کی نمائندگی کرتی ہے جس میں زندگی صرف ایک فرد اور ایک شخص کے گرد گھومتی نظر آتی ہے جس کو خلیفہ یا بادشاہ کہتے تھے یا چند افراد کے ایک مختصر مجموعہ کے ارد گرد جو وزراء اور شہزادے کہلاتے تھے زمین اس خوش نصیب فرد کی ذاتی ملکیت تصور کی جاتی اور قوم غلاموں و زرخیزیوں کی ایک ٹولی ہوتی تھی اور یہ شخص ان کے

مال و متاع جائیداد و املاک اور عزت و آبرو کا مالک سمجھا جاتا اور پوری قوم دراصل اس ایک فرد کا سایہ تھی، پوری زندگی اپنی تاریخ، علوم، ادبیات، شعر و شاعری کے ساتھ اسی کے گرد جکڑ کاٹتی اور اسی کا طواف کرتی تھی، اگر کوئی شخص اس عہد پر نظر ڈالتا اور اس دور کے ادب و لٹریچر کا جائزہ لیتا تو وہ دیکھتا کہ وہ شخصیت اس زمانہ کی سوسائٹی پر اس طرح حکمراں اور مسلط ہے جس طرح ایک قوی ہیکل درخت اپنے نیچے لگنے والے پھوٹے پھوٹے پودوں اور گھاس پھوس پر اپنے بازو پھیلائے رہتا ہے اور ہوا اور سورج کی گرمی روکتا رہتا ہے بالکل اسی طرح پوری قوم اس ایک فرد کی شخصیت میں جذب ہو جاتی، پھر نہ اس کی کوئی مستقل شخصیت تھی نہ ارادہ نہ آزادی اور نہ احساس خود داری۔

یہ فرد وہ ہوتا جس کے لئے زندگی کا پہیہ گھومتا تھا، اسی کے لئے کسان ہل چلاتا اسی کے لئے تاجر محنت کرتا، اسی کے لئے کاریگر اور صنّاع اپنا جوہر دکھاتے، اسی کی خاطر مُستفین کتابیں لکھتے اور شاعر اپنی قوتِ گویائی کا مظاہرہ کرتے، اسی کے لئے لڑکے پیدا ہوتے اور اسی راستہ میں لشکر حملہ کرتے، بلکہ اسی کی خاطر زمین اپنے خزانے اگلتی، اور سمندر اپنی نعمتیں پھینکتا، اور عوام جو درحقیقت اس سب ولّت ثروت اور زرخیزیا و شادابی کے باعث ہوتے اور ان سب کا دار و مدار انھیں پر ہوتا، وہ غلاموں کی طرح دن کاٹتے، بادشاہ کے خوانِ نعمت سے جو کچھ بچ رہتا ہے وہ اسی پر خوش ہوتے، اور شاہی افراد سے کچھ مل جاتا تو اس پر شکر ادا کرتے اور اگر اس سے بھی محروم رہتے تو صبر و تحمل اختیار کرتے، ان کی انسانیت مرجاتی تو ان کو افسوس نہ ہوتا اور وہ چالپوسی اور موقع پرستی کا راستہ اختیار کر لیتے۔

یہ وہ عہد تاجیخ ہے جو مشرق میں خوب پھلا پھولا اور اس نے سوسائٹی پر اثرات

چھوٹے، ادبیات، شاعری، تمدن و اجتماع سب پر اثر انداز ہوا، عربی کتب خانہ پر اس کے گہرے اثرات پڑے انھیں اثرات کا ایک جیتا جاگتا مرقع الف لیلة کی کتاب ہے جو اس عہد کی تصویر کشی کرتی ہے جب بغداد کا کوئی خلیفہ یا دشق اور قاہرہ کا کوئی بادشاہ سب کچھ ہوتا تھا، اس کی حیثیت افسانہ زندگی کے ہیر و اور مرکزی نقطہ کی ہوتی تھی۔

یہ عہد جس کا نقشہ الف لیلة کے قصوں اور کہانیوں میں کھینچا گیا ہے اور افغانی کی تاریخ و ادب میں جس کی تصویر لی گئی ہے، وہ نہ اسلامی عہد تھا نہ عقل اور منطق کی کسوٹی پر پورا اترتا تھا اس کو اسلام بھی ناقابل قبول قرار دیتا ہے اور عقل بھی اس کا انکار کرتی ہے، اسلام اس غیر فطری عہد کے زوال کا پیغام تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عہد کا نام "جاہلیت" رکھا اس پر نفین کی، اس کے علمبردار اور فرمانروا، کسریٰ و قیصر کے خاتمہ کی خبر دی۔

یہ عہد کسی زمانہ میں اور دنیا کے کسی حصہ میں بھی زندگی کی صلاحیت اور باقی رہنے کا استحقاق نہیں رکھتا، یہ اسی وقت باقی رہ سکتا ہے جب لوگ حالات سے بے بس اور مجبور ہو گئے ہوں یا بیداری اور شعور کی دولت سے محروم ہو چکے ہوں، اور ان کی زندگی دم توڑ چکی ہو۔

اس صورت حال کو عقل برداشت نہیں کر سکتی، کون شخص اس کو پسند کرے گا کہ چند افراد کو کھانے پینے کی زیادتی کی وجہ سے تھمے ہو جائے اور دوسری طرف ہزاروں آدمی بھوک اور فاقہ کشی سے جان دے رہے ہوں، کس کو یہ اچھا لگے گا کہ ایک بادشاہ اس کے بیٹے مال و دولت کے ساتھ مجبوروں کی طرح کھیلیں اور لوگوں کو زندہ رہنے کے لئے ایک وقت کا کھانا اور ستر پوشی کے لئے ایک کپڑا نصیب نہ ہو، اس پر کون راضی

ہو سکتا ہے کہ ایک طبقہ جو اکثریت میں ہو اس کا کام تو صرف یہ ہو کہ پیداوار بڑھائے
 زمین سے غلہ پیدا کرے صبح سے شام تک بیل کی طرح جتا رہے اور ایک طبقہ جو انگریزوں پر
 گنا جاتا ہو اس کا کام یہ ہو کہ ان کی محنتوں اور عرق ریزیوں کا ثمرہ کھائے اور ان محنتوں
 سے فائدہ اٹھائے اور یہ سب شکر و احسان مندی کے ایک کلمہ کے بغیر اور احساس و شعور
 سے بالکل خالی ہو کر یہ کون گوارا کر سکتا ہے کہ اہل صنعت و حرفت، اہل عقل و خرد
 ارباب کمال اور مختلف صلاحیتیں اور ذہنی طاقتیں رکھنے والے لوگ ہمیشہ تکلیف
 ہی اٹھاتے رہیں اور وہ لوگ عیش کریں اور رنگ لیاں منائیں جن کو اسراف و
 فضول خرچی کے سوا کچھ نہیں آتا جو فسق و فجور میں ڈوبے رہنے اور شرابی بننے کے علاوہ
 کوئی کام نہیں جانتے، کیس کی نگاہ دیکھ سکتی ہے کہ اہلیت رکھنے والے ارباب انش،
 امین، دیانت دار، عالی دماغ اور دقیق النظر لوگوں سے اچھوتوں کا سا برتاؤ کیا جائے
 اور بادشاہ اور امراء و رؤساء کے ارد گرد خیس النفس دنی الطمع بے دماغ، اور
 ضمیر فروشوں کی ایک ٹولی ہو جن کی سب سے بڑی فکر حصول دولت اور نفسانی خواہشات
 کی تسکین ہو، جنہوں نے اس دنیا میں چالپوسی اور خوشامد اور بے گناہوں کے خلاف
 سازش کے علاوہ کوئی فن نہ سیکھا ہو اور جن کی آنکھوں کا پانی مرجھا ہوا اور ان کا
 شعور و احساس فنا ہو گیا ہو۔

یہ ایک غیر طبعی حالت ہے جس کو ایک دن بھی باقی نہ رہنا چاہئے نہ کہ برسوں
 تک! اگر تاریخ کے کسی دور میں یہ صورت حال پیدا ہوئی اور عرصہ دراز تک قائم رہی تو
 یہ قوم کی غفلت و لاپرواہی کا نتیجہ تھی، یا اس کی مرضی اور پسند کے خلاف زبردستی
 اس کے سر تھوپ لی گئی، اور اسلام کے ضعف اور جاہلیت کی قوت کی وجہ سے ایسا ہوا

لیکن جب اسلام کا آفتاب طلوع ہوا، شعور بیدار ہوا اور قوم میں حساب اور جائزہ کی شان پیدا ہو گئی تو یہ ساری عمارت فوراً منہدم ہو گئی۔

آج جو لوگ الف لیلے کی دنیا میں رہتے ہیں وہ خواب کی دنیا میں رہتے ہیں، وہ ایسے گھر میں سیرا ڈالے ہوئے ہیں جو مکڑی کے جالے سے زیادہ کمزور ہے، وہ ایسے گھر میں زندگی گزار رہے ہیں جو ہر وقت خطرات سے گھرا ہے، کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس پر کب کڑال پڑنے لگیں اور کب چھت ٹوٹ کر گر پڑے۔

الف لیلہ کا زمانہ گیا اور اس کی بساط الٹ چکی، عالم اسلام کو اپنے نفس کو دھکے نہیں دینا چاہئے اور اپنے کو گاڑی کے اس پہیہ سے نہیں باندھنا چاہئے جو ٹوٹ چکا ہے، خود غرضی اور نفس پرستی ایک چراغِ سحری ہے جس کا تیل ختم ہو چکا ہے، اس کا فیتلہ جل کر خاک ہو گیا ہے، وہ بجھ جائے گا ہوا کا جھونکا آئے یا نہ آئے۔

اسلام میں اس طرح کی انانیت اور خود غرضی کی کوئی گنجائش نہیں، اس میں شخصی برتری یا خاندانی برتری اور خود غرضی کو پیر رکھنے کی بھی جگہ نہیں جو آج بعض مشرقی قوموں اور اسلامی ملکوں میں پائی جاتی ہے، اس میں اس وسیع اور نظم خود غرضی کی بھی کوئی جگہ نہیں جو آج یورپ، امریکہ اور روس میں نظر آتی ہے، یورپ میں اس کی شکل ایک پارٹی اور جماعت کے اقتدار و تسلط کی ہے، اور امریکہ میں سرمایہ داروں کے قالب میں جلوہ گر ہوتی ہے، روس میں وہ اس چھوٹے سے گروہ کی شکل میں سامنے آتی ہے، جو کمینوزم پر ایمان لایا چکا ہے، وہ اکثریت پر برتری سے حاوی ہے اور مزدوروں اور قیدیوں کے ساتھ اس سفاکی اور سنگدلی اور بے دردی کے ساتھ سلوک کرتا ہے جس کی مثال تاریخ میں شکل سے ملے گی۔

یہ انانیت اور خود غرضی اپنی تمام صورتوں و شکلوں کے ساتھ ختم ہو کر رہے گی، رنم خود غرضی

اس سے سخت انتقام لے گی، دنیا کی دنیا کا مستقبل اب صرف عدل پسند رحم دل متوازن اسلام کے ساتھ وابستہ ہے، چاہے خود غرضی کو تھوڑی سی اور مہلت مل جائے، چاہے اس کی لگام ذرا ڈھیلی ہو جائے اور چاہے اس کو اپنی سرکشی، مگر اہی، طغیانی میں گزرنے کے لئے کچھ دن اور مل جائیں۔

خود غرضی اور انانیت شخصی ہو یا خاندانی جماعتی ہو یا طبقاتی، قوم کی زندگی کے لئے ایک غیر طبعی چیز ہے جس سے اس کو پہلی فرصت میں چھٹکارا حاصل کرنا ہے، نہ اسلام میں اس کی کوئی جگہ ہے نہ اس بیدار سوسائٹی میں جو بلوغ اور سن رشد کو پہنچ گئی، مسلمانوں کے لئے اور عربوں کے لئے اور ان کے رہنماؤں اور حکمرانوں کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ اس سے آزاد ہو جائیں اور اس سے اپنا تعلق منقطع کر لیں قبل اس کے کہ وہ اپنے ساتھ ان کو بھی لے ڈوبے۔

مشرق میں بھی اب اس کوتاہ نظری کا چل چلاؤ ہے، اور اس کا وقت سفر قریب ہے، اس کے عروج و اقبال کے نائے غروب ہونا شروع ہو گئے ہیں، یہ زید اور عمرو و بکر کا مسئلہ نہیں، یہ ایک عہد کا مسئلہ ہے جو ختم ہو رہا ہے، ایک مدرسہ فکر اور مکتب خیال کا معاملہ ہے جس کا دم واپس ہے، جو ابھی تک اس کے سہارے جی رہے ہیں، ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ سفینہ اب ڈوبنے والا ہے۔

صنعتی اور جنگی تیاری

عالم اسلامی کا کام یہاں ختم نہیں ہو جاتا اگر اس کو اسلام کے پیغام کی اشاعت کی خواہش ہے، اور وہ دنیا کی قیادت و رہنمائی کا فرض انجام دینا چاہتا ہے تو اس کو اس کے لئے ممتاز قوت اور تربیت، صنعت، علوم، تجارت اور فن حرب میں مکمل تیاری کی ضرورت

ہوگی اس کو زندگی کے ہر شعبہ اور اپنی ہر ضرورت میں مغرب سے مستغنی اور بے نیاز ہونا پڑے گا۔ وہ اس سطح پر ہو کہ اپنے لئے پہننے اور کھانے کا سامان کر سکے، اپنے لئے ہتھیار تیار کر سکے، اپنی زندگی کے معاملات کا انتظام اس کے ہاتھ میں ہو، اپنی زمین کے خزانے وہ خود برآمد کر سکے اور اس سے فائدہ اٹھا سکے اپنی حکومتوں کو اپنی دولت اور اپنے آدمیوں کے ذریعہ چلائے اس چاروں طرف پھیلے ہوئے سمندروں میں اس کے بحری بیڑے اور جہاز شور کر رہے ہوں وہ دشمن کا مقابلہ اپنے یہاں کے جنگی جہازوں توپوں اور ہتھیاروں سے کرے اس کی برآمد اس کی درآمد سے زیادہ اور اس کو مغربی ممالک سے قرض لینے کی ضرورت پیش نہ آئے اس کو اس کے کسی جھنڈے کے نیچے نہ آنا پڑے اور وہ کسی کیمپ میں شامل ہونے پر مجبور نہ ہو۔

جب تک عالم اسلامی علم و سیاست صنعت و تجارت میں مغرب کا محتاج رہے گا مغرب اس کا خون چوستا رہے گا، اسی کی زمین کا آب حیات نکلے گا اس کا سامان تجارت اور مصنوعات ہر روز اس کی منڈیوں، بازاروں اور جیسوں پر چھاپہ مارا کریں گی اور اس کی ہر چیز پر ہاتھ صاف کرتی رہیں گی، جب تک عالم اسلامی مغرب سے قرض لیتا رہے گا اور اپنی حکومت کا انتظام کرنے اہم اور کلیدی عہدوں کو پر کرنے اپنی فوج کو ٹریننگ دینے کے لئے مغرب کے آدمیوں کا رہن منت رہے گا، وہاں کا سامان تجارت و صنعت ننگائے گا اور اس کو اپنا اتالیق اور اتاد و مرقبہ اور سرپرست حاکم اور سردار سمجھے گا اس کے حکم اور اس کی رائے کے بغیر کوئی کام نہیں کرے گا، اس وقت تک وہ مغرب کے مقابلہ کرنا تو درکنار اس سے آنکھیں بھی نہیں ملا سکتا۔

یہ علمی اور صنعتی زندگی کا وہ شعبہ تھا جس کے بارہ میں عالم اسلامی نے عہد ماضی میں کوتاہی سے کام لیا اور جس کی تعزیر میں اس کو طویل اور ذلیل زندگی کا مزہ چکھنا پڑا اور اس پر مغربی قیادت اور سرداری مسلط کی گئی جس نے دنیا میں تباہی و غارتگری

قتل و خون ریزی اور خود کشی برپا کی اب اگر اس موقع پر بھی عالم اسلامی نے علمی و صنعتی تیاری اور اپنی زندگی کے معاملات میں آزادی کے بارہ میں غفلت برتی اور اس مرتبہ بھی اس سے یہ چوک ہو گئی تو دنیا کی تقدیر میں بد نصیبی اور ثقافات لکھ دی جائے گی اور انسانیت کے ابتلا کی مدت اور طویل ہو جائے گی۔

نئی علمی تنظیم

عالم اسلامی کے لئے ضروری ہے کہ علم کی اس طرح تنظیم جدید کرے جو اس کی روح اور اس کے پیغام سے مطابقت رکھتی ہو، عالم اسلامی نے قدیم دنیا پر اپنی علمی سیادت کا سکہ جما دیا تھا اور دنیا کی عقلیت و ثقافت (کلچر) کے رگ ریشہ میں سرایت کر گیا تھا اس نے دنیا کے ادب و فلسفہ کے جگر میں نشین بنایا تھا، صدیوں تمدن دنیا اس کی عقل سے سوچتی رہی اسی کے قلم سے لکھتی رہی اور اسی کی زبان میں تصنیف و تالیف کرتی رہی چنانچہ ایران ترکستان افغانستان اور ہندوستان کے مصنفین اور اہل علم اگر کوئی اہم کتاب لکھنا چاہتے تھے تو عربی ہی میں لکھتے تھے، اور بعض لوگ اصل کتاب عربی میں لکھتے اور اس کی تلخیص فارسی میں کرتے جیسا کہ امام غزالی نے "کیمیائے سعادت" میں کیا، اگرچہ یہ علمی تحریک جو عہد عباسی کے آغاز میں شروع ہوئی تھی یونان اور عجم سے متاثر تھی اور اسلامی اسپرٹ اور اسلامی فکر کی بنیاد پر قائم نہیں تھی اور اس میں علمی و دینی حیثیت سے متعدد خامیاں اور کمزوریاں تھیں، لیکن اپنی قوت اور نازگی کی وجہ سے وہ پوری دنیا پر آندھی پانی کی طرح چھا گئی اور قدیم علمی نظام اس کے سامنے ٹھٹھ کر رہ گئے۔

پھر یورپ کی ترقی اور عروج کا زمانہ آیا اس نے اس قدیم نظام کو اپنے تجربات

اور علمی تنقید سے تقویم پارینہ بنادیا اور اس کی جگہ تعلیم و تدریس کا نیا نظام تیار کیا، جو اس کی روح، عقلیت اور نفسیات کا کامیاب نمونہ تھا، جو طالب علم اس علمی ماحول سے فارغ ہو کر نکلتا اس کی رگ رگ میں یہ اسپرٹ کام کرتی ہوتی، دنیائے دوسری بار اس تعلیمی نظام کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور عالم اسلامی کو بھی قدرتی طور پر اس کے سامنے مرجھانا پڑا جو عرصہ سے علمی انحطاط اور فکری جمود کا بیمار تھا، اور اس کا سہ ماہی کی بنا پر اپنی نجات صرف یورپ کی تقلید میں منحصر سمجھتا تھا، اس نے اس تعلیمی نظام کو اس کی کمزوریوں و خامیوں کے باوجود قبول کر لیا اور وہی نظام آج عالم اسلامی کے گوشہ گوشہ پر حاوی ہے۔

اس نظام کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی نفسیات اور جدید نفسیات میں یکے کے کشمکش برپا ہو گئی اسلامی اخلاق اور مغربی طرز اخلاق میں رستہ کشی شروع ہوئی، اشیاء اور اس کی قدر و قیمت کی جدید میزان اور قدیم میزان میں ایک جنگ شروع ہو گئی اس نظام کا ایک ثمرہ یہ نکلا کہ تعلیم یافتہ اور مہذب طبقہ میں شک اور نفاق، بے صبری، زندگی سے عشق اور بولہ الوہوسی، نقد کی ادھار پر ترجیح کی ذہنیت پیدا ہو گئی اور اس طرح کے دوسرے عیوب پیدا ہو گئے جو مغربی تہذیب کا لازمہ ہیں۔

اگر عالم اسلامی کی خواہش ہے کہ نئے سرے سے وہ اپنی زندگی شروع کرے اور غیروں کی غلامی سے آزاد ہو، اگر وہ عالم گیر قیادت حاصل کرنا چاہتا ہے تو صرف تعلیمی خود مختاری ہی نہیں بلکہ علمی لیڈر شپ بھی بہت ضروری ہے اور یہ کوئی آسان کام نہیں یہ سلسلہ بہت گہرے غور و فکر کا محتاج ہے اس کے لئے ضرورت ہے کہ وسیع پیمانہ پر تصنیف و تالیف اور علوم کی تدوین جدید کا کام شروع کیا جائے اس کام کے سربراہ کا عصری علم سے اتنی واقفیت اور گہری بصیرت رکھتے ہوں جو تحقیق و تنقید کے درجہ تک پہنچتی ہو۔

اور اس کے ساتھ اسلام کے اصلی سرچشموں سے پورے طور پر سیراب اور اسلامی رُوح سے ان کا قلب و نظر معمور ہو، یہ وہ مہم ہے جس کی تکمیل کسی جماعت یا انجمن کے لئے مشکل ہوگی، یہ اسلامی حکومتوں کا کام ہے، اس مقصد کے لئے اس کو منظم جماعتیں و مکمل ادارے قائم کرنے ہوں گے اور ایسے ماہرین فن کا انتخاب کرنا ہوگا جو ہر فن میں دست گاہ رکھتے ہوں، وہ ایسا نصاب تعلیم تیار کریں جو ایک طرف کتاب سنت کے حکمت اور دین کے ناقابل تبدیل حقائق پر مشتمل ہو اور دوسری طرف مفید عصری علوم اور تجربہ و تحلیل پر حاوی ہو وہ مسلمان نوجوانوں کے لئے علوم عصریہ کی از سر نو تدوین کریں جو اسلام کے اصولوں اور اسلام کی رُوح کی بنیاد پر ہو، اس میں ہر ایسی چیز ہو جو توجیز طبقہ کے لئے ضروری ہو اور جس سے وہ اپنی زندگی کی تنظیم کر سکے اور اپنی سالمیت کی حفاظت کر سکے وہ مغرب سے مستغنی ہو اور مادی و دماغی جنگ میں اس کے مقابلہ میں آ سکے، اپنی زمین کے خزانوں سے فائدہ اٹھائے اور اپنے ملک کی دولتوں کو استعمال میں لائے، اسلامی ملکوں کی مایات کی نئی تنظیم کرے اور اس کو اسلامی تعلیمات کے تحت اس طرح چلائے کہ طرز حکومت اور مایاتی امور کی تنظیم میں یورپ پر اسلامی نظام کی برتری صاف ظاہر ہو جائے اور وہ اقتصادی مشکلات حل ہو جائیں جن کے حل کرنے کے معاملہ میں یورپ سپر ڈال چکا ہے اور اپنی بے بسی کا معترف ہے۔

اس روحانی، صنعتی اور فوجی تیاری اور تعلیمی آزادی کے ساتھ عالم اسلامی رُوح حاصل کر سکتا ہے، اپنا پیغام پہنچا سکتا ہے اور دنیا کو اس تباہی سے نجات دلا سکتا ہے جو اس کے سر پر منڈلا رہی ہے، قیادت منہسی کھیل نہیں، نہایت سنجیدہ معاملہ ہے اور منظم جدوجہد مکمل تیاری عظیم اثنان قربانی اور سخت جانفشانی کی محتاج ہے۔

عالم عربی کی قیادت

عالم عربی کی اہمیت

دنیا کے سیاسی نقشہ میں عالم عربی بہت اہمیت رکھتا ہے، وہ ان قوموں کا گہوارہ ہے جنہوں نے انسانی تہذیب میں سب سے اہم پارٹ ادا کیا اس کے سینہ میں دولت و طاقت کے عظیم الشان خزانے محفوظ ہیں، اس کے پاس پٹرول ہے جو آج جنگی اور صنعتی کم کے لئے خون کا درجہ رکھتا ہے اور یورپ و امریکہ اور مشرق بعید کے درمیان رابطہ کا کام کرتا ہے۔

وہ عالم اسلامی کا دھڑکتا ہوا دل ہے جس کی طرف روحانی اور دینی طور پر پورے عالم اسلامی کا رخ ہے جو ہر وقت اس کا دم بھرتا ہے اور اس کی محبت و وفاداری میں سرشار رہتا ہے۔

اس کی اہمیت اس لئے اور بڑھ جاتی ہے کہ اس کا امکان ہے کہ خدا نخواستہ اس کو تیسری جنگ کا میدان بننا پڑے، وہاں طاقتور بازو ہیں، سوچنے سمجھنے والی عقلیں ہیں اور جو حکیم ہیں وہاں بڑی بڑی تجارتی منڈیاں ہیں اور قابل کاشت زمینیں ہیں۔ مصر وہیں واقع ہے جو اپنی پیداوار آمدنی، زرخیزی و شادابی، دولت و ترقی، تہذیب تمدن میں خاص درجہ رکھتا ہے جس کی گود میں دریائے نیل رواں دواں ہے یہاں فلسطین ہے اور اس کے ہمسایہ ممالک ہیں جو اپنی آب و ہوا کی لطافت، حسن و خوبصورتی اور فوجی اہمیت میں ممتاز ہیں۔

اس کے پاس 'عراق' کا ملک ہے جو اپنی بہادری، سخت جانی، شجاعت، عزم اور پٹرول کے ذخیروں کی وجہ سے مشہور ہے۔

یہاں جزیرہ عرب ہے جو اپنے روحانی مرکز، دینی اثر میں سب سے منفرد ہے جس کے حج کے سالانہ اجتماع کی نظیر دنیا میں نہیں، جہاں تیل کے چشتے سب سے زیادہ تیل پیدا کئے گئے ہیں۔ یہ سب چیزیں ہیں جنہوں نے عالم عربی کو اہل مغرب کی نظر کا مرکز ان کی خواہشات کی آماجگاہ اور قیادت و لیڈر شپ کے لئے مقابلہ کا میدان بنا دیا اور جس کا ردِ عمل یہ ہوا کہ ان ملکوں میں عربی قومیت اور وطن پرستی کا شدید احساس پیدا ہو گیا ہے۔

محمد رسول اللہ عالم عربی کی روح ہیں

ایک مسلمان 'عالم عربی کو جس نظر سے دیکھتا ہے' اس میں اور ایک یورپین کی نظر میں زمین آسمان کا فرق ہے، بلکہ خود ایک وطن پرست عرب 'عالم عربی کو جس نگاہ سے دیکھتا ہے' وہ ایک مسلمان کی نگاہ سے بالکل مختلف ہے۔

مسلمان عالم عربی کو اس حیثیت سے دیکھتا ہے کہ وہ اسلام کا گہوارہ ہے، انسانیت کی پناہ گاہ ہے، عالمی قیادت کا مرکز ہے، روشنی کا مینار ہے، اس کا عقیدہ ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم عالم عربی کی جان، اس کے عزت و افتخار کا عنوان، اور اس کا سنگ بنیاد ہیں، اگر اس سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جدا کر دیا جائے تو اپنے تمام قوت کے ذخیروں اور دولت کے چشموں کے باوجود اس کی حیثیت ایک بے جان لاشہ اور ایک نقش بے رنگ سے زیادہ نہ ہوگی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات ہے جن کی وجہ سے عالم عربی عالم وجود میں آیا، اس سے پہلے یہ دنیا منقسم اور منتشر کائیوں

باہم دست و گریباں قبیلوں، غلام قوموں اور بے مصرف صلاحیتوں کا دوسرا نام تھی، اس پر جہل و گمراہی کے بادل چھائے ہوئے تھے، عرب رومی شہنشاہی سے جنگ مول لینے کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے تھے، اس کا تصور کرنا بھی ان کے لئے مشکل تھا، شام جو بعد میں عالم عربی کا بہت اہم حصہ قرار پایا ایک رومی نوآبادی تھی، جو مطلق العنان حکومت اور سخت ترین ڈکٹیٹر شپ کے رحم و کرم پر تھی، اس نے ابھی تک آزادی و انصاف کا مفہوم ہی نہیں سمجھا تھا۔

عراق کیانی حکومت کی اغراض و خواہشات کا شکار تھا، نئے نئے حاصل اور بھاری ٹیکسوں کی وجہ سے اس کی کمر جھک گئی تھی، رومی مصر کے ساتھ ایک گائے کا سا برتاؤ کرنے لگی تھی، جس کو ڈوبنے اور فائدہ اٹھانے میں وہ کمی نہ کرتے لیکن چارہ دیتے وقت حق تلفی اور بخل سے کام لیتے، پھر وہاں سیاسی استبداد کے ساتھ مذہبی استبداد کا سلسلہ بھی جاری تھا، دفعتاً اس متفرق منتشر مظلوم دنیا پر اسلام کی باد بھاری کا ایک جھونکا چلا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اس وقت یہ عربی دنیا ہلاکت کے قریب تک پہنچ گئی تھی، آپ نے اس کی دستگیری فرمائی، اس کی نبضیں ڈوب ہی تھیں آپ نے اس کو زندگی بخشی، نئی روشنی عطا کی، کتاب و حکمت کی تعلیم دی، تزکیہ کا سبق پڑھایا، آپ کی بعثت کے بعد اس دنیا کی نوعیت بدل گئی، اب وہ اسلام کی سیر تھی، امن و سلامتی کی پیامبر تھی، تہذیب و تمدن کی علمبردار تھی، قوموں کے لئے رحمت کا پیغام تھی، اب ہم شام کا بھی نام لے سکتے ہیں، عراق کا بھی ذکر کر سکتے ہیں، ہم مصر پر بھی فخر کر سکتے ہیں، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی دعوت نہ ہوتی تو آج نہ شام کا کہیں پتہ ہوتا نہ عراق کا کہیں ذکر ملتا نہ مصر کا وجود ہوتا اور عالم عربی

عالم عربی ہی نہ ہوتا۔ اور یہیں تک نہیں دنیا بھی تمدن و شائستگی، علم و فن تہذیب و ترقی کی اس سطح پر نہ ہوتی، اب اگر عرب قوموں اور حکومتوں میں کوئی دین اسلام سے مستغنی ہونا چاہتا ہے اور اپنا رخ مغرب کی طرف پھیرتا ہے یا عرب کے عہد قدیم کی طرف حریصانہ نظر ڈالتا ہے یا اپنے نظام زندگی اور ریاست و حکومت میں مغربی دستور اور مغربی قوانین کی پیروی کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا قائد امام، رہبر اور اسوہ و معیار نہیں سمجھتا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کی ہوئی نعمت کو فوراً واپس کر دے اور اپنے پہلے دور جاہلیت کی طرف واپس چلا جائے، جہاں رومیوں اور ایرانیوں کا سکڑ چلتا تھا، جہاں ظلم و استبداد کا بازار گرم تھا، جہاں سامراج کی فرمانروائی تھی، جہاں جہل و گمراہی تھی، جہاں غفلت اور بیکاری تھی، جہاں دنیا سے الگ تھلگ گمنامی کے گوشہ میں ایک مجہول زندگی گزاری جا رہی تھی اس لئے کہ یہ شان دار اور روشن تاریخ، یہ تابناک تہذیب یہ بازار ادب، یہ عرب سلطنتیں اور حکومتیں صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک بعثت کا فیض اور آپ کی آمد کا نتیجہ ہے۔

ایمان عالم عربی کی طاقت ہے

اسلام عالم عربی کی قومیت ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے امام اور قائد ہیں، ایمان اس کی قوت کا خزانہ ہے جس کے بھروسہ پر اس نے دوسری قوموں کا مقابلہ کیا اور فتح پایا، اس کی طاقت کا راز اور اس کا کارگر ہتھیار جو کل تھا وہی آج ہے جس کے ساتھ وہ دشمنوں سے جنگ کر سکتا ہے اپنی ہستی کی حفاظت کر سکتا ہے اور دوسروں تک اپنا پیغام پہنچا سکتا ہے۔

عالم عربی کو اگر کمینوزم یا یہودیت سے جنگ کرنا ہے یا کسی دوسرے دشمن کا مقابلہ کرنا ہے تو اس دولت کے بل بوتے پر جنگ نہیں کر سکتا جو برطانیہ اس کو عطا کرتا ہے یا امریکہ اس کو خیرات دیتا ہے یا پٹرول کی قیمت کے طور پر اس کو محال ہوتی ہے وہ اپنے دشمن کا مقابلہ صرف اس ایمان بنوئی قوت اس روح اور اسپرٹ کے ساتھ کر سکتا ہے جس اسپرٹ کے ساتھ کبھی اس نے بیک وقت رومی و ایرانی حکومتوں کو جنگ کی دعوت دی تھی او فتح حاصل کی تھی وہ اس دل کے ساتھ جنگ نہیں کر سکتا جس کو زندگی سے عشق اور موت سے نفرت ہو اس جسم سے مقابلہ نہیں کر سکتا جو عیش و عشرت کا دلدادہ ہو اس عقل کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتا جس کو شک و شبہ کا گھٹن لگ چکا ہو اور افکار و خواہشات باہم دست گیر ہوں اس کو یاد رکھنا چاہیے کہ ضعیف الایمان اور تشگک قلب اور میدان میں ساتھ چھوڑ دینے والی قوت کے ساتھ میدان جنگ کبھی نہیں جیتا جاسکتا عرب کے قائمین اور عرب لیگ کے ذمہ داروں کے لئے سب سے اہم کام یہ ہے کہ وہ عربی فوج، کسانوں، نابالغوں اور جہولہ کے ہر طبقہ میں ایمان کی تخم ریزی کریں ان میں جہاد کا جذبہ، جنت کا شوق اور ظاہری آرائشوں کی تخفیر و ابانت کا احساس پیدا کریں ان کو خواہشات نفس اور زندگی کی مرغوبات پر قابو حاصل کرنے، خدا کے راستے میں مصائب اور تکلیفیں برداشت کرنے، مسکراتے چہروں کے ساتھ موت کے استقبال اور اس پر پروانوں کی طرح گرنے کا سبق دیں۔

شہسواری اور فوجی زندگی کی اہمیت

یہ ایک تکلیف دہ حقیقت ہے کہ عربی اقوام نے اپنی بہت سی فوجی خصوصیات کو ضائع کر دیا، خاص طور پر شہسواری ان کی زندگی سے بالکل خارج ہو گئی، جو ایک

بہت بڑا نقصان اور میدان جنگ میں ہزیمیت اور کمزوری کا بہت اہم سبب جس کا
 نتیجہ یہ ہوا کہ ان قوموں کی فوجی اسپرٹ جو ان کا طغرائے انبیا زتھی ختم ہو گئی، جسم کمزور
 ہو گئے، لوگ ناز و نعم میں زندگی گزارنے لگے، موٹروں نے گھوڑوں کی جگہ لے لی اور
 قریب یہ کہ عربی گھوڑے جن کی دنیا میں دھوم ہے جزیرہ عرب سے نیست و نابود ہو جائیں
 لوگوں نے کشتی، شہسواری، جنگی مشقوں اور دوسری جسمانی ورزشوں کو فراموش کر دیا
 اور ان کھیلوں کو اختیار کیا جن کا کوئی فائدہ نہیں، اس لئے تعلیم و تربیت کے
 رہنماؤں کے لئے ضروری ہے کہ عرب نوجوانوں میں شہسواری، فوجی زندگی، سادگی،
 استقلال، عزیمت اور مصائب پر صبر و استقامت کی اہلیت پیدا کریں۔

امیر المومنین عمر بن الخطابؓ، عجمی ممالک میں اپنے عرب عمال کو لکھتے ہیں:-

ایاکم والتنعّم فنتی العجم تن آسانی و راحت طلبی کی زندگی

وعلیکم بالشمس فانہا اور عجمی لباسوں سے ہمیشہ دور دو

حمام العرب و تمعدوا رہنا دھوپ میں بیٹھنے اور سونے کی

واخشوشنوا و اخلولقوا عادت برقرار رکھنا کہ وہ عربوں

واعطوا الرکب استتھا کا حرام ہے جھاکشی سادہ زندگی

وانزوا و انزوا و اوارموا صبر و تحمل، موٹے جھوٹے پہننے کے

الاغرامن! عادی رہو، گھوڑے پر جست لگا کر

بے تکلف بیٹھنے کی مشق رہنی چاہئے

نشانے درست ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

ارموا بنی اسماعیل اے اہل عرب تیر اندازی کی مشق
فان اباکم کان رکھو اس لئے کہ تمہارے جدا مجد
رامیہ۔ (حضرت اسماعیل تیر انداز تھے۔)

ایک جگہ ارشاد ہے:-

الات القوة السری یاد رکھو (جس قوت کے تیار رکھنے کی
الات القوة الذیحی۔ قرآن مجید میں تاکید ہے) وہ تیر اندازی
ہے وہ تیر اندازی ہے۔

تعلیم و تربیت کے ذمہ داروں کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ ہر ایسی چیز کا مقابلہ کریں جو مردانگی و شجاعت کی روح کو کمزور کر رہی ہو اور عجز و تختنت پیدا کرتی ہو، عریاں صحافت نگاری فحش اور لمحہ ادب کی روک تھام کریں جو نوجوانوں میں نفاق، بے حیائی، فسق و فجور اور شہوت پرستی کی تبلیغ کر رہا ہو، ان پیشہ وروں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فوجی کیمپ میں نہ داخل ہونے دیں جو نسل اسلامی کے قلب و اخلاق میں فساد برپا کرنا چاہتے اور فسق و معصیت اور فحش پسندی کو چند حقیر پیسوں کے لئے خوبصورت اور مزین بنا کر پیش کرتے ہیں۔

تایخ شاہد ہے کہ جب کبھی کسی قوم میں مردانگی اور غیرت انسانی کو زوال ہوا اور عورتوں نے اپنی نسائیت اور فطرتِ مادری کے خلاف بناوٹ کی اور آزادی و بے حیابی کی راہ اختیار کی ہر چیز میں مردوں کی مسابقت کی کوشش کی، خانگی زندگی سے نفرت و غفلت بڑھی اور منبط تولید کی رغبت پیدا ہوئی، اس کا ستارہ اقبال غروب ہوا اور رفتہ رفتہ اس کے نشانات بھی

لے بخاری ص ۷۷ مسلم

مٹ گئے، یونانی، رومی، اور ایرانی اقوام کا انجام بھی ہوا اور یورپ بھی آج اسی راہ پر گامزن ہے جو اس انجام تک لے جاتی ہے، عالم عرب کو ڈرنا چاہئے کہ کہیں اس کا انجام بھی ایسا نہ ہو۔

طبقاتی تفاوت اور اسراف کا مقابلہ

عربوں کو مغربی تہذیب کے اثر سے اور بہت دوسرے اسباب کی بنا پر عیش و عشرت، غیر ضروری لوازم زندگی کے شدید اہتمام، اسراف لذت و خواہش اور فخر و آرائش کے لئے فضول خرچی کی عادت پڑ چکی ہے، اس عیش و تنعم اور بیداری کے ساتھ خرچ کے پہلو بہ پہلو فقر و فاقہ اور غربانی بھی موجود ہے جب ایک شخص بڑے بڑے عرب شہروں پر نظر ڈالتا ہے تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھرتے ہیں اور سر شرم سے جھک جاتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ ایک طرف وہ آدمی ہے جس کو اپنی ضرورت کے زائد غذا، لباس کا مصرف نظر نہیں آتا، دوسری طرف اس کی نگاہ ایسے بدوی پر پڑتی ہے جس کو ایک روز کا کھانا اور ستر پوشی کے لئے کپڑا بھی نصیب نہیں، جب عرب کے اہرام و اصحاب ثروت ہوائے باتیں کرنے والی موٹروں پر سرگرم سفر ہوتے ہیں، اسی وقت چیتھروں میں لپٹے ہوئے بچوں اور بچیوں کی ایک فوج سامنے آتی ہے جن کا لباس تازہ ہوتا ہے، جو ایک پیسے کے لئے ان کی موٹروں کے ساتھ دوڑنے لگتی ہے۔

جب تک عرب ملکوں میں فلک بوس محلوں، بہترین کاروں کے ساتھ ساتھ حقیر جھونپڑیاں اور تنگ تاریک مکانات نظر آئیں گے، جب تک تحفہ و فاقہ ایک شہر میں شباب پر ہوگا اس وقت تک کیونرم کے لئے دعائے کھلے ہوئے ہیں، ہنگامے، جھگڑے ہونا لازمی ہیں، کوئی پروگنڈا اور طاقت اس کو روک نہیں سکتی، وہاں اگر اسلامی نظام اپنے جلال و اعتدال کے ساتھ قائم نہیں ہوگا تو تعزیر بخداوندی کے طور پر اوردیو عمل کے طریقہ پر اس کی جگہ

ایک ظالم و جابر نظام کا قائم ہونا ضروری ہے۔

تجارت اور مالی نظام میں خود مختاری

عالم اسلامی کی طرح عالم عربی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی تجارت، مالیات، صنعت و حرفت اور تعلیم میں پورے طور پر آزاد اور خود کفیل ہو، وہاں کے رہنے والے انھیں چیزوں کا استعمال کریں جو ان کی زمین کی پیداوار اور ان کی صنعت و محنت کا نتیجہ ہوں، زندگی کے ہر شعبہ میں وہ مغرب کے مستغنی ہوں اپنی تمام ضرورتیں، مصنوعات، غذا، لباس، ہتھیار، شینیں آلات حرب کسی چیز میں وہ غیر کے دست نگر اور مغرب کے پروردہ رحمت اور نیک خواہ نہ ہوں۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ عالم عربی اگر بعض ناگزیر حالات کی بنا پر مغرب سے جنگ کرنا چاہے تو وہ اس لئے جنگ نہیں کر سکتا کہ وہ اس کا مقروض اور اس کی امداد کا محتاج ہے جس قلم سے وہ مغرب کے ساتھ معاہدہ پر دستخط کرتا ہے، وہ قلم بھی مغرب ہی کا بنا ہوا ہے اگر وہ مقابلہ کرتا ہے تو میدان جنگ میں اسی گولی کو استعمال کرتا ہے جو مغرب کے کارخانہ کی تیار شدہ ہے، عالم عربی کے لئے یہ ایک بڑی ٹریجڈی ہے کہ وہ اپنے دولت کے ذخیروں اور قوت کے سرچشموں سے خود فائدہ نہ اٹھا سکے، زندگی کا خون اس کو فائدہ پہونچانے کے بجائے اسی کی رگوں سے دوسروں کے جسم میں پہونچتا ہو، اس کی فوجوں کی ٹریننگ مغرب کے ایجنٹ اور فوجی افسران کے ہاتھ میں ہو اور حکومت کے دوسرے شعبے بھی انھیں کے سپرد ہوں، عالم عربی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی ضروریات کا خود کفیل ہو، تجارت و مالیات کی تنظیم، درآمد و برآمد قومی صنعت، فوج کی ٹریننگ اور شینوں، اور آلات حرب کی تیاری پر اس کا مکمل قبضہ ہو، ایسے اشخاص کی تربیت کی جائے

جو حکومت کی ذمہ داریوں کو سنبھال سکیں اور سرکاری فرائض پوری واقفیت فنی بہتر دیانت اور خیر خواہی کے ساتھ انجام دیں۔

انسانیت کی سعادت کے لئے عربوں کی ذاتی قربانی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اس وقت ہوئی جبکہ انسانیت کی ثقافت بُن بختی انتہائی حد کو پہنچ چکی تھی اس وقت انسانیت کی اصلاح کا مسئلہ ان افراد کی دسترس باہر تھا جن کی زندگی ناز و نعمت میں بسر ہو رہی تھی اور جو محنت و مشقت کے برداشت کرنے اور مالی و جانی نقصانات کو بھیلنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے اور جن کے لئے ہمہ وقت عیش و نشاط کا سامان موجود تھا، اس وقت انسانیت کو ایسے افراد درکار تھے جو انسانیت کی خدمت میں اپنے مستقبل کو قربان کر سکتے تھے اور منافع سے دست بردار ہو کر اپنے جان و مال عیش و آرام اور اپنے تمام دنیاوی مفاد کو خطرات و مشکلات کے مقابلہ میں پیش کر سکتے تھے ان کو اپنے پیشہ و تجارت کی کساد بازاری اور کسی طرح کے مالی نقصان و خطرات کی پروا نہ تھی، جن کو اپنے آبا و اجداد اپنے دوستوں اور قرابت مندوں کی قائم کی ہوئی اُمیدوں پر پانی پھیر دینے میں تامل نہ تھا، صالح علیہ السلام کی قوم نے جو کچھ ان سے کہا تھا وہی ان تعلق والوں کی زبان پر بھی جاری ہو جاتا۔

قَالُوا يُصَلِّمْ قَدْ كُنْتَ فِينَا لَعَلَّاهُمْ لَا تَدْرِي مَا تَفْعَلُ
مَرْجُوًّا قَبْلَ هَذَا (ہود: ۶۲) اُمیدیں والہ تھیں۔

جب تک دنیا میں ایسے مجاہد تیار نہ ہوں اس وقت تک انسانیت کا بقا و استحکام اور کسی اہم دعوت کا کامیاب ہونا ناممکن ہے یہ کروار رکھنے والے گنتی کے چند افراد جو دنیا کی

اصطلاح میں محرم اور کوتاہ قسمت سمجھے جاتے ہیں انھیں کی بلند بہتی اور جذبہ قربانی پر انسانیت کی فلاح و کامرانی اور عیش و شادمانی کا دار و مدار ہے وہ چند افراد جو اپنی جان کا مصائب میں ڈال کر ہزاروں بندگانِ خدا کے ابدی مصائب سے بچنے کا سبب بنتے ہیں اور دنیا کے ایک بڑے گروہ کو شر سے خیر کی طرف لاتے ہیں اگر چند افراد کی محرومی و ہلاکت ایک پوری ملت کے لئے خوشحالی اور سرفرازی کا باعث ہو اور اگر کچھ مال و زر اور تجارت و حرفت کے نقصان اور گھاٹے سے بے شمار اور لاتعداد انسانوں کے لئے دینی و دنیوی فلاح کا دروازہ کھلتا ہو تو یہ سودا ہر طرح مستاہل ہے۔

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو وہ یہ جانتا تھا کہ روم و فارس اور دنیا کی تمدن قومیں جن کے ہاتھ میں اس وقت عالم کی باگ ڈور ہے ہرگز اپنے عیش و نشاط کو نہیں چھوڑ سکتیں وہ اپنی ناز پروردہ زندگی کو خطرہ میں نہیں ڈال سکتیں وہ بے یار و مددگار انسانیت کی خدمت و دعوت و جہاد کے لئے مصائب و آلام کے برداشت کرنے کی قوت نہیں رکھتیں ان کے اندر اتنی استطاعت ہرگز نہیں کہ اپنی پر تکلف زندگی اور زیب و زینت کا ایک معمولی سا جز بھی قربان کریں ان میں ایسے لوگ بالکل مفقود تھے جو اپنی خواہشات پر قابو رکھتے ہوں اپنی حرص و طمع کو روک سکیں اور جو تمدن کے لوازم اور فیشن کی پابندی سے بے نیاز ہو کر واجبی گزران پر اتکا کر سکیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسلام کے پیغام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے لئے ایسی قوم کا انتخاب فرمایا جو دعوت و جہاد کے بوجھ کو اٹھا سکتی تھی اور ایثار و قربانی کے جذبہ سے بھرپور تھی یہ وہی عربی قوم تھی جو طاقتور و سادہ نشاں اور جفاکش تھی جس پر مصنوعی تمدن کا کوئی دارکار نہ ہوا اور دنیا کی رنگینیوں کا کوئی جامد

نہ چل سکا، یہی لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں جو دل کے غنی، علم سے بھرپور اور تکلفات سے کوسوں دور تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عظیم الشان دعوت کو لے کر اٹھے اور آپ نے جدوجہد و جانفشانی کا حق پوری طرح ادا کر دیا، اس دعوت کو ہر اس چیز پر ترجیح دی جو آپ کے لئے رکاوٹ کا سبب بن سکتی تھی، آپ خواہشات سے بالکل کنارہ کش تھے، دنیا کی دلفریبیوں کا آپ پر کوئی جادو نہ چل سکا، یہاں وہ چیز تھی جو دنیا کے لئے اُسوہ حسنہ اور رہنمائی۔ جب قریش کے وفد نے آپ سے اس سلسلہ میں گفتگو کی اور آپ کے لئے وہ تمام چیزیں پیش کیں جو ایک نوجوان کے دل کو فریفتہ اور نفسانیت رکھنے والے انسان کو خوش کر سکتی تھیں، مثلاً حکومت و ریاست، عیش و عشرت، دولت و ثروت، تو آپ نے ان تمام چیزوں کو بے تامل ٹھکرا دیا، اسی طرح جب آپ کے چچا نے گفتگو کی اور چاہا کہ آپ کو اس دعوت کے پھیلانے اور اس میں حصہ لینے سے روک دیں تو آپ نے وضاحت فرمادیا کہ اے چچا خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے دلہنے ہاتھ میں سورج اور میرے بائیں ہاتھ میں چاند لاکر رکھ دیں جب بھی میں اس کام سے باز نہیں آسکتا اور اس وقت تک کہ شش کرتا رہوں گا جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس دعوت کو غالب نہ کر دے یا میں خود اس سلسلہ میں کام نہ آجاؤں، یہی جدوجہد اور قربانی دنیا کی نفع اندوز ذہنیت سے بے تعلقی اور پرسترت زندگی کے مقابلہ میں تکلیف و مشقت کی زندگی کی ترجیح اہل دعوت کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک نمونہ اور اُسوہ بن گیا، آپ نے اس سلسلہ میں اپنے اوپر عیش و آرام راحت و آسائش کے دروازے بند کر لئے اور خود اپنے ہی اوپر نہیں بلکہ اپنے پورے خاندان، اہلبیت اور تمام عزیزوں کو بھی عیش و عشرت کے مواقع سے مستفید ہونے کا موقعہ نہیں دیا

وہی لوگ جو آپ سے زیادہ قریب و عزیز تھے زندگی کے عیش و راحت میں انھیں کا حصہ سب سے کم تھا، اور جہاد و قربانی میں وہ سب سے آگے رکھے گئے تھے جب آپ کسی چیز کی ثمرت کا ارادہ کرتے تو اس کی ابتدا اپنے قبیلہ اور اپنے ہی لوگوں سے کرتے اور جب کسی حق کی باری آتی یا کوئی نفع پہنچا تا ہوتا تو دور کے لوگوں سے شروع کرتے اور سب اوقات آپ کے قرابت دار اور قبیلہ والے اس سے محروم ہی رہ جاتے آپ نے جب سودی کاروبار ختم کرنے کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے اپنے چچا عباس بن عبد المطلب کے کاروبار کو مٹایا اور ان کے تمام سودی منافع کو ختم کر دیا، اسی طرح جاہلیت کے انتقامات و مطالبات کو باطل کرنے اٹھے تو ربیعہ بن حارث ابن عبد المطلب کے خون کو پہلے باطل کیا، اور جب آپ نے زکوٰۃ کا قانون جاری فرمایا (جو درحقیقت ایک بہت بڑی مالی منفعت ہے) اور زانیات باقی رہنے والی چیز ہے) تو آپ نے اپنے قبیلہ بنی ہاشم کے لئے اس کو قیامت کے لئے حرام کر دیا، فتح مکہ کے دن جب علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے آپ سے بنی ہاشم کے لئے سقایت زمزم کے ساتھ ساتھ خانہ کعبہ کی کلید برادری کا مطالبہ کیا تو آپ نے شدت انکار فرمادیا اور عثمان بن طلحہ کو بلا کر خانہ کعبہ کی کنجی ان کے سامنے رکھ دی اور کہا کہ اے عثمان! دیکھو یہ تمہاری کنجی ہے تم اس کو لے لو آج احسان اور وفا کا دن ہے اور اب یہ تمہارے خاندان میں ہمیشہ رہے گی کوئی اس کو تم سے نہیں لے سکتا، الا یہ کہ کوئی ظالم اس کی جرات کرے آپ نے ازواج مطہرات کو زہد و قناعت اور دکھی پھکی زندگی گزارنے کی ترغیب دی اور صاف صاف فرمایا کہ اگر تم فقر و فاقہ کی زندگی گزارنے کے لئے آمادہ ہو تو میری رفاقت اختیار کر سکتی ہو ورنہ ناز و نعمت و راحت کے ساتھ تم میرے ساتھ نہیں رہ سکتیں اور اس وقت آپ نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پڑھ کر سنایا:۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ
 إِن كُنْتُنَّ تُحِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا
 وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ
 وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا
 وَإِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
 وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ
 أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنكُنَّ
 أَجْرًا عَظِيمًا (الاحزاب ۳۸-۳۹)

اے نبی آپ اپنی بیویوں سے فرمادیجئے
 کہ تم اگر دنیوی زندگی اور اس کی بہار
 چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو کچھ متاع دیدوں
 اور تم کو خوبی کے ساتھ رخصت کردوں
 اور اگر تم اللہ کو چاہتی ہو اور اس کے رسول
 کو اور عالمِ آخرت کو تو تم میں سے نیک
 کرداروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے
 اجرِ عظیم بنا دیا۔

لیکن اس انتخاب میں آپ کے گھر والوں نے اللہ اور رسول ہی کو اختیار کیا،
 اسی طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب سنا کہ آپ کے پاس کچھ غلام و خادم آئے
 ہیں اور جبکہ ان کے ہاتھوں میں چکی چلانے سے گھٹے پر گئے تھے آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ
 وسلم کے پاس پہنچیں کہ یا رسول اللہ مجھے بھی ایک خادم عنایت فرمادیجئے تاکہ میں کچھ آرام
 حاصل کر سکوں تو آپ نے ان کو تسبیح و تحمید کی وصیت فرمائی اور کہا کہ تمہارے لئے یہ چیز
 خادم سے کہیں زیادہ بہتر ہے یہی معاملہ آپ کا اپنے تمام قریبی رشتہ داروں اور عزیزوں
 کے ساتھ تھا اور جو جتنا ہی قریب ہوتا جاتا اسی قدر اس کی ذمہ داری بڑھتی جاتی۔

مکہ کے لوگ جب ایمان لائے تو ان کی اقتصادی زندگی کا نظام درہم برہم ہو گیا
 ان کی تجارت کساد بازاری کا شکار ہو گئی اور بعض اپنے راس المال سے بھی محروم ہو گئے
 تھے کہ جس کو انھوں نے اپنی زندگی میں جمع کیا تھا، ان میں ایسے بھی ایمان لانے والے تھے
 جو راحت و آرام کے سامان اور آرائش و زینت کے اسباب بھی ختم کر چکے تھے، حالانکہ

پہلے ان کی امتیازی شان یہی تھی کہ وہ زینت و آرائش کے دلدادہ تھے اسی طرح اس دعوت کے پھیلانے اور اس راہ کی رکاوٹوں کو دور کرنے کے سلسلے میں بہتوں کی تجارت برباد ہو گئی اور کتنے اپنے آبائی دولت کے حصوں سے محروم ہو گئے۔

اسی طرح جب آپ نے مدینہ ہجرت فرمائی اور انصار نے آپ کا ساتھ دیا تو اس کا اثر ان کے کھیتوں، ان کے باغات پر پڑا مگر بایں ہمہ جب انھوں نے اپنا کچھ تھوڑا سا وقت ان کی نگہداشت کے لئے چاہا تو اس کی اجازت نہیں ملی اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کو منبتہ کیا گیا، ارشاد ہوا:۔

وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا
بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ (البقرة ۱۹۵) آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

یہی حال عرب اور ان تمام لوگوں کا ہوا جو اس دعوت سے متاثر اور اس پر عمل پیرا ہوئے چنانچہ جہاد کی مشقت اور جان و مال کے خسارہ میں ان کا اتنا بڑا حصہ تھا جو دنیا کی کسی قوم کے حصہ میں نہیں آیا، اللہ تعالیٰ ان سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے:۔

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ
وَأَخْوَاؤُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ
وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا
وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا
وَمَسْكِنٌ تَرْضَوْنََهَا أَحَبَّ
إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ
وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا
آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ و تمہارا
بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویا
اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمایا
ہیں اور وہ تجارت جس میں نکاحی نہ ہونے کا
تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جس کو تم پسند
کرتے ہو تم کو اللہ اور اس کے رسول سے اور
اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارا

حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ؕ وَاللَّهُ
لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ
ہوں تو تم منتظر ہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ
اپنا حکم بھیجے اور اللہ تعالیٰ بے حکمی کزیوالو
کو ان کے مقصود تک نہیں پہنچاتا۔
(سورۃ التوبہ - ۲۷)

دوسری جگہ فرمایا :-

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ
حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ
يَتَخَلَّفُوا عَنِ رَسُولِ اللَّهِ وَلَا
يَرْغَبُوا بِأَنفُسِهِمْ عَنْ نَفْسِهِ
مدینہ کے باشندوں کو اور ان اعرابوں کو
جو اس کے اطراف میں بستے ہیں لائق نہ تھا کہ
اللہ کے رسول کا ساتھ نہ دیں اور پیچھے
رہ جائیں اور نہ یہ بات لائے تھی کہ اس کی
جان کی پروا نہ کر کے محض اپنی جانوں
(التوبہ - ۱۲۰)

کی فکر میں پڑ جائیں۔

اس لئے کہ انسانی سعادت کی عمارت انھیں لوگوں کی قربانیوں کے ستونوں پر قائم ہونے والی
تھی اور حالات کی تبدیلی میں صرٹ اسی بات کا انتظار تھا کہ یہ مہاجرین انصار اپنے کو مشاکر
انسانیت کی سرسبزی اور قوموں کی ہدایت و فلاح کا فیصلہ جلال کر لیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَاتَّبِعُوا نَفْسِي مِمَّنْ الْخَوَافِ
وَالْجُوعِ وَنَفْسِي مِنَ الْأَمْوَالِ
وَالْأَنْفُسِ وَالْمَوْتِ (البقرہ - ۱۵۵)
ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے کچھ نہ کچھ خوف
بھوک، مالوں، جانوں اور پھلوں کی کمی
اور نقصان کے ساتھ۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے :-

لَعَسَآ النَّاسُ أَنْ يُنْزِلُوا آثَٰ
يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْقَهُونَ
کیا لوگ اتنا کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ
ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش

(النبیوت - ۲) نہ کی جائے گی۔

اگر غرباں سرفرازی کو قبول کرنے سے ہچکچاتے اور انسانیت کی اس عظیم خدمت میں تردد سے کام لیتے تو بد بختی اور عالم کے فساد کی مدت اور بڑھ جاتی اور جاہلیت کی تاریکی بدستور دنیا پر چھائی رہتی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

الَّا تَتَعْلَمُوْا تَنْكُرُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادَ الْبَلٰغِیْنَ (الانفال ۷۳) اگر تم ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ پیدا ہوگا اور بڑی ہی خرابی پھیلے گی۔

چھٹی صدی عیسوی میں دنیا ایک دورِ اہم پر کھڑی تھی اس وقت دہوی راستے تھے، یا تو عرب کے لوگ اپنے جان و مال، آل و اولاد اور تمام محبوب چیزوں کو خطرہ میں ڈال کر آگے بڑھ جاتے اور دنیا کی ترغیبات سے کنارہ کش ہو کر اجتماعی مصلحت کی راہ میں اپنا سارا سرمایہ قربان کر دیتے جب دنیا کو سعادت نصیب ہوتی اور انسانیت کی قسمت بدلتی جنت کا شوق ابھرتا اور ایمان کی ہوائیں چلتیں، یا پھر وہ اپنی خواہشات و مرغوبات اور اپنی انفرادی لذت و عیش کو انسانیت کی سعادت و فلاح پر ترجیح دیتے تو ایسی صورت میں دنیا اگر اسی بد بختی کے دلدل میں پھنسی رہ جاتی اور غفلت و مدہوشی کے عالم میں پڑی رہتی لیکن اللہ تعالیٰ کو انسانیت کی بھلائی منظور تھی اس لئے عربوں میں اس نے ولولہ پیدا کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اندر ایمان و ایثار کی روح پھونک دی اور ان کو آخرت اور اس کے بے پایاں ثواب کی ترغیب دی تو انھوں نے اپنے آپ کو انسانیت پر قربان کرنے کے لئے پیش کر دیا اور اللہ کے ثواب، نوعِ انسانی کی سعادت کی امید میں انھوں نے دنیا کے تمام عیش و آرام سے آنکھیں بند کر کے اپنے جان و مال کو اللہ کے راستے میں جھونک دیا اور ان تمام چیزوں کو منجھ دیا جن پر لوگ حریصانہ نظریں اٹھاتے ہیں انھوں نے پورے خلوص اور صداقت کے ساتھ

راہِ خدا میں جانیں دیں اور محنتیں کیں تو اللہ نے ان کو دنیا اور آخرت کے بہتر اجر سے نوازا
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (اور اللہ محسنین سے محبت رکھتا ہے۔)

آج دنیا ہٹ ہٹا کر پھر اسی نقطہ پر پہنچ گئی ہے جس پر وہ چھٹی صدی مسیحی میں تھی
یہ عالم پھر اسی دورِ اہم پر نظر آ رہا ہے جس دورِ اہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت
کے وقت تھا آج اس کی ضرورت ہے کہ عرب قوم (جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے تعلق خاص ہے) میدان میں نکل آئے اور پھر دنیا کی قسمت بدلنے کے لئے جان کی
بازی لگائے اور اپنی تمام آسائش و ثروت و دنیا کی نعمتوں، ترقی و خوشحالی کے امکانات
اور اپنے سامانِ راحت کو خطرہ میں ڈال دے تاکہ دنیا اس مصیبت سے نجات پائے
جس میں وہ مبتلا ہے اور زمین کا نقشہ بدل جائے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عرب بدلتو اپنے حقیر اغراض اور ذاتی سر بلندی کو ترقی،
عہد و منصب، تنخواہوں کی بیشی، آمدنی کے اضافہ اور کاروبار کی ترقی کی فکر میں رہیں
اور سامانِ عیش اور ابابِ راحت کی فراہمی میں مشغول رہیں اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا
اسی زہریلے تالاب میں غوطہ زن رہے گی جس میں وہ صدیوں سے ہلاک ہو رہی ہے اگرچہ اچھے
ذہن عرب نوجوان بڑے بڑے شہروں میں خواہشات کے غلام بن کر بیٹھے رہیں اور اگر ان کی
زندگی کا محور صرف مادہ اور معدہ ہے اس کے علاوہ ان کی کوئی اور فکر نہیں ہے اور ان کی
تمام جدوجہد صرف اپنی ذاتی زندگی اور اپنی مرقہ احمالی کے گرد چکر لگا رہی ہے تو ایسی
صورتِ حال میں انسانی سعادت کا تصور بھی مشکل ہے بعض جاہلی قوموں کے نوجوان آج
زیادہ حوصلہ مند تھے اور ان کا ذہن ان سے کہیں زیادہ بلند تھا جب کہ انھوں نے اپنے
پسندیدہ مقاصد کی راہ میں اپنی تمام راحت و آرام اور اپنے مستقبل تک کو قربان کر دیا

اعوام القیس ان سے کہیں زیادہ باہمت تھا کہ کہتا ہے :-

واللہ اعلم بالصواب
لادنی معشۃ کفائی ولم اطلب قلیل من المال

والکفما سعی لمجدہ وقد یدارک المجد المثل لفتالی

اگر میں کسی ادنیٰ درجہ کی زندگی کے لئے کوشش کرتا ہوتا تو مجھے تھوڑا سا مال بھی کافی ہوتا اور اس کے لئے ایسی جدوجہد کی ضرورت نہ ہوتی۔

لیکن میں تو ایسی عظمت کا طالب ہوں جس کی جڑیں مضبوط ہوں اور مجھ

جیسے آدمی بھی ایسی عظمت کو حاصل کر لیتے ہیں۔

دنیا کی سعادت و کامرانی کی منزل تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان نوجوان

اپنی قربانیوں سے ایک پل تعمیر کریں اس پل پر سے گزر کر دنیا بہتر زندگی کی منزل تک پہنچ سکتی

ہے زمین کھاؤ کی محتاج ہوتی ہے لیکن انسانیت کی زمین کی کھاؤ جس سے اسلام کی کھیتی

برگ بار لاتی ہے وہ وہی انفرادی خواہش و ہوس ہے جس کو مسلم نوجوان اسلام کا بول بالا کرنے اور

الشر کی زمین میں امن و سلامتی پھیلانے کے لئے قربان کریں آج انسانیت کی افتادہ زمین

کھاؤ مانگتی ہے، یہ کھاؤ راحت و آرام کے مواقع، انفرادی ترقی کے امکانات اور پیش کے استبا

ہیں جن کو مسلمان بالخصوص عرب قوم قربان کر دینے کا ارادہ کر لیں چند انسانی جانوں کی

جدوجہد اور ان کی قربانیوں سے اگر انسانی گلہ آگ کی راہ سے نکل کر جنت کی راہ پر گامزن ہوں

یہ بڑا ستا سود ہے اس لئے کہ جو نعمت حاصل ہوگی وہ بہت ہی جلد ہی گراں مایہ ہے اور

اس کے لئے جو کچھ قربان کرنا پڑے وہ اس کے مقابلہ میں بہت ہی معمولی اور ارزاں ہے۔

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں

اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

عالم اسلامی کی توقع عالم عربی سے

عالم عربی اپنی خصوصیات، محل وقوع، اور اپنی سیاسی اہمیت کی بنا پر اسلام کی دعوت کی ذمہ داری اٹھانے کا حقدار ہے، وہ یہ کر سکتا ہے کہ عالم اسلامی کی قیادت کا بیڑہ اٹھائے اور مکمل تیاری کے بعد یورپ آ نکھیں ملا سکے اور اپنے ایمان، دعوت کی طاقت اور خدا کی نصرت کے اس پر غالب آجائے اور دنیا کو شر سے خیر کی طرف، تباہی و بربادی سے امن و سلامتی کی طرف لے آئے یا جس طرح مسلمانوں کے قاصد نے یزدگرد کی مجلس میں کہا تھا:۔

”انسانوں کی پریشانی سے نکال کر خدا کے واحد کی پریشانی میں دنیا کی تنگی سے دین کی کشادگی میں اور مذاہب کی نا انصافی سے نکال کر اسلام کی عدلی گستری میں داخل کیے!“
عالم انسانی عالم اسلامی کی طرف اپنے تمام مذہبوں کی جنیت سے دیکھ رہا ہے اور عالم اسلامی عالم عربی کی طرف اپنے لیڈر اور رہبر کی جنیت سے نظریں اٹھائے ہوئے ہے کیا عالم اسلامی عالم انسانی کی توقع کو پورا کر سکتا ہے اور کیا عالم عربی عالم اسلامی کے سوال کا جواب دے سکتا ہے؟
عرضہ سے مظلوم انسانیت اور برباد شدہ دنیا اقبال کے پُر درد الفاظ میں مسلمانوں سے فریاد کر رہی ہے اس کو اب بھی یقین ہے کہ جن مخلص ہاتھوں نے کعبہ کی تعمیر کی تھی وہی دنیا کی تعمیر کو کافرن انجام دے سکتے ہیں۔

ناموس ازل را تو ایمنی تو ایمنی دارے جہاں را تو باری تو یمنی
اے بندہ خاک تو زمانی تو زمینی صہبائے یقین درش و از دیگرگان خیز

از خواب گراں خواب گراں خواب گراں خیز

از خواب گراں خیز

فریاد زافرنک دل آویزی افرنک فریاد شیرینی و پرویزی افرنک
 عالم همه دیرانه ز چنگیزی افرنک معارفم ایا ز به تعمیر جهان خیر!
 از خواب گران، خواب گران خواب گران خیز
 از خواب گران خیز



INDEX

INSANI DUNIYA PAR MUSALMANAUN KE
UROOJ - O - ZAWAL KA ASAR

اشاریہ

”انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر“

گیارہواں ایڈیشن

۱۴۱۳ھ — ۱۹۹۲ء

مؤتبہ

محمد غیاث الدین ندوی

اشخاص

(الف)

(حضرت) ابوبکرؓ ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۹، ۲۱۲

(حضرت) ابوبکر بن ابی موسیٰ اشعریؓ ۱۱۰

ابو جہل ۹۰

(حضرت) ابو جہلیفہؓ ۱۲۹

(مولانا) ابوالحسن علی ندویؒ ۲۳، ۲۲، ۱۲

(امام) ابوداؤد ۱۱۶، ۱۱۵

(حضرت) ابودجانہؓ ۱۲۱

(حضرت) ابوالدرداءؓ ۱۲۹

(حضرت) ابوذہبؓ ۱۲۹، ۱۱۵

(حضرت) ابورعاع الطارودیؓ ۵۸

(حضرت) ابوسفیانؓ ۱۲۱

(حضرت) ابوعبیدہؓ ۱۲۸

ابوالفداء حموی ۱۴۲

ابوالفضل استرآبادی ۳۰۹

ابوالفضل گادرونی ۳۰۹

(حضرت) ابوقتاۃؓ ۱۲۳

(حضرت) ابوموسیٰ اشعریؓ ۱۲۵، ۱۱۰، ۱۰۸

(حضرت) ابی بن کعبؓ ۱۲۹

آپولیس (روی) ۱۹۹

(سینٹ) آیفینس (راہب) ۲۱۲

(امام) احمد ابن حنبل ۲۱۲، ۸۴

(ڈاکٹر) احمد امین ۱۹۴، ۱۹، ۱۸

(سیدنا حضرت) آدم علیہ السلام ۱۳۶، ۱۱۵

۳۲۹، ۲۵۸، ۱۷۶

(سیدنا حضرت) اسماعیل علیہ السلام ۳۶۰

(سینٹ) ابراہام (راہب) ۲۱۲

ابلیس دیکھئے شیطان

(محدث) ابن ابی حاتم ۱۱۵

(مؤرخ) ابن الاثیر جوزی ۱۴۶، ۱۷۱

ابن ارقم ۱۲۰

ابن اسحاق ۱۲۰

ابن بطوطہ ۱۵۶

(شیخ الاسلام حافظ) ابن تیمیہؒ ۲۱۲

ابن جبیر اندلسی ۱۵۶

(حافظ) ابن جوزی ۱۵۶، ۱۴۲، ۱۳۶

(علامہ) ابن حجر مکی ۳۱۰

ابن خلدون ۱۸۸، ۱۳۷

ابن سیدہ ۶۰

(قاضی) ابن شداد ۱۷۲

ابن عبد ربہ ۶۰

(مؤرخ) ابن کثیر ۱۷۶، ۱۴۲، ۱۲۰، ۱۰۸

ابو اسحاق صابی ۱۵۷

(حضرت) ابوبردہؓ ۱۲۴

۳۷۳، ۳۲۳، ۱۵ (علامہ) اقبال

۱۹۱ اکبر آبادی

۲۱۲ (سینٹ) آگسٹائن (راہب)

۲۹۶ (مفتی) الہی بخش

۸۹، ۷۸ آل ساسان

۲۹۱ (ڈاکٹر) الفریڈ بلر

۲۶۶ (ڈاکٹر) الگس کیرل

۲۵۲ الگزینڈر (راہب)

۶۱ (علامہ) آلوسی

۱۲۰، ۱۱۹ (حضرت) اُمّ جمیلؓ (بنت خطاب)

۱۲۱ (ام المؤمنین) اُمّ حبیبہؓ

۱۱۹ امّ انحر (والدہ ابوبکرؓ)

۳۷۲ امراء القیس

۷۳ ایمان مارسلینوس (مؤرخ)

۳۷۶ (مولانا محمد) امین انجانی

۲۱۲ (سینٹ) انتونی (راہب)

۱۰۹ (حضرت) انس بن مالکؓ

۳۳۴، ۱۰۹ (حضرت) انس بن النضرؓ

۲۰۳ انکسائوزس

۲۱۹ انیس سلوٹس

۳۷۷، ۱۹۰ (سلطان) اوزنگ زیب عالمگیر

۳۱۱، ۳۰۸

۲۴۲ اوریجن

۷۶ ایاس بن قبیصہ

۲۷۲ ایڈن (وزیر اعظم انگلستان)

۲۸۴ (سرب) احمد خاں

(حضرت شیخ) احمد سہندی (مجدد الف ثانیؒ)

۳۰۹، ۲۸۳، ۱۸۸

۲۱ (شیخ) احمد الشریاضی

۲۸۷، ۲۸۵، ۱۹۱ (حضرت سید) احمد شہیدؒ

۲۸۸ احمد بن مردان مالکی

۱۴۲ (نواب) احمد علی خاں رامپوری

۲۹۷

۳۰۸ اختیار خاں

۲۸۳ (سید) آدم بتوری

۴۴، ۴۱ (پروفیسر) آر تھرکسٹن سین

۴۳ اردشیر

۲۰۳، ۱۹۸، ۱۸۵-۸۷ ارسطو

۴۳ آرمی دخت (بنت کسری)

۱۲۹ (حضرت) اسامہؓ

۲۷۴، ۲۷۳ اسٹورٹ گلڈر

۱۶۹-۱۷۳ اسٹینلین پول

(محمد) اسد (لیوپولڈس) دیکھے محمد اسد

(شاہ) اسماعیل شہید دہلوی ۲۹۶، ۲۸۵، ۱۸۸

۱۵۶ (شیخ) اسماعیل لاہوری

۵۱ اشوک

آصف خاں ملاحظہ ہو عبد العزیز

۲۳۳ آغا اشرف دہلوی

۲۴۵ اغطس

۳۰۸ افضل خاں

۲۰۲ افلاطون

۲۱۷	پاپائے لیوڈیم	۴۷، ۴۶	(پروفیسر) ایٹورالٹریا
۱۸۲	پطرس اعظم	۲۱۲	(سینٹ) ایلیروز
۱۸۲	پوپ گریگوری اعظم دیکھئے		(ب)
۶۷	(ت) (ٹ) (فہنشاہ) تائی رنگ	۱۸۹	(سلطان) بابر
۷۳	تغلب	الفرد	بٹلر دیکھئے
۱۷۸	(امیر) توزون	۲۵۷	(امام) بخاری
۵۰	توشیو (دیوتا)	۱۹۰	برک ایڈمز
۲۴۲	ٹوٹلین	۲۲۱	برونو
۱۹۱	ٹیپو سلطان	۳۰۹	(قاضی) برہان الدین نہروالی
	(ج) (ج) (ج)	۳۵۹، ۳۰۵	(علامہ) بغوی
۴۴	جاہان (ایرانی افسر)	۱۱	(ڈاکٹر) بھٹنک
۱۱۶	(حضرت) جابر بن عبد اللہ	۳۳۴، ۱۲۹	(حضرت) بلالؓ
۲۳۱	جان گنٹر	۲۵۰	(مٹر) بلڈون
۷۶	جلد بن ایہم غسانی	۳۹	بنوسوس (BONOSUS)
۱۸۴	جرجی زیدان	بودھ دیکھئے	بودھ گوتم بدھ
۲۰۵	جورجینکس	بودلے (آر وی ای) (R. V. C. BODLEY)	
۲۱۶، ۲۱۱	(سینٹ) جردم	۴۳	بوران (بنت کسریٰ)
۱۰۸	(حضرت) جعفرؓ	۴۳	(سلطان) بہادر شاہ
۱۲۹	(حضرت) جعفر بن ابی طالبؓ	۳۱۰	بہرام چوہیں
۲۸۸	(مولوی سید) جعفر علی نقوی	۴۱، ۴۰	بیرس (الملك الظاہر)
۳۱۲	(مدار المہام نشی) جمال الدین خان بھوپالی	۱۷۷	(امام) بیہقی
۳۰۵، ۳۰۳	(علامہ) جمال الدین محمد بن عمر کرق	۱۲۰	(پ)
جیل بیہم دیکھئے		۱۸۲	پاپائے اعظم
۴۷	(نیلوت) جواہر لال نہرو	۲۱۷	پاپائے الوینٹہم
		۳۱۷، ۱۸۶، ۴۴	(سینٹ) پال

(۵) (۶)

۵۹ دیران (تارہ)

۵۱ دیانتد مسرتی

۲۲۱، ۲۲۰ ڈارون

۲۱۸، ۲۰۹، ۲۰۷ (ڈاکٹر) ڈیرپر

۱۶۹ ڈزری

(۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھئے محمد رسول اللہ

۷۲، ۶۷، ۳۸ رابرٹ بریٹاک

۳۰۴ راتاسا لگا

۲۷ (مسز) رائس ڈیوڈس

۱۳۵، ۱۰۸ (حضرت) ربیع بن عامر

۳۳۶ (حضرت) ربیعہ بن حارث

۱۰۸، ۷۷، ۲۲ رستم

۱۵۶ (شیخ) رضی الدین قزوینی

۱۸۸ (شاہ) رفیع الدین دہلوی

۲۸۲ (شاہ) رودت احمدی مددی

۱۷۰ ریکی نالڈ (والی کرک)

(۸)

۱۲۹، ۱۲۱ (حضرت) زید بن ثابت

۱۲۹ (حضرت) زید بن حارثہ

(۹)

۲۶۰، ۲۵۹ (بیدنا حضرت) سلیمان علیہ السلام

۲۶۲ سرید احمد خان دیکھئے احمد خان

۲۱۱ (سینٹ) سرائین (راہب)

(پروفیسر) جوڈ ۲۲۹، ۲۳۵، ۲۳۰، ۲۲۸

۲۹۰، ۲۷۷، ۲۶۹، ۲۶۲

۶۷ جمس کارکن

۱۷۸ چنگیز خان

(۱۰)

حافظ ابن جوزی دیکھئے ابن جوزی

۶۰ حجر بن خالد (شاعر)

۷۶ (حضرت) حسان بن ثابت

۱۶ (شیخ) حسن البقاء

۲۸۲ (شیخ) حسن علا سنجی

۱۶ (حضرت) حسین

۳۰۹ حمید الملک

(۱۱)

۲۸۰ (بیدنا حضرت) خضر علیہ السلام

۱۲۹، ۱۲۸، ۱۰۶ (حضرت) خالد بن ولید

۱۹۸، ۱۸۷، ۱۸۵ خالہ ادیب خانم

۳۳۲ (حضرت) خباب

۳۳۲، ۱۲۰ (حضرت) خلیف

۶۶ خا اول (شہنشاہ چین)

خدا بخش دیکھئے صلاح الدین

۳۱۱ (سلطان) خسرو پاشا (مصر)

خسرو دیکھئے نوشیرواں

۲۳، ۲۰ خسرو پرویز

۷۱، ۶۲ خسرو ثانی

۱۲۷ خطاب

- ۴۷ شعی
- ۵۹ شعی (تارہ)
- ۳۰۲ (سلطان) شمس الدین التمش
- ۴۲ شہرستانی (عبد الکریم)
- ۳۰۶ (سلطان) شیر شاہ سوری
- ۴۳ شیرویہ (شاہ ایران)
- طبقات شیطان۔ ابلیس دیکھئے
- ۵۰ شیو (دیوتا)
- (ص)
- ۳۶۳ (سیدنا حضرت) صالح علیہ السلام
- ۵۹ صاعد اندلسی
- ۳۱۲ (غنی) صدر الدین خاں
- ۳۱۲ (نواب سید) صدیق حسن خاں
- ۶۱ صمصہ بن ناجیہ
- (سلطان) صلاح الدین ایوبی ۱۱۷۱-۱۱۹۱
- صلاح الدین خدا بخش ۱۵۵۳، ۱۵۵۴
- ۳۳۲ (حضرت) صہیبؓ
- (ط)
- (ط)
- ۴۲ (امام) طبرانی
- ۴۵، ۴۲ (امام) طبری
- ۲۹۹ (سید) ظریف الدین عظیم آبادی
- ۲۰۸ (مولوی) ظفر علی خاں
- (ع)
- ۳۴ (سیدنا حضرت) عیسیٰ مسیح علیہ السلام
- ۳۱۶، ۲۴۲، ۲۰۹، ۱۸۶، ۱۵۳، ۳۵
- ۲۰۵ سرود
- (حضرت) سعد بن ابی وقاصؓ ۱۲۸، ۱۰۸
- ۱۲۱ (حضرت) سعد بن ربیعؓ
- (حضرت) سعد بن معاذؓ ۱۲۲، ۱۰۹
- (جلہ الملک) سعد الشراخ علامی ۳۰۸
- ۳۰۳ (شیخ) سعدی
- سقراط ۲۲۷، ۲۰۳، ۲۰۰
- ۵۰ سکر (دیوتا)
- (حضرت) سلمان فارسیؓ ۱۲۸، ۱۸۳
- ۱۸۲ سلیمان اعظم
- ۱۸۹ (سلطان) سلیم اول
- ۱۹۴ (سلطان) سلیم ثالث
- ۵۹ سہیل (تارہ)
- ۵۱ سیتا تھ پرکاش
- سید صاحب ملاحظہ ہو سید احمد شہیدؒ
- سید قطب ۳۰۱، ۲۳۱، ۲۱۱، ۱۹
- (شیخ) سیف الدین برہنہ ۳۰۷، ۲۸۳
- (الملك المنظر) سیف الدین قطر ۱۷۷
- سیر (مترجم قرآن) ۳۷۷، ۳۵
- (من)
- (سلطان) شاہجہاں ۲۸۳
- شاہین مکار یوس ۷۵، ۷۴
- (سٹر) شیرڈ ۲۴۱
- (حضرت) شہادین ہادیؓ ۱۱۱
- شریف مکہ ۳۱۱

۳۶۶	(حضرت) عثمان بن طلحه	عالمگیر ملاحظہ ہو اورنگ زیب	
۳۳۴	(حضرت) عثمان بن عفون	(حضرت) عامر بن	۱-۷
۱۲۱	(حضرت) عروہ بن مسعود ثقفی	(ام المؤمنین) عائشہ	۲۱۴، ۱۳۹
۵۹	عطارد (تارہ)	(حضرت) عباس بن عبدالمطلب	۳۶۶
۳۶۶، ۱۳۹	(حضرت) علی بن طالب	(مولوی) عبدالحکیم شرر	۷۵
۳۰۸	(حکیم) علی گیلانی	(مولانا) حکیم بید عبدالحی حسنی	۳۰۳
۱۷۰	(سلطان) علاءالدین خلجی	(مولانا) عبدالحی برہانوی	۲۸۷، ۲۸۵
۳۳۴	(حضرت) عمار بن	عبد الرحمن کوکبی (تلیح)	۲۳۶، ۲۳۵
۱۲۹	(حضرت) عمار بن یاسر	(مولانا) عبد الرحیم رامپوری	۲۹۷
۱۰۸	(حضرت) عمارہ	عبد الرحیم بکیم خان خانان	۳۱۱، ۳۰۹، ۳۰۸
۱۲۷، ۱۷۸	(حضرت) عمر بن الخطاب	عبد الرزاق خوانی	۳۰۸
۳۵۹، ۳۴۰، ۲۳۸، ۱۶۲، ۱۲۲، ۱۲۹	(حضرت) عمر بن جموح	(مولانا) شاہ عبد العزیز دہلوی	۲۹۶
۱۱۰	(حضرت) عمر بن عبد العزیز	(مستدعی) عبد العزیز آصف خاں	۳۰۳، ۳۱۱
۱۷۱، ۱۶۲	(حضرت) عمرو بن العاص	(شیخ) عبد القادر جیلانی	۱۵۷
۲۵۲	(حضرت) عمرو بن العاص	(حضرت) عبد الشریف عبد الشریف الی	۱۲۶، ۱۲۵
۱۲۸، ۱۰۸	(حضرت) عمرو بن العاص	عبد الشریف الی	۱۲۵
۱۸۴، ۱۳۶	(حضرت) عمیر بن حمام انصاری	(حضرت) عبد الشریف عباسی	۱۲۹
۱۰۹	(حضرت) غلام	(حضرت) عبد الشریف عمر	۳۴۰
۱۰۶	(حضرت) غلام	(حضرت) عبد الشریف مسعود	۱۲۹
۳۵۱	(امام) غزالی	(ڈاکٹر) عبد الشریف عباس ندوی	۲۲
۲۸۴	(شاہ) غلام علی	(مولانا) عبد الماجد دیوبادی	۱۹۹، ۱۷
۲۸۵	(شیخ) غلام علی آبادی	عبد المجید اول	۱۹۴
۳۰۹	(مید) غلام علی بکرامی	(حاجی) عبد الوہاب دہلوی	۱۷
۲۸۷	(دیوان) غلام مرتضیٰ	عقبہ	۹۰
۳۰۳، ۲۸۲	(سلطان) غیاث الدین بلبن	عقبہ بن ربیعہ	۱۱۹

۲۸۲ (سلطان) غیاث الدین تغلق

(ف)

۳۶۷ (حضرت) فاطمہ

۳۰۸ (علامہ) فتح اللہ شیرازی

۴۳ فرخ زاد خسرو

۱۱۳ (حضرت) فضل الدین عجمی بن طوئخ

۲۸۸ (مولانا) فضل رحمن گنج مراد آبادی

۳۹ (شہنشاہ) فوقا (PHOCAS)

۳۰۳ (سلطان) فیروز تغلق

(ق)

۲۶۳ قارون

۱۷۸ قازان خان (عمود)

۶۵ (سید) قاسم حسنی

۱۸۱ قاسم پاشا

۴۲ قباذ (شاہ ایران)

۶۰ قتادہ

۳۱۷، ۲۰۹، ۲۰۸، ۳۴ قسطنطین

۱۵۳ قسطنطین پنجم (شاہ روما)

(سید) قطب دیکھے (سید) قطب

۳۰۲ (خواجہ) قطب الدین بختیار کاکی

۳۱۲ (نواب) قطب الدین خان

۳۶ قیرس

۲۲۶، ۱۸۲، ۱۴۷، ۱۲۷، ۱۲۲ قیصر (بادشاہ)

(ک)

۲۳۸، ۲۳۱ کارل مارکس

۳۴۶، ۱۲۷، ۱۲۲، ۷۷، ۴۳ کسری

۷۴ کسری پرویز

۱۲۴ (حضرت) کعب ابن مالک

۳۱۲ (نواب) کلب علی خان

۵۹، ۵۸ کلپی

۱۵۳ کلودیس (پادری)

۲۹۹ (سید) کمال الدین عظیم آبادی

۱۹۲ کوپرنیکس

۱۹۳ کولیس

۱۹۲ کیلہ

۲۲۹ کیننیری

(ک)

۹۲ گاندھی جی (مہمن داس کم چند)

۳۷ گبن

۲۱۷ - ۲۲۰، ۱۶۴ (پوپ) گرگری عظیم

۵۲، ۵۱، ۴۹، ۴۶ (ڈاکٹر) گستاوی بان

۵۶ گلیگیو

۲۲۱، ۱۹۲

۵۰، ۴۷ (مہاتما) گوتم بدھ

(ل)

مارٹن لوتھر

۲۴۲ (لارڈ) لوتھین

(ڈاکٹر) لی بان دیکھے گستاوی بان

۲۱۵، ۲۱۳، ۲۰۵، ۲۰۳، ۱۹۹ (پروفیسر) لیکی

لین پول

۱۵۳ لیونو (شاہ روما)

۲۲	(مولوی) محمد رابع ندوی	۱۵۳	یوچرام (شاہ رونا)
۲۸۴	(خواجہ) محمد زبیر سرہندی	۶۷	(شاہ) لی بیان
۲۸۶	(مولوی) محمد علی	۳۵	
۱۷۰	(مولوی) محمد عنایت اللہ		(سیدنا و نبینا) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
۱۸۱، ۱۸۰	(سلطان) محمد قانع	۹۷، ۹۰-۹۵، ۸۶، ۸۵، ۶۴، ۱۶، ۱۱۴	
۸۰-۶۹	محمد کرد علی	۱۳۱، ۱۲۹، ۱۰۹-۱۲۷، ۱۰۵، ۹۸-۱۰۱	
۳۰۷، ۲۸۳	(خواجہ) محمد معصوم	۱۶۷، ۱۵۹، ۱۵۸، ۱۲۲، ۱۳۷، ۱۳۶، ۱۳۳	
۲۱، ۱۹	(ڈاکٹر) محمد یوسف موسیٰ	۲۳۸، ۲۳۵، ۲۲۳، ۲۱۴، ۲۱۳، ۱۸۴	
۱۹۰	محمد بنگلوری	۳۲۳، ۳۲۲، ۳۱۴، ۲۹۳، ۲۴۶	
۱۹۴	(سلطان) محمود ثانی	۱۳۳۶، ۳۳۳، ۳۲۹، ۳۲۸، ۳۲۵	
۳۰۳	محمود شاہ اول	۳۶-۱۲۵۵-۵۷، ۳۴۶، ۳۳۸-۴۰	
۳۱۰، ۳۰۳-۳۰۵	محمود شاہ دوم	۳۷۱، ۳۷۰، ۳۶۳-۶۷	
۲۸۴	(مرزا) مظہر جان جاناں	۲۶۰	(سیدنا حضرت) موسیٰ علیہ السلام
۴۲، ۴۱	مزدک	۱۷۶	ماہوج
۲۱۴، ۱۰۵	(امام) مسلم	۲۴۲، ۱۵۴	مارٹن لوتھر
۲۷۴	موسینی	مارکس	لاخطہو مارکس
۵۹	مشرقی (ستارہ)	۱۰۶، ۱۰۵	(حضرت) مامون مالک اسلامی
۳۳۴	(حضرت) مصعب بن عمیر	۱۲۱	(حضرت) مالک انحدری
۳۱۱، ۳۰۴، ۳۰۳	(سلطان) مظفر شاہ حلیم	۴۱	مانی
۱۲۹	(حضرت) معاذ بن جبل		مجدد صاحب ملاحظہ ہو شیخ احمد
۱۲۹	(حضرت) مقداد		(علامہ) مجدد الدین محمد ابن محمد الایچی ۳۸، ۳۰۳
۴۳	مکاریوس ایرانی	۳۰۰، ۲۰۶	(ڈاکٹر) محمد اسد (یو پولڈ ویس)
	مکاریوس دیکھے شاہین مکاریوس	۳۰۸	(مولانا) محمد امین انجانی
۳۰۴، ۳۰۳	مندی رائے	۱۸۱-۱۸۳	محمد جمیل بیہم
۵۵، ۵۳	منجوجی	۲۲	(مولوی) محمد اسحق

۳۰۸	(علامہ) وحیہ الدین بن نصر الشہر الجرجانی	۱۹۳	موسیو والسی (ساج)
۳۱۲	(نواب) وزیر الدولہ ٹوکنی	۱۲	(پروفیسر) مونٹگمری
۵۰	وشتو (دیوتا)	۶۳	ہنہیل (عرب سردار)
۱۸۸۰۸۱	حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی	۶۱	میدانی (احمد النسا پوری)
۲۴۱	وکتوریہ	۲۵۴	(لارڈ) میکالے
۱۲۸	ولید	۲۱۱	(سینٹ) میکیریس اسکندری (راہب)
۳۸	ولینز (ایچ جی)	۱۹۳	میگلن
۱۹۰	(سر) ولیم ڈبلیو		

(ن)

(۵)

۱۹۸	(ڈاکٹر) ہاس	۳۰۳	(سلطان) ناصر الدین محمود
۲۹۷	(مسٹر) ہاکنس	۲۰۵	نیچون (سمندر کا دیوتا)
۵۰	(راجہ) ہرش	۱۸۳	نیولین
۱۲۸۰۴۰	ہرقل	۱۲۲۰۱۰۸	نجاتشی
۷۸۷۷۷	ہرز	۲۱۲	(امام) نسائی
۷۸	ہرزان	۲۸۲	(شیخ) نصیر الدین چراغ دہلی
۲۱۷	(شہنشاہ) ہنری چہارم	۲۸۲	(حضرت) نظام الدین اولیاء
۵۰۱۲۱	ہوٹن سیانگ (چلیٹی سیاح)	۳۰۸	(قاضی) نظام الدین بدخشان
۶۱	ہیشم بن عدی	۲۹۹	(ملا) نظام الدین گفٹوی

(۵)

(سیدنا حضرت) یوسف علیہ السلام ۳۰۵۰۲۶۱

۱۷۶	یاجوج	۱۶۹-۱۷۱	(سلطان) نور الدین زنگی
۲۴۲	یجن	۷۱	نوشیروان (خسرو)
۱۳۵۷۷۷۷	(شاہ) یزدگرد	۱۹۲	نیوٹن
۴۰	یزدگرد دوم		
۲۱۱	(سینٹ) یوحنا (راہب)	۱۹۳	واسکو ڈی گاما
۲۱۱	(سینٹ) یوسیس (راہب)	۶۳	واٹن
		۵۰	(راجہ) والاکا مروب

(د)

[illegible]

۵۳-۵۶ ثور- اچھوت
 ۲۱۲، ۱۲۵، ۱۰۰، ۱۸۱ شیطان- ابلیس
 ۳۲۳، ۳۱۹، ۲۴۱، ۲۳۴، ۲۳۲
 ۱۲۲، ۱۱۶، ۱۱۳، ۹۷-۹۹ صحابہ کرامؓ
 ۳۴۰، ۳۲۲، ۲۳۵، ۱۴۰
 ۱۷۴، ۱۶۹-۱۷۱ صلیبی
 ۵۹ ط (قبیلہ)
 ۱۰۷ عبد قیس (قبیلہ)
 ۱۸۷، ۱۸۰، ۱۷۹ عثمان ترک- آل عثمان
 ۱۸۲ عثمانی سلاطین
 ۱۱۵، ۱۰۱-۱۰۹ عجمی
 ۹۱ عدنان (قبیلہ)
 ۷۶، ۷۵، ۶۹، ۵۷-۶۳، ۱۹، ۱۶ عرب
 ۱۳۵-۱۳۸، ۱۱۵، ۱۰۳، ۱۰۱، ۹۱، ۹۰
 ۳۵۵، ۳۴۹، ۲۱۳، ۱۷۴، ۱۶۴، ۱۵۴
 ۳۷۰-۳۷۲، ۳۶۸، ۳۶۴، ۳۵۶-۳۶۱
 ۳۱۰ علمائے حرمین
 ۶۴، ۴۰، ۳۹، ۳۵ عیسائی، مسیحی، نصرانی
 ۱۸۱، ۱۸۵، ۱۸۳، ۱۷۰-۱۷۲، ۱۵۳
 ۲۱۶-۲۱۸، ۲۰۸-۱۰۱، ۹۴
 ۱۲۴ غسان (قبیلہ)
 ۷۶ غسانی امراء
 ۳۴۲، ۳۴۱ فرانسیسی
 ۲۴۱، ۵۹ فرشتے
 ۹۱ قحطان (قبیلہ)

۵۵، ۵۳ چھتری (قبیلہ)
 ۶۷، ۶۶، ۶۴، ۴۸ چینی- اہل چین
 ۵۹ حمیر (قبیلہ)
 ۱۸۸ خاندان فرنگی محل
 ۵۹ خزاعہ (قبیلہ)
 ۱۲۶، ۹۸ خوزج (قبیلہ)
 ۱۶۴ خلفائے بنی امیہ
 ۱۶۴، ۱۶۳، ۱۵۷ خلفائے بنی عباس
 ۱۷۱، ۱۶۲ خلفائے راشدین
 ۹۷ داحس (قبیلہ)
 ۵۵ دوج
 ۶۷، ۶۵، ۶۴، ۳۲ رومی- اہل روم
 ۱۱۹، ۱۱۴، ۱۳۵، ۸۰، ۷۹، ۶۹
 ۳۵۶، ۲۴۳، ۲۲۶، ۲۱۳، ۲۰۴-۲۱۰
 ۳۶۱، ۳۵۷
 ۱۷۰، ۱۶۹ زنگی خاندان
 ۷۵، ۷۴، ۷۱، ۴۲-۴۴، ۴۳ سلاطین ایران
 ۲۱۸، ۲۰۸، ۸۰، ۷۶، ۷۴ سلاطین روم
 ۳۰۳ سلاطین گجرات
 ۴۷ سنگھ
 ۶۴ سوسی (خاندان)
 ۱۲۴، ۷۶، ۶۹ شامی
 ۸۲ شاہان دہلی
 ۳۰۹ شاہان صفویہ
 ۳۰۴ شاہان مالوہ

۶۵	ناروگ (قبیلہ)	۹۴-۹۸، ۹۰، ۶۲	قریش (قبیلہ)
۱۲۴	نبطی	۳۶۵، ۱۲۸، ۱۲۷	
۶۳	دامل (قبیلہ)	۲۶۳	قوم عاد
۶۵	وسی گوٹھ (قبیلہ)	۲۱۵	قیصرہ
۵۲	ویدی آریہ	۱۷۴	کرد
۵۵، ۵۳	دیش	۵۹	کنانہ (قبیلہ)
۲۹۶، ۲۹۵، ۵۱، ۴۹	ہندو	۴۳	کیانی (خاندان)
۲۹	یورپین۔ اہل یورپ۔ مغربی اقوام	۵۹	نعم (قبیلہ)
۱۹۴، ۱۹۳، ۱۸۵، ۱۶۶، ۱۴۶، ۴۶		۴۶، ۴۵	مجوسی
۳۰۰، ۲۷۲، ۲۷۱، ۲۲۶، ۴۲۴		۴۲	مزدکی
۳۴۳، ۳۳۷، ۳۲۹، ۳۲۱، ۳۲۰		۱۷۷، ۱۷۴	مصری
۳۵۵		۸۲، ۴۸	مغل
۱۹۷-۲۰۶، ۱۸۵، ۱۶۶، ۷۰	یونانی	۸۲	مغل سلاطین
۳۶۱، ۲۴۳، ۲۲۷		۳۵	ملکانی عیسائی (MALKITE)
۵۶	یونانی مؤرخین	۳۵	مونوفزٹ عیسائی (MONO PHYSITES)
۶۴، ۶۰، ۴۸-۴۰	یہود۔ یہودی	۲۵۳، ۱۲۸، ۱۱۶، ۹۸	ہاجرین
۲۹۸، ۲۱۷، ۶۵			

کتابیات

بیروت النبی من القرآن

۵۸

(ت)

تاریخ ابی الفداء حموی

۱۴۲

تاریخ اخلاق یورپ ۲۰۶-۲۰۳-۱۹۹

۲۱۶، ۲۱۱

تاریخ اسلام (شرد)

۴۵

تاریخ ایران (از مکار یوس)

۴۵، ۴۳

تاریخ چین

۶۷

تاریخ دعوت و عزیمت

۱۶۹

تاریخ طبری ۴۳-۴۸۱، ۴۱-۴۷۵-۱۰۷

تاریخ عالم برائے مؤرخین

۳۷

تاریخ عمر بن الخطاب (ابن جوزی)

۱۳۲، ۱۳۶

تاریخ الکامل

۱۷۹، ۱۷۱

تاریخ مصر

۱۸۴

تذکرہ آدمیہ

۲۸۳

تذکرہ علماء

۱۵۶

ترکی میں مشرق و مغرب کی کشمکش

۱۸۷

التصویر الغنی فی القرآن

۲۰

تفسیر ابن جریر

۱۲۵

تفسیر ابن کثیر

۱۱۶

تفسیر طبری

۱۳۶، ۶۰

تکمیل الاذقان

۱۸۸

قرآن مجید

(الف)

۲۸۴

آثار الصادق

۳۰۸

اربعین (عالمگیر)

۲۸۴

ارشاد رحانی

۱۸۸

ازالة الخفاء

۱۸۸

اسرار المحیة (رسالہ)

۱۱

اسلام اینڈ دی ورلڈ

۲۱۴

اقتضاء الصراط المستقیم

۳۴۶

الاغانی

۳۴۸، ۳۴۶، ۳۴۴

الف لیلة

۱۴۷

انجیل

۱۸۸

الانصاف (رسالہ)

۶۳

ایام العرب

۷۰۷، ۷۰۴، ۷۰۱

ایران بعید ساسانیان

۷۹، ۷۸

(ب)

۱۲

باضعت مسلمین دنیا در خطر سقوط

۱۲۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۹۹، ۹۸

بجاری ملاحظہ ہو صحیح بخاری

۱۲۰، ۱۰۹، ۱۰۸، ۹۹، ۹۸

البدایہ والنہایہ

۱۷۸، ۱۷۷، ۱۷۶، ۱۷۵، ۱۷۴، ۱۷۳، ۱۷۲، ۱۷۱

بلوغ الأرب فی احوال العرب

۶۱

تلاش ہند (DISCOVERY OF INDIA)

۴۷

تمدن ہند (گتاولی بان) ۴۶، ۵۱، ۴۹

۵۶، ۵۳

(ح) (خ)

حجۃ الشربالغہ ۱۸۸، ۸۳، ۸۱

حاشہ ملاحظہ ہو دیوان

خزانہ عامہ ۲۰۹

خطبات اشام ۸۰، ۷۷، ۶۹

۲۰

(ذ) (د)

دارالمعارف ۲۸۵، ۲۸۴

دیوان الحاشہ ۶۲، ۶۰

۲۸۳

(س) (ن)

۱۵۶

۲۹۹

۲۰۲

۱۲۲، ۱۲۱، ۱۱۳، ۱۱۱، ۱۱۰

۱۹۴

(س) (ن)

۶۰

۵۰

۱۷۰، ۱۷۴

۲۴۶، ۲۱۴

۶۱ سنن الداری

۲۴۷، ۲۱۴ سنن نسائی

۱۲۱ سیرۃ ابن ہشام

۲۸۵ سیرت بید احمد شہید

۱۳۶ سیرۃ عمر ابن الخطاب (ابن جوزی)

۱۴۲

۳۰۸ شرح اربعین

(ص) (ض)

۱۲۳، ۱۱۶، ۱۰۹، ۵۹، ۵۸

۳۶۰، ۲۱۴، ۱۳۷، ۱۳۴، ۱۲۴

۱۲۳، ۱۱۶، ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۰۶، ۱۰۵

۳۶۰، ۲۹۳، ۲۴۷، ۲۱۴، ۱۳۴، ۱۲۴

۱۵۶

۱۵۴، ۱۵۳، ۱۸

(ط)

۲۳۵

۵۹

(ع)

۱۸۸

۲۱

۶۰

(ق) (ف)

۳۰۷

۱۸

۱۸۱-۱۸۳

فلسفۃ تاریخ العثمانی

۲۱۳، ۸۳	مذاہم احمد	۱۸۸	الفوز الکبیر
۲۰	شاہد الیقین فی القرآن	۱۹۰	قانون تہذیب و الخطاط
۳۰۵	معالم التنزیل	(ک) (ل)	
۲۰۷-۲۱۰	محرر مذہب و رأس	تاریخ الکمال	الکمال دیکھو
۲۱۷		۵۹، ۵۸	کتاب الاصنام
۱۸۰	مفکرین اسلام	۶۱	کتاب الاغانی
۱۸۸، ۱۳۸	مقدمہ ابن خلدون	۱۸۶	کتاب پیدائش
۴۲	الملل والنحل (الشہرتانی)	۱۴۲	کتاب المجاہدہ
۱۸۸	منصب امامت	۶۰	کتاب المختص
۲۸۸	منظورۃ السعداء	۲۲۹	کتاب مقدس
۵۳-۵۶	منو شاستر	۲۱۴	کتاب التہذیب
	(ن) (و)	۳۵۱	کیمیائے سعادت
۲۹۹، ۲۹۷، ۲۸۴، ۲۸۳	نہجۃ الخواطر	۱۵۶	لفقۃ الکبیر
۲۰	النقد الأدبی	(۳)	
۱۹۳	نئی ایجادات کی تاریخ	۳۰۸	ماثر الامراء
۲۸۷	وقائع احمدی	۲۳، ۱۶	ماذا خسر العالم
۵۲-۵۴، ۴۹	وید	۲۸۶	مخزن احمدی
	(ی) (۵)	۸۴	مستدرک حاکم
۴۷	ہندوستانی تمدن	صحیح مسلم	مسلم
۲۳۴، ۲۳۳	ہجالی حملہ (آغا اشرف دہلوی)	مسلمانوں کے منزل سے دنیا کو کیا نقصان	
۲۰۳	یادایام (تاریخ گجرات)	۲۳، ۲۱	پہونچا

۲۸۲ تنہا تھیں اور (نظام الدین)

ان. فارس ۱۲، ۱۵، ۲۲-۲۶، ۲۸

۱۵۳	تورین	۳۳۶، ۲۸۴، ۱۴۸، ۱۴۶، ۱۵۶	بغداد
۲۶	مکسلا	۲۸۶	بنارس
۳۱۲	ژنگ	۲۸۵، ۱۹۰	بنگال
	(ج) (چ)	۲۱۸	بوسبیا
۲۴۳-۴۵، ۶۵	جاپان	۲۸۵	بہار
۱۴۴	جالت	۲۸۴	بہرائچ
۲۸۴	جاش	۳۱۲	بھوپال
۳۱۸، ۲۰۶	جوسن	۱۱۳، ۵۸	بیت اللہ شریف - خانہ کعبہ
۱۹۵	اگر اڑ	۳۳۶، ۱۵۶	
۲۱۹، ۶۵	جواٹر برطانیہ	۱۶۹-۱۴۲، ۶۴	بیت المقدس
۳۵۹، ۳۵۵، ۲۸۹، ۲۰۶، ۶۳	جوزیرہ عرب	۲۶۵	(بڑا گھنٹہ گھر لندن) BIG BEN
۱۸۲	جوزیرہ خالص بلقان		(پ)
۱۹۸	جنیوا	۲۳۴	پامپی آئی
۳۲۸، ۲۸۴، ۶۴، ۲۸، ۲۵	چین	۲۸۶	پٹنہ
	(ح) (خ)	۱۸۲	پرننگال
۲۸۴، ۲۴۴، ۱۲۸، ۹۰	حبشہ - حبش	۲۸۴	پشاور
۶۰، ۱۱۸، ۱۶	حجاز	۱۹۰	پلاسی (جنگ)
۱۲۱	خدیبیہ	۲۸۴	پنجاب
۳۱-۱۵۸	حرم شریف	۲۸۵	پونہ
۳۱۰، ۲۸۳	حومین شریفین	۲۴۱	پیرس
۲۸۴	حصار		(ت) (ط)
۱۴۱-۱۴۳	حطین (فلسطین)	۲۸۴	تاتقند
۲۰	حلوان (مصر)	۱۲۳	تبوک
۲۸۵	حیدر آباد	۱۹۵، ۱۴۸	ترکستان
۴۴، ۴۶	حیرہ	۳۱۱، ۱۹۰-۱۹۵، ۱۸۵، ۱۴۵، ۱۱۲	ترکی
		۳۵۱	

(س)

سارنگ پور

۳۰۴

۱۷۵

سید سکندری

۲۸۴، ۲۸۳

سمرہند

۲۸۹، ۲۸۴

سمرقند

۲۸۴

سنبل

۲۸۲

سنجر

۳۰۹

سندھ

۲۴۲

روی کلیا

۲۶۵

یلون

(ش)

شام ۱۸، ۳۵، ۴۴، ۶۴، ۷۰، ۷۸

۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۹، ۱۸۴، ۱۹۵، ۱۲۸

۱۶۶، ۱۷۳، ۱۷۷، ۱۸۴، ۲۸۶، ۳۵۶

شرق اوسط ملاحظہ ہو مشرق وسطیٰ

(ط)

۶۴

صلیب مقدس

۲۸۵

صوبہ متحدہ

۱۷۳

صور (فلسطین)

۱۷۳

طیفون دیکھیے

(ع)

عالم اسلامی - اسلامی جنگ ۲۸، ۲۹

۷۵ - ۱۶۹، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۵، ۱۸۷

۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۱، ۱۹۳، ۲۸۱، ۳۲۵

۳۲۸، ۳۳۰ - ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵

۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷

خانقاہ مجددیہ - دہلی ۲۸۴

خانہ کعبہ دیکھیے بیت الشریف

۱۱۱

(۵)

دار ابن ارقم

۱۲۰

۱۶

دجلہ

۱۷۳

دریائے اردن

۱۸۲

(SAVA) دریائے صاودہ

۳۵۴، ۱۸۲

دریائے نیل

۳۰۷، ۳۰۷

دکن

۳۴۶

دشت

۲۸۵

دو آب

۲۸۴، ۲۸۴ - ۲۸۴، ۱۸۲

دہلی

۲۸۵

ڈھاکہ

(۷)

۳۱۲، ۲۹۷، ۲۸۴

رامپور

۱۷۳، ۱۷۲

رملہ

۳۴۸، ۳۲۹، ۳۱۹

روس

۷۷ - ۷۰، ۶۳، ۴۴، ۳۵، ۲۵

۲۰۱، ۱۸۲، ۱۵۳، ۹۰، ۸۰، ۷۶، ۷۴

۲۲۶، ۲۱۴، ۲۱۰، ۲۰۸، ۲۰۵، ۲۰۳

۳۶۴، ۳۱۶، ۲۸۴، ۲۳۴، ۲۲۷

۲۹۷

روہیکھنڈ

۳۶۶

زمرم

۳۴۶	قاہرہ	۴۶	عجائب خانہ ٹکسلا
۱۷۲	قبۃ صخرہ	۳۵۹، ۳۵۱، ۱۲۸	عجم
۳۱۱، ۱۹۲، ۱۸۰-۸۳، ۶۲	قسطنطنیہ	۳۵۵، ۱۷۸، ۱۷۷، ۱۲۸، ۱۷۵	عراق
۱۸۳	قفقاز	۳۵۶	عرب عالم عربی، ممالک عربیہ
۲۱۷	قلعہ کانوسا	۱۹، ۱۶، ۱۵	عرب عالم عربی، ممالک عربیہ
۳۰۴	قلعہ مالوہ	۱۹۳، ۱۳۵، ۹۵، ۹۴، ۹۰، ۶۱، ۲۵	عرب عالم عربی، ممالک عربیہ
۱۲	قلم	۳۷۴، ۳۶۲، ۳۶۱، ۳۵۴-۵۹	عرب عالم عربی، ممالک عربیہ
۳-۷، ۲۸۴	قندھار	۶۲	عرفات (میدان)
۵۰	قنوج	۲۳۸	عربین بدر
۳-۷، ۲۸۴	کابل	۲۸۶، ۲۸۵	عظیم آباد
۲۹۵	کاتھلہ	۱۷۲	عکہ
۱۹۰	کرناٹک	۱۷۷	عین جالوت
۲۸۵	کشمیر	۲۸۶	غازی پور
خانہ کعبہ	کعبہ	۲۸۴	غزنی
۲۸۷، ۲۸۶	کلکتہ	بستی	غیاث پور
۲۳۲	کلیسائے انگلستان		
۱۸۲	کوہ اطلس	ایران	فارس
۶۲	کپیڈوٹیا	۷۹	فارنگیوں (علاقہ آرمینیہ)
		۱۶	فرات
۳۰۹، ۳۰۸	گجرات	۳۴۱، ۳۱۷، ۱۶۵، ۳۸	فرانس
۲۸۴	گورکھپور	۷۵	فرش بہار (ایرانی)
		۱۸۸	فرنگی محل (کھنڈ)
۲۸۴، ۲۸۳	لاہور	۳۵۴، ۱۶۹-۷۱، ۱۸، ۱۵	فلسطین
۲۸۴، ۱۲	لکھنؤ		
۲۷۱، ۲۶۵، ۲۳۳، ۱۹-۱۱	لندن	۱۸۱	قاسم پاشا (قسطنطنیہ)

۹۴۰۹۳۰۹-۰۲۲۰۱۰۱۶	کر خسته	۶۵	لواتر
۳۶۰۳۱۰۳۱۰۰۲۸۰۱۰۱۰	۹۸۰۹۵	(۴)	اسکو
۲۸۴	لطان	۲۶۶	اسکو
۱۲۹	موتہ	۱۸۲	اسکا
۱۰۰	موصول	۳۰۴۰۳۰۳	مالوہ
(۵) (ن)		۳۰۴	مانڈو
بستی	نظام الدین	۱۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰	مڈلٹن (طیفون)
۲۰۱۰۲۶۶	نیویارک	۱۳۲۰۱۲۹۰۱۳۸	
۱۸۲	ویانا	۱۳۳۰۱۰۰۰۰۹۸	مدینہ منورہ - شرب
۱۸۲	دقیق	۳۲۵۰۲۱۴۰۱۰۱۰۱۲۹۰۱۲۴	۲۶
(۸)		۳۶۹۰۳۶۸	
۴۶-۲۸۰۲۵۰۱۰۱۰۱۰۱۰	ہندوستان	۱۹۵۰۱۸۲	مراکش
۱۵۴۰۹۲۰۶۴۰۵۶۰۵۳۰۵۲۰۵۰		۲۸۶	مرزاپور
۲۸۰۲۸۲-۸۵۰۱۹۵۰۱۸۸	۱۹۳	۲۸۰	مرشد آباد
۳۰۳۰۳۰۲۰۲۹۹۰۲۹۰۲۹۲۰۲۸۹		۳۱۰	مسجد حرام (مکی)
۳۵۰۳۱۸۰۳۱۲		۱۰۰	مسجد عمرہ (یروشلم)
۲۰۳	بیروشیا	۱۵۹	مسجد نبوی
۱۸۰	ہنگری	۳۵۴۰۰۵	مشرق اقصیٰ
(۱۱)		۱۸۰۱۶	مشرق وسطیٰ - شرق وسط
۱۰۳	یاقا	۱۹۱۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰	۱۹
مدینہ منورہ	شرب	۶۹۰۶۸۰۶۴۰۳۰۰۱۰۰	مصر ۲۳۰۱۵
۱۰۲۰۱۶۹	یروشلم	۱۰۹۵۰۱۹۳۰۱۸۴۰۱۰۰۰۰۰۰۰	۱۳۶۰۱۲۸
۹۵۰۹۰	بین	۳۵۶۰۳۵۴۰۳۱۱۰۲۸۴۰۳۱۱	
۳۸۰۲۰۲۹۰۱۰۱۰۱۰۱۰	یورپ - مغرب	۲۹۵	منظرنگر
۱۰۲۰۱۶۹۰۱۵۴۰۱۵۳۰۱۰۱۰۱۰	۶۲	یورپ	مغرب

۳۵۰-۵۴۳، ۳۴۸، ۳۴۲، ۳۳۲

۳۷۳، ۳۶۲، ۳۶۱، ۳۵۷

۳۲۶، ۳۰۳، ۳۰۲، ۱۹۹، ۶۳ یونان

۳۵۱، ۳۱۶، ۲۳۴، ۲۲۷

۱۹۹، ۱۹۰-۹۶، ۸۸، ۸۱-۸۶

۲۲۳-۲۷، ۲۱۸-۲۰، ۲۰۶، ۲۰۲

۲۶۴، ۲۵۶، ۲۴۸، ۲۳۶-۲۴، ۲۳۲

۳۱۲، ۲۹۹-۳۰۱، ۲۹۰، ۲۷۸، ۲۷۱

۳۳۱، ۳۲۳، ۳۲۱، ۳۱۹، ۳۱۸، ۳۱۶

متفرقات

۱۹۳ دارالہلال مصر

۳۵ رومن کیتھولک

۲۸۳ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ

۳۵۸ عرب لیگ

۱۹ قاہرہ یونیورسٹی

۲۲۹ کاؤت فیکرہی (یورپ)

۱۹۱۸ لجنة التالیف والترجمة والنشر-قاہرہ

۲۲۸، ۱۱ لندن یونیورسٹی

۱۷ کتبخانہ عبدالوہاب دہلوی بکرہ معظمہ

۱۷ کتبخانہ مولانا عبد الماجد دریابادی

۱۸ کلیۃ الادب-جامعہ مصریہ-قاہرہ

۱۲ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام بکھنؤ

۱۸۵ مدرسہ سلیمانیہ ترکی

۱۸۵ مدرسہ فاتح-ترکی

مذہب و نظریات

۳۱۷ استعمار-امپیرلزم

ادارے تحریریں اور کتب خانے

۱۹۱۶ الاخوان المسلمون

۱۹۴ انجینئرنگ کالج (ترکی)

۱۲ ایڈنبرا یونیورسٹی

۲۸۵، ۲۸۴ ایسٹ انڈیا کمپنی

۲۳۴ ایف پی ٹی

۲۹۷ برٹش کالج-برٹش

۲۳۲ بینک آف انگلینڈ

۲۱، ۱۹ جامع ازہر-مصر

۲۲ جامعہ أم القری-مکہ مکرمہ

۱۱۸ جامعہ مصریہ-قاہرہ

۱۲ جلسات علمی اسلام شناسی-قم

۱۹ جامعہ الازہر للنشر والتالیف

۲۸۴ خانقاہ مجددیہ (دہلی)

۲۰ دارالعلوم مصر

۲۲، ۱۲ دارالعلوم ندوۃ العلماء

۱۹۸/۱۸۵-۸۷	فلسفہ ارسطو	اسلام کتابچہ اکثر صفحات میں	
۱۶۷	فلسفہ اشراق	اشتراکیت - مزدکیت	۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۳، ۳۲۲، ۳۲۱
۲۰۰/۱۸۶، ۱۶۷	فلسفہ الہیات	اشتعالیت	۳۶۱، ۳۴۸
۲۲۸، ۲۲۱-۲۵۰، ۲۲۶	قومیت - وطنیت	۱۹۹	۳۲۷
۲۲۹	بحوثیت	۱۵۲، ۱۵۸، ۱۵۷، ۱۶۶-۵۰	۱۹۹
۸۴	مصری افلاطونیت	۳۱۷، ۲۰۹، ۲۰۸، ۱۵۳	۱۵۲، ۱۵۸، ۱۵۷، ۱۶۶-۵۰
۲۲	نظریہ ارتقاء	۴۷، ۴۶	۳۱۷، ۲۰۹، ۲۰۸، ۱۵۳
۲۴۱، ۲۴۰	وحدانیت	۶۵، ۴۶-۵۰	۴۷، ۴۶
۵۷	وحدة الوجود	۵۲	۶۵، ۴۶-۵۰
۲۳۹، ۲۳۸، ۱۶۷	ہندومت - ہندو مذہب	۹۴، ۹۳، ۸۶، ۵۸، ۲۵، ۱۳	۵۲
۴۹، ۴۶، ۲۵	یونانی فلسفہ، یونانی تحریک، یونانی خالقان	۳۲۷، ۳۲۶، ۳۲۵، ۱۶۲، ۱۵۰-۱۱۲، ۱۳۱	۹۴، ۹۳، ۸۶، ۵۸، ۲۵، ۱۳
۲۰۰/۱۹۹، ۱۸۵	یہودیت	۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۲، ۳۱	۳۲۷، ۳۲۶، ۳۲۵، ۱۶۲، ۱۵۰-۱۱۲، ۱۳۱
۲۵	سماج، تہذیب تمدن اور معاشرہ	۳۲۷	۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۲، ۳۱
۲۹۳، ۱۵۴، ۱۱۶	اسلامی معاشرہ و تمدن	۵۲	۳۲۷
۳۱۳	برہمنی تہذیب	۵۰	۵۲
۵۳	رومی معاشرہ و تمدن	۳۵	۵۰
۱۹۷، ۱۵۳، ۷۲	مغربی تہذیب نظام فکر	۱۹۱	۳۵
۲۲۷، ۲۰۲-۲۰۱، ۲۰۳	ہندوستانی سلج	۹۲	۵۶
۱۹۷، ۱۸۶، ۱۲۰، ۱۱۲	یونانی تمدن	۳۳، ۲۵	۱۹۱
۳۱۹، ۲۹۰، ۲۸۸، ۲۷۹، ۲۳۵، ۲۲۸، ۱۹۹	سلطنتیں اور ادوار حکومت	۳۵۵	۳۳، ۲۵
۳۶۱	ایرانی سلطنت	۲۱۸، ۲۱۵، ۲۱۴، ۲۰۹، ۲۰۸، ۱۸۶، ۱۴۶	۳۵۵
۵۶، ۵۵، ۵۳		۲۴۲، ۲۳۶، ۲۲۷، ۲۲۶	۲۱۸، ۲۱۵، ۲۱۴، ۲۰۹، ۲۰۸، ۱۸۶، ۱۴۶

۱۲۳ غزوہ تنوک

۱۸۰ فتح قسطنطنیہ ۸۵۳ھ
۶۱۲۵۳

۱۳۲ فتح مدائن

۳۶۶ فتح مکہ

۱۲۱/۱۱-۱۱-۹ معرکہ اُحد

۲۳۵/۱۲۲/۱-۹ معرکہ بدر

۱۱۱ معرکہ خیبر

۱۷۰ واقعہ ارتداد

۹۷ یوم الفجار

دیگر متفرقات

۲۱۱ ایسٹر (تہوار)

۷۶ بریل (سامانِ طب)

۱۳۲ تاج کسریٰ

۲۹۹ درس نظامی

۵۹ سہیل (ستارہ - بیت)

۵۹ شعری (ستارہ - بیت)

۵۹ عطارد (ستارہ - بیت)

۷۱ فرانک طلائی (سکہ)

۱۳۲ قریش بہار (ایرانی)

۷۱ منتقال (روزِ ن)

۵۹ مشتری (ستارہ بیت)

۷۹ مہرگان (تہوار)

۷۹ نوروز (تہوار)

۵۹ ویران (ستارہ - بیت)

۱۸۰/۷۲/۳۷ باز نطینی حکومت

۵۶ برہمنی زمانہ

۱۹۲/۱۶۵/۱۵۸/۱۳۱ خلافت راشدہ

۶۶۶/۷۵۷/۷۵۷ دورِ جاہلیت - زمانہ جاہلیت

۷۹/۷۵۷/۷۶۷-۶۹/۳۵ رومی سلطنت

۳۵۸/۳۵۶/۹۰

۱۹۳/۱۸۹/۱۸۲ سلطنت عثمانیہ

۱۹۱ صفوی سلطنت

۲۸۳ عہدِ جاگیر

۳۵۱ عہدِ عباسی

۳۵۶ کیانی حکومت

۱۸۹ مغلیہ سلطنت

۵۶/۷۵۲/۷۵۹ ویدی زمانہ

اہم و تاریخی واقعات، حوادث اور جنگیں

۳۳۲/۳۳۱ انقلابِ فرانس

۳۱۲ انقلابِ ہند ۱۸۵۷ء

۱۵۵/۸۶/۸۵/۲۱/۷۷/۷۶ بعثتِ محمدی

۳۱۲ جنگِ یغاث

۲۱۲/۷۹۸ جنگِ پلاسی

۱۹۰ جنگِ موتہ

۱۲۹ حادثہِ عبالاکوٹ ۱۳۲۶ھ

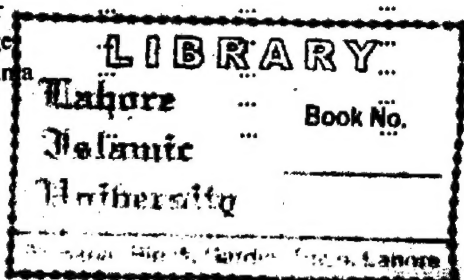
۲۸۵ حادثہِ ہیروشیا، اگست ۱۹۴۵ء

۲۷۳ حلاۃِ تاتار

۱۷۹/۷۶۷/۷۷۵ صلیبی جنگ

۲۲۳/۱۶۹-۷۷۵

Kepler	192
Leopold Weiss (Mohd. Asad)	206, 300
Loire	65
Lothian, Lord	242
Machiavelli	225
Magdian	193
Making of Humanity, The	38, 68, 72, 154
Malkite	35
Man the Unknown	266
Martin Luther	242
Mohammad Asad	148
Monophysites	35
Neptune	205
Neo-Platonism	34
Newton	192
Origin of Species	240
Peter the Great	182
Philosophy of our Times	230, 231
Phocas	39
Plesch, Prof.	275
Rhys Davis, Mrs	47
Robert Briffault	67, 72, 154
Sale	35, 37
Sale's Translation (of the Holy Quran)	35, 37
Samuel Butler	230
Sava, R	182
Short History of the World	38
Spain	38
Stanley Lane-Poole	169
Statesman (Newspaper), The	275
Stuart Gilder	273
The Messenger	63
Vasco da Gama	193
Visigoths	65
Volney	193



4ndel
(1911)

No.

INDEX

"INSANI DUNYA PAR MUSALMANON KE UROOJ-O-ZAWAL
KA ASAR"

Alexis Carrel	266
Alfred J. Butler	36, 38
Arab's Conquest of Egypt, The	36, 40, 69.
Augustine, St.	205
Augustus,	205
Baron Carra de Vaux	180
Bodley, R. V. C.	63
Bonosus	39
Bruno	192, 221
Big Ben, London	265
Canon Barry	229
Cappadocia	64
Claudius	153
Cicero	205
Columbus	193
Copernicus	192
Cyrus	36
Desrailli	269
Discovery of India	47
Dutt, R. C.	55
Encyclopaedia Britannica	170
Galileo	192, 221
Germanicus	205
Gibbon	37
Gregory the Great	64
Guide to Modern Wickedness	228, 229, 231, 241, 246, 250, 266,			
	269, 270			
H. G. Wells	38
Heraclius	40, 128
Historian's History of the World	37, 40
History of the Decline and Fall of Roman Empire, The	37, 40
Inside Europe	231
Islam & the World	11
Islam at the Cross-Road	...	148, 205, 227, 228, 302		
Joad, Prof.	228, 240
Karl Marx	231, 238

